ذخیرۂ پروفیسر محمد اقبال مجددی
جو 2014ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو
ہدیہ کیا گیا۔

مقالاتِ آزاد

ذخیرۂ محمد اقبال مجددی لاہور

مرتبہ
عبداللہ بٹ

ناشر
قومی کُتب خانہ، لاہور

فہرست

۱۔ چند مضامین

بعض مسائلِ مہمہ	۱۱
السیدہ فاطمہ بنتِ عبداللہ	۱۴
عشرۂ محرم الحرام	۲۱
رنگوں کی بوقلمونی	۳۱
لیلۃ القدر	۵۱

۲۔ جنگ کی تاریخ کا ایک صفحہ

سقوطِ ادرنہ	۵۹
قدیم ترین محاصرے اور مدافعت	۸۵

Marfat.com

۳ - اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ وَ اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۱۳۱

۴ - عمر خیّام اور غالب 131276

رباعیات عمر خیام ۱۵۱

مرزا غالب مرحوم کا غیر مطبوعہ کلام ۱۶۵

۵ - اسلامی نظامِ حکومت

الحریت فی الاسلام ۱۸۳

Marfat.com

پیش لفظ

"اس صدی کے شروع میں ہندوستان کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے اور ان کے مردہ دلوں میں زندگی کی رُوح پھونکنے کے لئے تین آوازیں بلند ہوئیں - ایک اقبال کی بانگِ درا - ایک محمد علی کا نعرۂ تکبیر - ایک ابوالکلام کا رجزِ حریت ممکن ہے لفظوں کے پرستاروں کو ان تینوں کے پیغاموں میں فرق معلوم ہوتا ہو مگر معنی کے محرم تینوں کی زبان سے ایک ہی بات سنتے - اور اس کا ایک ہی مطلب سمجھتے ہیں - اور وہ یہ ہے کہ دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولو - اسلام کے اسمِ اعظم سے آفاق کو تسخیر کرو - ان کا یہ خطاب پہلے مسلمانوں سے پھر ہندوستانیوں سے اور اخیر میں سب انسانوں سے ہے"

(ڈاکٹر سید عابد حسین)

آج سے تیس پینتیس سال پہلے مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی زندگی زمانے حوادث کا شکار ہو رہی تھی - اُن کی سیاست صرف ایک دائرے میں محدود تھی

Marfat.com

اور وہ نوکرشاہی کا دائرہ تھا - ان کا خیال تھا کہ نوکرشاہی ایک نعمتِ عظمیٰ ہے - ملک ترقی کی طرف گامزن تھا - دوسری قومیں میدانِ سیاست میں کہیں آگے نکل چکی تھیں - ان کی خواہش تھی کہ غیر ملکی اثر و نفوذ کو ختم کیا جائے - لیکن مسلمانانِ ہند ان کی اس خواہش کے راستے میں ایک دیوار کی طرح حائل تھے - ان کی سیاست رجعت پسندانہ سیاست تھی - ان کی مذہبی حالت مذہب کی حقیقی رُوح اور اس کے اصلی پیغام سے کوسوں دُور تھی - مسلمانانِ عالم استعماری قوتوں کے مظالم کا شکار بن رہے تھے - ان کی آزادی چھن رہی تھی - اور ہندوستان کا مسلمان ایک لاش کی طرح پڑا تھا - قیادت سرمایہ دار طبقے کے ہاتھ میں تھی - جو اپنی نفرتی اور روپہلی مصلحتو کے پیشِ نظر حکومتِ وقت کی خوشنودی حاصل کر لینے میں دنیا و عقبےٰ کی نجات سمجھتا تھا - غرضیکہ ساری قوم پر جمود و تعطّل کی کیفیت طاری تھی - آخر دربارِ دہلی اور تقسیم بنگال کے سوال پر ایک ہنگامہ برپا ہؤا - اور اسلامی سیاست میں حرکت پیدا ہُوئی - عوام میں بےچینی اور اضطراب پھیلنے لگا - لیکن یہ ایک وقتی ہنگامہ تھا - قوم کے سامنے کوئی خاص نصب العین موجود نہ تھا - جس کے حصُول کے لئے ملّی قواء کو عمل میں لایا جاتا -

عین اس موقع پر ابوالکلام آزاد کا مشہور اخبار الہلال شائع ہونا شروع ہؤا جس نے اسلام کی سچّی تعلیم کے احیاء کی آواز بلند کی - آزاد کے قلم میں جادُو تھا - اس کے اسلوبِ نگارش کے سامنے بڑے بڑے ادباء کا رنگ پھیکا پڑنے لگا - اس کے شرربار مقالوں کی دھوم ملک کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک مچ گئی - اس کے خیالات کو سراہا گیا - اس کے جذبات کو پسند کیا گیا - اور قوم نے اس کے احساسات کو اپنے قلب میں جگہ دی - تھوڑے ہی عرصے کے اندر اندر ابوالکلام آزاد کی صدا جو ایک دردمند اور مخلص دل سے نکلی تھی ، اپنے اثرات دکھانے لگی - قوم

کے مذہبی افکار و اعمال اور سیاسی آرا و معتقدات میں ایک انقلاب رو پذیر ہوا پرانی اقدار بدلنے لگیں۔ نئے خیالات کی قدر ہونے لگی اور آزاد سے مسلمانانِ ہند کی امیدیں وابستہ نظر آنے لگیں۔

آزاد انقلابی ہے۔ اُس نے اس وقت انقلاب کا نعرہ بلند کیا۔ جب قوم اس لفظ سے ناآشنا تھی۔ اس کا نعرہ آج بھی وہی اہمیت رکھتا ہے جو آج سے تیس سال پہلے رکھتا تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کا موجُودہ ذہنی انتشار اسی وقت دُور ہو سکتا ہے۔ جب ان کے لئے نصب العین اور منزل متعین کر دی جائے۔ آزاد اُن کے لئے نصب العین تجویز کر چکا ہے۔ اگر قوم کچھ عرصے کے لئے اسے فراموش کر چکی تھی تو وہ آج پھر اس فراموشی کا کفارہ ادا کر سکتی ہے اور اس کے تجویز کردہ راستے پر چل سکتی ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں آزاد کے مقالات درج ہیں۔ وہ اپنی تفسیر آپ ہیں میں نہیں چاہتا کہ آزاد کو سمجھنے کے راستے میں حائل ہو جاؤں۔ انہیں پڑھئے اس کا پیغام سمجھئے۔ آپ بھی اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ آزاد عصر حاضر کا ایک شہ دماغ ہے اور اس کے مقابلے کی شخصیت ساری دنیائے اسلام میں نہیں مل سکتی۔

عبداللہ بٹ

Marfat.com

چند مضامین

Marfat.com

بعض مسائلِ مہمّہ

۱۰- دسمبر ۱۹۱۳ء

فاطمہ بنت عبداللہ

۱۳- نومبر ۱۹۱۲ء

عشرۂ محرّم الحرام

۱۰- دسمبر ۱۹۱۳ء

رنگوں کی بُوقلمونی

۲۳- جون، یکم جولائی ۱۹۱۳ء

لیلۃ القدر

۱۳- اگست ۱۹۱۴ء

Marfat.com

بعض مسائلِ مُہمّہ

شاید ہی کوئی شے اس قدر میرے لئے تکلیف دہ ہے جس قدر الملال کی قلتِ ضخامت اور ضیقِ ابواب وفصول، ہر نیا ہفتہ جب شروع ہوتا ہے تو امیدوں اور ولولوں سے لبریز دماغ لے کر آتا ہوں، کہ اب کی صحبت میں تو جی بھر کے باتیں کریں گے۔ لیکن جب جاتا ہوں تو وہی حسرت پیشین زبان پر ہوتی ہے کہ ع

اب کے بھی دن بہار کے یُونہی گزر گئے

کثرتِ افکار و ترددات نہ انتخاب کا موقع دیتے ہیں، نہ فکر و مطالعہ کا۔ نہ حسنِ ترتیب کا خیال رہ سکتا ہے نہ تقدیم و تاخیرِ مضامین کا، کئی آدمیوں کا کام ایک ہی آدمی سے لیجئے گا تو اس کی معذوریاں سننی ہی پڑیں گی۔ ایسی حالت میں ضرورت ہے کہ ایک میدان وسیع اُسکے سپرد کر دیا جائے اور خواہ ترتیب و انتخاب اور تقدیم و تاخیرِ مطالب میں کتنی ہی اس سے مجبورانہ غلطیاں سرزد ہو جائیں تاہم وہ کسی طرح مقید نہ ہو، اور جو کچھ کہنا چاہتا ہے کم و بیش کسی نہ کسی موقعہ پر کہہ سنائے۔

کون ہے جسے اپنا دماغ چیر کر دکھاؤں کہ کیا کچھ لکھنا چاہتا ہُوں۔ اور جو کچھ الہلال میں لکھتا ہُوں وہ اس کے مقابلے میں کتنا ہے؟ اور پھر کس سے کہوں کہ میرے پاس دماغ نہیں ہے ایک مدفنِ اموات ہے جس میں لفظ و معنی کے اجساد و ارواح پیدا ہوتے ہیں اور سیرِ حیات کی راہ مسدود دیکھ کر اپنے مولد ہی کو اپنا مدفن بھی بنا لیتے ہیں۔ کما قلت:

Marfat.com

ہر موجِ معانی کہ جیحونِ دلم خاست
تا ساحلِ لب آمد، بر تافت عناں را

اگرچہ اردو پریس میں تنوع و تعدد مطالب و مضامین کے اعتبار سے اُس کی موجُودہ ضخامت بھی اتنی ہے جو ہفتہ وار اخبارات ایک طرف ملک کے بہت سے ماہوار رسائل میں بھی مفقود ہے۔ اور علی الخصوص ایسی حالت میں کہ ایک ہی شخص کو اس کارخانے کا ہر کیل پرزہ درست کرنا پڑتا ہے۔ بیجا نہیں اگر الہلال اپنی ہفتہ وار ضخامت پر نادم ہونے کی جگہ شادماں ہو، تاہم کیا کیجئے اپنی نظر نے جو معیار اور نمونے اپنے سامنے رکھے ہیں اور دل کی آرزوؤں کی جو شورش ہے اُس کے لئے یہ سب کچھ ہیچ ہے۔ یہ سچ ہے کہ توفیقِ الٰہی نے جو کچھ مرحمت فرمایا وہ بھی اپنی حیثیت سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے لیکن سوال یہ ہے کہ سائل کو جو کچھ ملے وہ اس کے کچکولِ فقیری کے لائق کیوں ہو؟ دستِ کریم کو تو اپنے جیب و دامن کی عزت پر نظر رکھنی چاہئے:

وھبت علیٰ مقدار کفی زماننا
ونفسی علیٰ مقدار کفك یطلب

کئی ہفتوں سے چاہتا ہُوں کہ چند اہم معاملات ہیں، مختصراً ہی سہی، مگر ان کے متعلق چند کلمات ضرور یہ عرض کروں، ہر ہفتے خیال ہوتا ہے کہ لکھوں گا، لیکن جب آخری صفحات کی نوبت آتی ہے تو گنجائش صاف جواب دے دیتی ہے: ع

کہ اب تو کچھ نہیں باقی جناب شیشے میں

آج ارادہ کر لیا ہے کہ اس ہفتے مقالہ افتتاحیہ سرے سے لکھا ہی نہ جائے اور اس کی جگہ صرف شذرات ہوں، کم از کم چند ضروری معاملات تو بحث میں آجائیں گے۔

طبیعتیں مختلف اور ذوق ہر شخص کا الگ ہے، ممکن ہے کہ بعض احبابِ کرام کو مقالہ افتتاحیہ کا نہ ہونا شاق گزرے لیکن ان کی خدمت میں عرض ہے کہ جن صفحوں

Marfat.com

یہ ہمیشہ آپ نے ایک سالم دل کی خونچکانیاں دیکھی ہیں۔ وہاں گاہ گاہ اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو بھی بکھرا ہؤا دیکھ لیجیے گا تو کیا ہوگا؟ کبھی خندۂ زخم سے ارباب درد کا جی بہلتا ہے تو کبھی دلِ صد پارہ کے نالۂ شکستگی سے بھی: ؎

لختے بر داز دل گذرد ہر کہ زپیشم
من قاش فروش دلِ صد پارۂ خویشم

Marfat.com

السیدہ فاطمہ بنت عبداللہ

الصبر یحمد فی المواطن کلّہا
الّا علیک ، فانہا مذموم

چند دل کے ٹکڑے ہیں جن کو صفحوں پر بچھانا چاہتا ہوں، کیونکر بچھاؤں؟ چند آنسو ہیں جن کو کاغذ پر پھیلانا چاہتا ہوں، کیونکر پھیلاؤں؟ آہ! ان لفظوں کو کہاں سے لاؤں جو دلوں میں ناسور پیدا کردیں؟ آہ اپنے دل کے زخموں کو کیونکر دکھاؤں کہ اوروں کے دل بھی زخمی ہو جائیں؟ پتھر میں سوراخ ہو جاتا ہے، مگر جب دل پتھر کے بن جاتے ہیں ان کا پگھلنا محال ہے: فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ اور کائنات انسانیت میں جتنی زندگی ہے، دل کے ناسوروں اور جگر کے زخموں ہی کی وجہ سے ہے۔ جب تک دل زخمی ہیں، روح تندرست ہے لیکن جس دن دلوں کے زخم بھر گئے، اس دن یقین کیجئے کہ آپ زندگی سے خالی بھی ہو گئے۔

آج کے نمبر کے ساتھ ایک خاص صفحہ تصویر کا شائع کیا جاتا ہے۔ مگر میں آنکھوں کا طالب نہیں ہوں جو اس کو دیکھیں، دل کا طالب ہوں جو اس کو پڑھیں۔ پھر کوئی ہے جو اپنے پہلو میں دل رکھتا ہو؟

معمورۂ دلے اگرت ہست باز گوئے
کیں جا سخن بہ ملکِ فریدوں نمے رود

غزوۂ طرابلس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ صدیوں کے بعد اس نے صدر اول اسلام

Marfat.com

کے غزوات ومجاہدات کے واقعات زندہ کردیئے، اور مدتوں کے بعد عرب بادیہ کو موقعہ ملا کہ ان کے اصلی جوہر نمایاں ہوں، بدر اور احد کے واقعات میں ہم پڑھتے تھے کہ ایسی عورتیں تھیں جو اپنے آٹھ آٹھ لڑکوں کو اللہ کی راہ میں زخمی کرا کے پھر خود بھی زخمی ہو جاتی تھیں، اور اللہ کے رسول محبوب کی محبت میں ایسی محو تھیں کہ تیروں پر تیر کھاتی تھیں مگر اپنے جسم کو ان کے سامنے ڈھال کی طرح رکھتی تھیں۔ یہ ہم پڑھتے تھے، مگر خاکِ طرابلس نے یہ تمام واقعات دہرا دیئے۔

عربی جنگ کی پہلی خصوصیت عورتوں کی شرکت ہے، غزوۂ طرابلس کے لئے جب اطراف وجوانب اور اندرونِ صحرا سے قبائل جمع ہونے لگے تو ہر قبیلے کے ہمراہ اس کا پورا خاندان تھا۔ ان میں ہر طرح کی عورتیں ہوتی تھیں، وہ نوجوان لڑکیاں بھی ہوتی تھیں جن کے ابھی کھیل کود کے دن تھے، بڑھیا عورتیں بھی ہوتی ہیں، جن کے جسم کے قوئی جواب دے چکے تھے، بہت سی عورتیں ایسی بھی ہوتی تھیں کہ ان کی گود میں چھوٹے بچے تھے اور وہ ان کو الگ نہیں کر سکتی تھیں ہم نے وہ تصویریں دیکھی ہیں جن میں کسی عورت نے ایک طرف تو گود میں بچہ اُٹھالیا ہے اور دُوسری جانب پانی کی مشک ہے، اسی حالت میں میدانِ جہاد کے زخمیوں کو ڈھونڈتی پھرتی ہیں۔

جن قبائل نے سب سے زیادہ جنگ میں حصہ لیا، ان میں ایک مشہور قبیلہ (قبیلۃ البراعصہ؟) تھا، جو کثرتِ نفوس اور اثر و رسوخ کے لحاظ سے اندرونِ طرابلس کا سب سے بڑا قبیلہ سمجھا جاتا ہے۔

اس قبیلے کا سردار شیخ عبداللہ تھا، جس کو عرب اپنی بول چال کے قاعدہ تخفیف سے عبدہ پکارا کرتے ہیں۔ اس مجاہد غیور نے آغازِ جنگ سے خالصاً لوجہ اللہ جو عظیم الشان خدماتِ جہاد انجام دیں ان کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ جنگ کے تمام ترک افسر اس بارے میں متفق اللسان ہیں کہ اگر شیخ عبداللہ کے جاں فروشانہ عزائم اول کار میں ساتھ نہ دیتے تو بعد کی

Marfat.com

کامیابیاں ہرگز حاصل نہ ہوسکتیں، مختصر یہ ہے کہ اس فدائے اسلام نے اپنے قبیلے کو ابھارا، اطراف و نواح کے دوسرے قبائل کو آمادۂ جہاد کیا، اپنا تمام مال و متاع ترک افسروں کے سپرد کر دیا۔ تمام عربوں کو بطور نفقۂ جنگ کے روزینہ دیا جاتا تھا، اس کے لینے سے بھی اُس نے انکار کر دیا۔ پھر اپنے خاندان کے تمام مردوں اور عورتوں کو لاکر دشمنانِ اسلام کے آلات جہنمی کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اُن کو کٹوایا اور آخر میں خود بھی ان کی رفاقت میں روانہ ہوگیا۔ خدا نے اپنی محبت کی پہلی شرط یہ قرار دی تھی کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ، نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اس کی راہ میں اِن چیزوں کو نہ لٹا دو جو تم کو محبوب و مطلوب ہیں، کیونکہ ایک دل میں محبت کے دو آشیانے نہیں بن سکتے، انسان کی دنیوی محبوبات میں مال و متاع، اہل و عیال، اور پھر نفس و جان، یہی تین چیزیں وہ سب سے زیادہ بوجھل زنجیریں ہیں جو اس راہ میں پاؤں کو ہلنے نہیں دیتیں، اس فانی فی اللہ عاشق صادق نے ایک ہی وقت میں ان تینوں منزلوں کو طے کر لیا، سب سے پہلے مال و متاع کو اس کی راہ میں لٹایا پھر اپنے عزیزوں کو قربان کیا۔ آخر میں جان رہ گئی تھی، یہ بھی جان آفریں کے سپرد کر دی۔ لایؤمن احد حتّٰی احب الیہ من والدہ و ولدہٖ والنّاس اجمعین

آنکس کہ ترا بخواست جاں راچہ کند   فرزند و عیال و خانماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی   دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ

(۲: ۱۱) اور اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اس کی رضا جوئی کی راہ میں اپنی جان تک دے دیتے ہیں۔ اور اللہ اپنے بندوں پر بڑی شفقت رکھتا ہے۔

اس کا تمام خاندان مصروفِ پیکار و خدماتِ جہاد تھا لیکن اولاد میں صرف ایک گیارہ برس کی لڑکی فاطمہ تھی جس کی محویت و استغراق کو دیکھ کر تمام ترک افسر اور سپاہی حیران رہ جاتے تھے۔ ڈاکٹر اسمٰعیل ثباتی بک جنہوں نے اس کی تصویر اُتاری تھی لکھتے ہیں۔

Marfat.com

"سب سے پہلے میں نے اس معصوم انسان کو اس وقت دیکھا جب میں پہلی مرتبہ اپنی جماعت کے کر عزیزیہ سے زوارہ آیا تھا، عورتوں اور لڑکیوں کی لشکر میں کمی نہ تھی۔ کیونکہ ہر عرب مع اپنے پورے خاندان کے شریک جہاد ہوا تھا، لیکن چند مخصوص باتیں فاطمہ میں ایسی نظر آتی تھیں جن کی وجہ سے وہ ہزار ہا مردوں اور عورتوں میں بھی پہچان لی جاتی تھی اول تو اس کی عمر بہت چھوٹی تھی، زیادہ سے زیادہ گیارہ برس کی ہوگی۔ دوسرے اس کو جنگ اور جنگ کے زخمیوں سے کچھ ایسا انس ہو گیا تھا کہ سخت سے سخت معرکوں میں بھی اس کی مسابقت اور پیش قدمی کو ہر سپاہی محسوس کرتا تھا، جنگ خواہ حملے کی ہو خواہ مدافعت کی، ساحلی بیڑے سے توپوں کی بارش ہو رہی ہو، یا تلواروں اور سنگینوں کی سامنے صفیں ہوں مگر زخمی مسلمان کی آہ میں اس کے لئے ایک ایسی کشش تھی جس کو سن لینے کے بعد محال ہو جاتا تھا کہ اس کی چھوٹی سی مشک اپنے فرض کو بھول جائے۔ وہ کم سن تھی لیکن اس کے اندر ایک کہن سال عشق موجود تھا۔ یہ عشق لہو و لعب یا تمتعات حیات کا نہ تھا بلکہ خون زخم اور کٹی ہوئی انسانی رگوں کا، جہاں کہیں یہ چیزیں موجود ہوتیں وہ ایک باد رفتار ہرنی کی مستعدی مگر فرشتۂ عشق کے پروں سے اڑتی ہوئی وہاں پہنچ جاتی تھی، میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ بارود کے دھوئیں سے تمام فضا تاریک ہو رہی ہے، کانوں کے پردے توپوں کی سامعہ شکن صداؤں سے پھٹ رہے ہیں۔ گولوں کے پھٹنے سے ایک عارضی روشنی نمودار ہو جاتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی انسانی احتضار کی چیخیں بھی مہیب گرجوں کے ساتھ مل کر ایک عجیب وحشت انگیز سماں برپا کر دیتی ہیں۔ ایسے جگر پاش اور زہرہ گداز عالم میں وہ معصوم ہرنی (مجھے اچھی طرح یاد ہے) اپنا اونچا کرتہ پہنے ہوئے اور پھٹی ہوئی خمار کمر کے گرد لپیٹے ہوئے اس طرح دوڑ رہی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ مظلوم و محتاج زخمیوں کی خبر گیری کے لئے کوئی فرشتۂ ربانی آسمان سے اتر آیا ہے، اور اللہ نے ہوا اور زمین کو اس کے تابع کر دیا ہے کہ وہ اٹھائے رہے اور یہ پہنچتی جائے، سامنے سے گولوں کی لگاتار

Marfat.com

بارش ہو رہی تھی مگر یہ اسی بارش پر تیرتی ہوئی جاتی تھی، انسانی لاشیں ایک پر ایک گر رہی تھیں، مگر ہر نئی لاش گرنے کی آواز خوف کی جگہ اُس کے دل میں قوت کی نئی رو پیدا کر دیتی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر میں بے اختیار ہو گیا۔ کچھ بعید نہیں کہ ایسے خطرناک اور یکسر موت و ہلاکت کے عالم میں یہ برق وش ہمیشہ کے لئے نظروں سے چھپ جائے میں نے ارادہ کر لیا کہ اب کی مرتبہ اگر وہ نمودار ہوئی تو کسی نہ کسی طرح پکڑ کر سمجھاؤں گا کہ موت کی اس درجہ آرزومند کیوں ہو گئی ہے؟

تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک چھوٹا سا سایہ قریب سے گذرا، میں نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا تجھے نہیں معلوم کہ تو اپنے باپ کی ایک ہی بیٹی ہے؟

چھوڑ دو کیا تم بھول گئے کہ اسلام اور وطن کے کتنے فرزند پیاس سے دم توڑ رہے ہیں؟ یہ کہا اور نظروں سے غائب ہو گئی۔

وہ اکثر کہا کرتی تھی کہ مجھ کو سرخ رنگ سے عشق ہے۔ آہ! یہی رنگ ایک دن میں نے اُس کی گردن اور دل کے نیچے سے بہتا ہوا دیکھا"

۱۲- رجب ۱۳۳۱ء کو زوارہ میں اطالیوں نے دو ماہ کی مسلسل تیاریوں کے بعد ایک بہت بڑا حملہ کیا تھا، عربوں نے بھی جو عرصے کی بیکاری سے گھبرا اُٹھے تھے بھوکے شیروں کی طرح اُن کا استقبال کیا، روما سے جو خبر بعد کو مشتہر کی گئی تھی اس میں اطالیوں کی تعداد چھ ہزار بتلائی تھی۔ مگر در اصل بارہ ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی، عربوں اور ترکوں کی متحدہ فوج کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین ہزار تھی۔

یہ لڑائی دن بھر جاری رہی اور عصر کے وقت بارہ سو لاشیں میدانِ جنگ پر چھوڑ کر اپنی عادت مستمرۂ جنگ کے مطابق اطالیوں نے ساحل کا رخ کیا۔

عین دوپہر کا وقت تھا۔ اٹالین توپ خانہ دونوں جانب سے آگ برسا رہا تھا دس ہزار بندوقوں کے چھوٹنے کی آواز ایک ہی وقت میں کڑک رہی تھی، تمام ریگستان

Marfat.com

میں موت اور ہلاکت کے سوا کچھ نہ تھا، اس وقت اس بہشت زارِ شہادت کی حورِ عین فاطمہ کہاں ہے؟

وہ بدستور اپنے ہی کام میں مشغول ہے، اس کی دائمی رفیق مشک اس کی پیٹھ پر ہے، دھوئیں اور تپش کی شدت سے چہرہ جھلسا ہوا ہے۔ بالوں پر سرخی مائل ریت کی تہ جمی ہوئی ہے۔ کپڑے اس کے محبوب "سرخ رنگ کے دھبوں سے رنگین ہو رہے ہیں اور اپنی مخصوص مجنونانہ محویت کے پروں سے فضائے جنگ میں اڑ رہی ہے

اس کی ماں بھی اسی خدمت میں شریک ہے، مگر اس کا ساتھ کون دے سکتا ہے؟ اس کا باپ بھی اپنے قبیلے کے ساتھ معروفِ جاں بازی ہے۔ مگر اس کو اپنے کام کے انہماک میں اسکی یاد کی مہلت کب ہے؟ عصر کا وقت جب قریب آگیا تو مجاہدین آخری عزم فیصلہ کن کے ساتھ دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کی صفوں میں گھس کر تلواروں سے کاٹنا شروع کر دیا، احمد نوری بک ترکی کمان افسر نے عربوں کے ہجوم کو دیکھا تو خود بھی اپنی جماعت لیکر دشمنوں کے مشرقی توپخانے تک بڑھتا ہوا چلا گیا۔ توپ خانے کے پاس اطالیوں کی ایک تازہ دم جماعت موجود تھی جس نے اب تک لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا، ایک چھوٹی سی جماعت دیکھ کر وہ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور تین ترک سپاہیوں کو چاروں طرف سے گھیر کر بندوقوں کا نشانہ بنانا چاہا، نہیں معلوم کون سا محافظ ہاتھ تھا جس نے عربی صفوں سے اس قدر دور فاطمہ کو پہنچا دیا تھا، اس نے دیکھا کہ جانباز ترک تلواروں کے بے امان ہاتھ مار کر صاف نکل آئے ہیں۔ مگر چار زخمی ترک زمین پر پڑے ہوئے سسک رہے ہیں۔ نامرد اطالی حریفوں کو روک تو نہ سکے مگر اب زخمیوں کے سر و سینہ میں سنگین چبھو کر اپنا غصہ نکال رہے ہیں۔ گیارہ برس کی فاطمہ دیکھتے ہی لپکی اور بغیر ان لوگوں پر نظر ڈالے ہوئے جو پاس ہی کھڑے تھے، اپنی مشک ایک زخمی کے منہ سے لگا دی، پورا ایک گھونٹ بھی ابھی زخمی کے حلق سے نہیں اترا تھا کہ دو اطالیوں نے بڑھ کر گردن کے پاس سے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ فاطمہ مڑ کر تڑپی مگر دشمن کی گرفت مضبوط تھی، فوراً اس نے زخمی

Marfat.com

ترک کی پڑی ہوئی خون آلود تلوار اٹھالی اور اس زور سے ماری کہ اطالی سپاہی کے نیچے ہاتھ کا پہنچا زخمی ہو کر لٹک گیا، اُس نے گردن چھوڑ دی تاکہ بائیں ہاتھ سے دشمن پر حملہ کر سکے۔

اِدھر بندوق کے چھوٹنے کی آواز آئی اور اُدھر اٹالین فوج شکست کھا کر بھاگتی ہوئی نظر آئی۔

عرب اور ترک سپاہی جب دشمنوں کا تعاقب کرتے ہوئے میدانِ جنگ سے آگے بڑھے تو انہوں نے دیکھا کہ چار زخمی ترک زمین پر پڑے ہیں، پاس ہی فاطمہ کی لاش ہے مگر اس حالت میں کہ مشک کا حلقہ ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے اور مشک ایک بیہوش ترک کے سینے پر پڑی ہے، شاید مرتے دم بھی زخمی ترک کو پانی پلانے کی کوشش کی تھی، مگر مشک اُس کے منہ تک نہ لے جا سکی،

Marfat.com

عشرۂ محرّم الحرام

شمع ہا بردہ ام از صدقِ بجائے شہدا
تا دل و دیدۂ خوننابہ فشانم دادند

آئیے، سب سے پہلے آج ایک بھولی ہوئی صحبتِ ماتم کو پھر تازہ کریں۔ کتنے دن گزر گئے کہ راہ و رسمِ ماتم و شیون سے نا آشنا ہیں، نہ صدائے ماتم کی فغاں سنجی ہے اور نہ چشمِ خونبار کی اشک افشانی، کاروبارِ غم کی رونق افسردہ ہو چکی ہے اور روزبازارِ درد کی چہل پہل مدّت سے موقوف ہے:

نہ داغِ تازہ می خارد، نہ زخمِ کہنہ می کارد
بدہ یا رب دلے کیں صورتِ بیجاں نمی خواہم

طرابلس کے خون آلود ریگستان کو اگر لوگوں نے بھلا دیا، مشہدِ مقدس اور تبریز کا قصۂ الم اگر ذہنوں سے محو ہو گیا، مقدونیہ اور البانیہ کے تازہ ترین افسانہ ہائے خونیں اگر فکروں سے فراموش ہو گئے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اربابِ درد و غم کے لئے ایک ایسی داستانِ الم صدیوں سے موجود ہے جو کبھی بھلائی نہیں جا سکتی، اور اگر لوگ اسے بھلا بھی دیں تو ہر سال چند ایسے ماتم آلود دن تازگیٔ زخمِ کہن کے لئے آموجود ہوتے ہیں جو از سرِ نو ایک ہزار ڈھائی سو برس پیشتر کے ایک حادثۂ عظیمہ کی یاد پھر سے تازہ کر دیتے ہیں۔

اب کے کچھ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ الہلال کی اشاعت ٹھیک عشرہ محرم الحرام کے

Marfat.com

دن واقع ہوئی ہے، پس میرا اشارہ حادثۂ ہائلہ کبریٰ یعنی شہادت حضرت سید الشہدا علیہ و علی اجدادہ الصلوٰۃ والسّلام کی طرف ہے ـ عظم اللہ اجورنا بمصائبنا:

وقت است کہ در پیچ و خم نوحہ سرائی — سوز د نفس نوحہ گر از تلخ نوائی
وقت است کہ آن پردگیاں، گزرہ تعظیم — بر در گہِ شاں کردہ فلک ناصیہ سائی
از خیمۂ آتش زدہ عریاں بدر آیند — چوں شعلہ دخاں بر سرِ شاں کردہ ردائی
جانہا ہمہ فرسودۂ تشویش اسیری — دلہا ہمہ خوں گشتہ اندوہ رہائی

تنہاست حسین ابن علی در صفِ اعدا
اکبر تو کجا رفتی و عباس کجائی

سچ یہ ہے کہ جن مردہ دلوں کو زندگی کے لئے سوز و تپش کی ضرورت ہو، جن اربابِ درد کو رُوح کی راحت کے لئے جسم کے ماتم کی تلاش ہو، جن کی زبانیں آہ و فغاں کو محبوب اور جن کی آنکھیں خونابہ فشانی کو اپنا مطلوب و مقصود سمجھتی ہوں اُن کی صحبتِ ماتم و الم کی رونق کے لئے یہی افسانہ اتنا کچھ سامانِ غم اپنے اندر رکھتا ہے کہ اگر خون کے بڑے بڑے سیلاب سمندروں کی روانی سے بہ جائیں اور بے شمار لاشوں کی تڑپ سے زمین کے بڑے بڑے قطعات یکسر جنبش میں آجائیں جب بھی ان کی ندائے حال اس الہام سرائی سے قاصر رہے گی، جو اسکے ایک ایک لفظ کے اندر سے توصیہ فرمائے عبرت و بصیرت ہے؟

لیکن آہ کتنے دل ہیں جنہوں نے اس واقعہ کو اس کے حقیقی بصائر و معارف کے اندر دیکھا ہے؟ اور کتنی آنکھیں ہیں جو حسین ابن علی شہید پر گریہ و بکا کرتے ہوئے اس اسوۂ حسنہ کو بھی سامنے رکھتی ہیں جو اس حادثۂ عظمیٰ کے اندر موجود ہے؟

فی الحقیقت یہ حق و صداقت، آزادی و حریت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان انسانی قربانی تھی جو صرف اس لئے ہوئی تاکہ پیروانِ اسلام کے لئے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے اور اس طرح جہاد حق و عدالت اور اس کے ثبات و استقامت کی

13/276

Marfat.com

ہمیشہ کے لئے ایک کامل ترین مثال قائم کر دے، پس جو بے خبر ہیں ان کو رونا چاہئے ان لمحہ تنبہ کو اقتباس کو ! اور جو روتے ہیں ان کو صرف رونے ہی پر اکتفانہ کرنا چاہئے۔ ان کے سامنے سید الشہدا نے اپنی قربانی کا اسوۂ حسنہ پیش کر دیا اور کسی رُوح کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ محبت حسین کی مدعی ہو۔ جب تک کہ اسوۂ حسینی کی متابعت کا اپنے اعمال کے اندر ثبوت نہ دے۔

ضرورت تھی کہ ایک مبسوط مقالہ افتتاحیہ "اسوۂ حضرت سید الشہدا" کے عنوان سے کئی نمبروں میں لکھا جاتا اور نہایت تفصیل کے ساتھ اس حادثہ ہائلۂ شہادت پر نظر ڈالی جاتی، سب سے پہلے اس کی تاریخی حیثیت نمایاں کی جاتی اور اس کے بعد ان تمام مواعظ و نتائج عظیمہ کو ایک ایک کر کے بیان کیا جاتا جو اس ذبح عظیم کے اندر پوشیدہ ہیں اور جن کی لسان حیات آج بھی اسی طرح صدا دے رہی ہے جس طرح کنار فرات کی ریتلی سرزمین پر آب سے بارہ سو برس پہلے زخم و خون کے اندر وعظ فرمائے حقیقت و صداقت تھی۔

دنیا میں ہر چیز مرجاتی ہے کہ فانی ہے مگر خون شہادت کے ان قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیاتِ الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی بھی فنا نہیں۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

لیکن افسوس کہ شرح و بسط کیلئے اس وقت طبیعت مستعد نہیں، صرف چند مجمل اشارات پر اکتفا کروں گا:

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

۱۔ سب سے پہلا نمونہ جو یہ حادثۂ عظیمہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے دعوت الی الحق اور حق و حریت کی راہ میں اپنے آپ کو قربان کرنا ہے۔

بنی امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی، کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اسلام کی رُوح حریت و جمہوریت

Marfat.com

کو غارت کیا، اور مشورہ و اجماعِ امت کی جگہ محض غلبۂ جابرانہ اور مکر و خدع پر اپنی شخصی حکومت کی بنیاد رکھی، ان کا نظامِ حکومت شریعتِ الٰہیہ نہ تھا، بلکہ محض اغراض نفسانیہ و مقاصدِ سیاسیہ، ایسی حالت میں ضرور تھا کہ ظلم و جبر کے مقابلہ کی ایک مثال قائم کی جاتی اور حق و حریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔

حضرت سیدُ الشہدا نے اپنی قربانی کی مثال قائم کر کے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہادِ حق کی بنیاد رکھی، اور جس حکومت کی بنیاد ظلم و جبر پر تھی اس کی اطاعت و وفاداری سے انکار کر دیا۔

پس یہ نمونہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر ظالمانہ و جابرانہ حکومت کا علانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت سے اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت و حقوق کی غارت گر ہو، اور جس کے احکام مستبعدہ جابرہ کی بنیاد صداقت و عدالت کی جگہ جبر و ظلم پر ہو

۲۔ مقابلہ کے لئے یہ ضرور نہیں کہ تمہارے پاس قوت و شوکت مادی کا وہ تمام ساز و سامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے پاس ہے، کیونکہ حسین ابن علی کے ساتھ چند ضعفا و مساکین کی جمعیت قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حق و صداقت کی راہ نتائج کے فکر سے بے پروا ہے۔ نتائج کا مرتب کرنا تمہارا کام نہیں۔ یہ اس قوتِ قاہرہ عادلۂ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف و فقدانِ انصار کے کامیاب و فتحمند کرتی اور ظلم کو باوجود جمعیت و عظمت دنیوی کے نامراد و نگونسار کرتی ہے وَكَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ۔

ایسے موقعوں پر ہمیشہ مصلحت اندیشیوں کا خیال دامنگیر ہوتا ہے جو فی نفسہ اگرچہ عقل و دانائی کا ایک فرشتہ ہے لیکن کبھی کبھی شیطانِ رجیم بھی اس کے بھیس میں آ کر کام کرنے لگتا ہے نفسِ خادع حیلہ تراشیاں کرتا ہے کہ صرف اپنے تئیں کٹوا دینے اور چند انسانوں کا خون بہا دینے سے کیا حاصل؟ توپ و تفنگ اور تخت و سلطنت کا مقابلہ کس نے کیا ہے کہ ہم کریں؟ آخری سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں۔ تاریخ عالم کی صدہا امثال مقدسہ و محترمہ جہاد سے قطع نظر

Marfat.com

تمہارے سامنے خود مظلوم کربلا کی مثال موجود ہے، تم کہتے ہو کہ چند انسانوں نے حکومتوں کی قوتوں اور سازوسامان کا مقابلہ کب کیا ہے کہ کبھی بھی کیا جاسکے؟ مَیں کہتا ہُوں کہ حسین ابن علی نے صرف بہتر یا باسٹھ بُھوکے پیاسے انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومت قاہرو جابر کا مقابلہ کیا جس کے حدود سلطنت ملتان اور سرحدِ فرانس تک پھیلنے والے تھے۔ اور گو یہ سچ ہے کہ اُس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دل کے ٹکڑوں کو بُھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپتے دیکھا، اور پھر ایک ایک کرکے ان میں سے ہر وجُودِ مقدس خاک وخون میں تڑپا اور جان بحق تسلیم ہُوا اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ دشمنوں سے نہ تو پینے کے لئے پانی چھین سکا، اور نہ زندہ رہنے کے لئے غذا حاصل کرسکا اور اس میں بھی شک نہیں کہ سر سے لیکر پاؤں تک وہ زخموں سے چُور ہُوا، اور اس خلعتِ شہادت لالہ گوں سے آراستہ ہو کر طیار ہُوا تا اس کرشمہ ساز عجائب کے حریم وصال میں پہنچے جو دوستوں کو خاک وخون میں تڑپاتا اور دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

ادبد وصالہ ویریں قتلی

تاہم فتح اس کی تھی اور فیروز مندی وکامرانی کا تاج صرف اسی کے زخم خوردہ سر پہ رکھا جاچکا تھا، وہ تڑپا اور خاک وخون میں لوٹا، پر اپنے اس خُون کے ایک ایک قطرہ سے جو عالمِ اضطراب میں اس کے زخموں سے ریگ وسنگ پر بہتا تھا، انقلاب وتغیرات کے وہ سیلاب ہائے آتشیں پیدا کردیئے جن کو نہ تو مسلم بن عقبہ کی خُون آشامی روک سکی، نہ حجاج کی بے امان خونخواری اور نہ عبدالملک کی تدبیر وسیاست، وہ بڑھتے اور بھڑکتے ہی رہے، ظلم وجبر کا پانی تیل بن کر ان شعلوں کی پرورش کرتا رہا اور حکومت وتسلط کا غرور ہوا بن کر ان کی ایک ایک چنگاری کو آتش کدۂ سوزاں بناتا رہا، یہاں تک آخری وقت آگیا اور جو کچھ ۶۶ھ میں کربلا کے اندر ہُوا تھا وہ سب کچھ ۱۳۲ھ میں نہ صرف دمشق بلکہ تمام عالمِ اسلامی کے اندر ہُوا، صاحبانِ تاج وتخت خاک وخون میں تڑپے، ان کی لاشیں گھوڑوں کے سموں سے پامال کی گئیں فتحمندوں نے قبریں تک اکھاڑ ڈالیں، اور مُردوں کی ہڈیوں تک کو ذلت وحقارت سے محفوظ نہ چھوڑا۔

Marfat.com

اور اس طرح فَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ کا پورا پورا ظہور ہوا
پھر کیا یہ سب کچھ جو ہوا وہ محض ابراہیم عباسی اور مسلم خراسانی کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھا؟ کیا یہ اسی خون کا اعجاز نہ تھا جو فرات کے کنارے بہایا گیا تھا؟ پھر یہ فتحمندی تو بہ ظاہر ہے جس کے نتائج کے لئے ایک صدی کا انتظار کرنا پڑا۔ ورنہ فی الحقیقت مظلومیت کا خون جس وقت بہتا ہے اس وقت اپنی مصنوعی فتحمندی حاصل کر لیتا ہے،

۳- بہر حال یہ تو حق و صداقت کی قربانیوں کے نتائج ہیں، جو کبھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے لیکن حضرت سید الشہدا کا اسوۂ حسنہ بتلاتا ہے کہ تم ان نتائج کی ذرا بھی پروا نہ کرو، اگر ظلم اور جابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کے لئے حق کی قربانی ناگزیر ہے اور ادا ہونا ہی چاہئے۔ تعداد کی قلت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اس پر مؤثر نہیں ہو سکتا، اور ظلم کا صاحب شوکت و عظمت ہونا اس کے لئے کوئی ایسی سند نہیں کہ اس کی اطاعت ہی کر لی جائے، ظلم خواہ ضعیف ہو خواہ قوی ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ ظلم ہے اور حق اور صداقت ہر حال میں یکساں اور غیر متزلزل ہے۔

۴- حق و عدالت کی رفاقت کی آزمائشیں زہرہ گداز اور شکیب آزما ہیں، قدم قدم پہ حفظ جان و ناموس اور محبت فرزند و عیال کے کانٹے دامن کھینچتے ہیں، لیکن یہ اسوۂ حسنہ دینی مخلصین کو درس دیتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی طلب و ہمت کو اچھی طرح آزما لیں، ایسا نہ ہو کہ چند قدموں کے بعد ہی ٹھوکر کھا کر گریں:

جرم را این جا عقوبت ہست استغفار نیست

اس قتیل جادۂ حق و صداقت کے چاروں طرف جو کچھ تھا اس کا اعادہ ضروری نہیں کہ سب کو معلوم ہے، خدا تعالیٰ نے اپنی آزمائشوں کے متعدد درجے بیان کئے ہیں:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ	اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائش میں ڈالے گا وہ حالت خوف و ہراس، بھوک اور پیاس، نقصان مال و جان اور ہلاکت اولاد

Marfat.com

وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (۲-۱۵۲)

واقارب میں مبتلا کر کے تمہارے صبر و استقامت کو آزمائیگا پس اللہ کی طرف سے بشارت ہے ان کے لئے جن کے ثبات و استقامت کا یہ حال ہے کہ جب مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے تمام معاملات کو یہ کہہ کر اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ انا للہ و انا الیہ رٰجعون۔

خوف وہراس، بھوک اور پیاس نقصانِ اموال ومتاع، قتلِ نفس و اولاد یہی چیزیں انسان کے لئے اس دنیا میں انتہائی مصیبتیں ہوسکتی ہیں، اس لئے انہی چیزوں کو راہ الٰہی کے لئے آزمائش قرار دیا گیا۔

لیکن مظلوم کربلا کے سامنے یہ تمام مرحلے ایک ایک کر کے موجود تھے وہ ان تمام مصائب سے ایک لمحہ کے اندر نجات پاکر آرام و راحت اور شوکت وعظمت حاصل کرسکتا تھا۔ اگر حکومت ظالمہ کی وفاداری واطاعت کا عہد کر لیتا، اور حق وصداقت سے روگردانی کے لئے مصلحتِ وقت کی تاویل پر عمل کرتا، پر اُس نے خدا کی رضی کو اپنے نفس کی مرضی پر ترجیح دی اور حق کا عشق، زندگی اور زندگی کی محبتوں پر غالب آگیا، اُس نے اپنا سر دے دیا کہ انسان کے پاس حق کے لئے یہی ایک متاع ہے، پر اطاعت و وفاداری کا ہاتھ نہ دیا جو صرف حق وعدالت ہی کے آگے بڑھ سکتا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ

۵۔ سب سے بڑا اسوۂ حسنہ کہ اس حادثۂ عظیمہ کی لسانِ حال اس کی ترجمانی کرتی ہے راہ مصائب وجہادِ حق میں صبر واستقامت اور عزم وثبات کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ، ثُمَّ اسْتَقَامُوْا دوسری جگہ کہا فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ!

رُوئے کشادہ باید وپیشانیٔ فراخ
آنجا کہ سطرہائے ید اللہ می زنند

فی الحقیقت اس شہادتِ عظیمہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے تمام عزیز

واقارب، اہل وعیال اور فرزند واحباب کے ساتھ دشتِ غربت ومصائب میں محصورِ اعدا ہونا اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو شدتِ عطش وجُوع سے آہ وفغان کرتے ہُوئے دیکھنا، پھر ان میں سے ایک ایک کی خُون آلُود لاش کو اپنے ہاتھوں سے اٹھانا۔ حتّٰی کہ اپنے طفلِ شیرخوار کو بھی تیرِ ظلم وبربریت سے نخچیر پانا مگر باایں ہمہ راہِ عشق وصداقت میں جو پیمان باندھا تھا اس کا ایک ایک لمحہ بلکہ ایک عشرِ دقیقہ کے لئے بھی متزلزل نہ ہونا اور حق کی راہ میں جس قدر مصائب واندوہ پیش آئیں سب کو شکر ومنت کے ساتھ برداشت کرنا کہ رضینا بقضاء اللہ وصبرنا علیٰ بلائہ:

پیکان ترا بجان خریدار

من مرہم دیگراں نخواہم

دوست کے ہاتھ سے جامِ زہر بھی ملتا ہے تو تشنہ کامانِ زلالِ محبت اسے غیروں کے جامِ شہد وشکر پر ترجیح دیتے ہیں ع

اے جفاہائے تو خوشتر زوفائے دگراں

آج بھی اگر گوشِ حقیقت نیوش باز ہو تو خاکِ کربلا کا ایک ایک ذرہ توصیہ فرمائے صبر واستقامت ہے،

شدیم خاک و لیکن بوئے تربتِ ما

تواں شناخت کزیں خاک مردمی خیزد

افسوس کہ تفصیلِ مطالب کا ارادہ نہیں اور وقت وگنجائش مقتضئ اجمال وایجاز، اگر اس صبر واستقامت کے اسوۂ حسنہ کو دیکھنا چاہتے ہو تو ذرا اسفارِ حدیث کی طرف توجہ کرو، صرف ایک حکایت یہاں لکھوں گا تا کہ جو لوگ خاندانِ نبوت اور عترتِ حضرتِ رسالت کی محبت کا دعوےٰ رکھتے ہیں وہ غور کریں کہ ادعائے محبت بغیر متابعت بے کار ہے:

ان المحب لمن یحب یطیع

حضرت امام علی بن الحسین الشہیر بہ زین العابدین کہتے ہیں:

"انی لجالس فی العشیة التی قتل ابی الحسین فی صبیحتها وعمتی زینب تمرضنی اذ دخل ابی وهو یقول:

یا دهر اف لک من خلیل　　کم لک فی الاشراف والاصیل
من طالب وصاحب قتیل　　والدهر لا یقنع بالبدیل
وانما الامر الی الجلیل
وکل حي سالک السبیل

ففهمت ما قال، وعرفت ما اراد، وخنقتنی عبرتی، ورددت دمعی وعرفت ان البلاء قد نزل بنا، واما عمتی زینب، فانها لما سمعت ما سمعت والنساء من شانهن الرقة والجزع، فلم تملک ان وثبت تجر ثوبها حاسرة و هی تقول واثکلاه لیت الموت اعدمنی الحیاة، الیوم ماتت فاطمة وعلی و الحسن بن علی اخی، فنظر الیها فرددغصة ثم قال: یا اختی اتقی الله! فان الموت نازل لا محاله، فلطمت وجهها وشقت جیبها، وخرت مغشیاً علیها، وصاحت واویلاه، واثکلاه! فتقدم الیها فصب علی وجهها الماء، و قال لها یا اختاه! تعزی بعز الله، فان لی ولکل مسلم اسوة برسول الله صلی الله علیه وسلم

(تاریخ یعقوبی مطبوعہ لیڈن جلد دوم صفحہ ۲۹۰)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام کہتے ہیں:

جس رات کی صبح کو میدان شہادت گرم ہونے والا تھا، عین اسی شب کا واقعہ ہے کہ میں بیمار پڑا تھا، میری پھوپھی زینب میری تیمارداری میں معروف تھیں اتنے میں امام حسین داخل ہوئے۔ وہ چند اشعار پڑھ رہے تھے جنہیں سن کر میں سمجھ گیا کہ ان کا ارادہ کیا ہے؟ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہم پر ابتلا الہی نازل ہو گئی ہے، اور اب اس سے چارہ نہیں،

Marfat.com

مگر حضرت زینب ضبط نہ کر سکیں، کیونکہ قدرتی طور پر عورتیں زیادہ رقیق القلب ہوتی ہیں وہ ماتم کناں چلا اٹھیں کہ واحسرتا وامصیبتا الیوم ماتت فاطمۃ والعلی والحسن بن علی! لیکن جب حضرت حسین نے یہ حالت دیکھی تو ان کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا اے بہن یہ کیسا بے صبری اور کیسا جزع فزع ہے؟ اللہ سے ڈر کہ موت یقیناً آنے والی چیز ہے اور اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

لیکن حضرت زینب شدت غم وحزن سے مضطر تھیں وہ دیکھ رہی تھیں کہ آنے والی صبح کن واقعات خونیں کے ساتھ طلوع ہو گی، فرط غم میں انھوں نے اپنا چہرہ پیٹ لیا، گریبان پھاڑ ڈالا اور واویلا واحسرتا پکارتی ہوئی بے ہوش اپنے بھائی پر گر پڑیں۔ حضرت حسین نے یہ حالت دیکھ کر ان کے منہ پر پانی ڈالا اور جب ہوش میں آئیں تو فرمایا:

"اے بہن یہ کیسا غم وحزن ہے جو تم کر رہی ہو؟ تمہیں چاہئے کہ اللہ کے حکم و فرمان کے مطابق جو طریق عزا وحزن وغم ہے اُسے اختیار کرو۔ کیونکہ میرے لئے اور ہر ایک مسلم کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور ان کے اعمال و افعال میں اتباع اور پیروی کے لئے بہترین نمونہ ہے"!!

اللہ اکبر! خاندان نبوت کے اس مرتبۂ رفیع اور درجۂ عظیم کو دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ کس طرح اُن کے سامنے تھا اور "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" کے حکم کے آگے کس طرح انہوں نے اپنے جذبات اور خواہشوں کو قربان کر دیا تھا، ایسے سخت اور زہرہ گداز موقعہ پر بھی اپنی بہن کا جزع وفزع انہیں گوارا نہ ہوا، اور بجائے عام الفاظ صبر وتسلی کہنے کے فرمایا تو یہ فرمایا کہ "فان لی ولکل مسلم اسوۃ فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

پھر آج کتنے مدعیان محبت اہل بیت کرام ہیں جو اس اسوہ حسنہ کے اتباع کا اپنے اعمال سے ثبوت دے سکتے ہیں؟

رنگوں کی بوقلمونی

شاہدِ طبیعت اور جمالِ کائنات کا ایک سب سے بڑا منظرِ حسن، مخلوقات و موجودات کا اختلافِ الوان ہے، یعنی مختلف رنگوں کی بوقلمونی اور ان کے اختلافِ تناسب کی حسن آرائی، آسمان کی طرف نظر اٹھاؤ، آفتاب کی کرنیں، فضاء محیط کی رنگت، ستاروں کی چمک، چاند کی روشنی، قوسِ قزح کی دلفریبی، غرض کہ اوپر کی ہر نظر آنے والی شے میں رنگتوں اور ان کے اختلافِ جمیل کا ظہور موجود ہے، خود آفتاب کی روشنی ہی سات رنگوں کا مجموعہ ہے، جو قوسِ قزح کے مختلف اللون خطوں میں کبھی کبھی صاف صاف نظر آجاتے ہیں۔

اس سے بھی بڑھ کر رنگوں کا ظہور زمین پر نظر آتا ہے، عالمِ نباتات کے اس حسن کدۂ طبیعت پر نظر ڈالو، جس کا ہر ورقِ سرخ ایک صفحۂ جمال اور ہر برگِ سبز ایک پیکرِ دلفریبی و نظر افروزی ہے، ان بے شمار جڑی بوٹیوں اور عام پیداوارِ ارضی کو دیکھو جن میں کا ہر دانہ کتنی ہی رنگتوں کا مجموعہ ہوتا ہے، اور جن میں سے اکثر کا نقاب اُن کے اصلی چہرے کی رنگت سے مختلف پیدا کیا گیا ہے۔

یہ پہاڑوں کی سر بفلک دیواریں جو زمین کے مختلف گوشوں سے نکل کر دُور دُور تک چلی گئی ہیں کبھی تم نے ان کی رنگتوں پر بھی غور کیا ہے؟ کوئی سفید ہے، کوئی سُرخ ہے، کوئی خاکی ہے۔ کوئی جلی ہوئی سیاہ رنگت سے سوختہ جسم، جو یقیناً جمالِ فطرت کا اصلی رنگ و روغن نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

ان سب کو چھوڑ دو! خاک کے ذرّوں کو دیکھو جو تمہارے قدموں کے نیچے پامالِ غفلت و غرور ہوتے ہیں۔ ان کنکریوں اور مختلف قسم کے پتھر کے ٹکڑوں پر نظر ڈالو جن سے بسا اوقات تمہارے پائے غفلت کو ٹھوکر لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے، سمندر کی تہ میں اتر جاؤ اور کائناتِ بحری کی پیداوار مخفی کا سراغ لگاؤ، اس کی تہ میں کھڑے ہو جاؤ اور مٹھیاں بھر بھر کر اس کی ریگ و خاک کو اوپر لے آؤ، ان تمام اشیاء و موجودات کے اندر بھی تم دیکھو گے کہ رنگوں کا نمودِ حسن اور ظہورِ جمال اسی طرح موجود ہے جیسا عالمِ نباتات کی ارواحِ جمیلہ و اجسامِ ملونہ کے اندر، اور ان میں ہر شے بالکل اس طرح اختلافِ الوان کے اسرارِ خلقت کا ایک دفترِ رنگین ہے، جس طرح صبح و شام آسمان پر پھیلنے والے لکہ ہائے ابر کی بوقلمونی اور رنگ آرائیاں، یا قوسِ قزح کے حلقہ کی مختلف رنگتوں کی رعنائی و رنگ نمائی جو یقیناً عروسِ فطرت کے گلے کا ایک رنگین ہار ہو گا۔

متمدّن دنیا کی راحت جوئیوں نے تمہیں کم موقعہ دیا ہو گا کہ صبح سویرے اُٹھ کر کسی صحرا یا میدان میں نظارۂ فطرت کے لئے نکل جاؤ جب کہ شاہدِ قدرت کا چہرہ بے نقاب ہوتا ہے۔ اور جب کہ ملکوت السموات والارض اپنے شب خوابی کے کپڑے جلد جلد اتار کر مختلف رنگتوں کی رنگین چادریں اوڑھ لیتے ہیں، یہ وقت اختلافِ الوان طبیعت کے نظارے کا اصل وقت ہوتا ہے خواہ تم غفلت سحر کی کروٹیں بدلتے ہوئے اپنے مکان کے دریچہ سے آسمان پر ایک نظر ڈال لو، خواہ جنگلوں اور صحراؤں میں ہو خواہ باغوں کی روشوں اور سبزہ زاروں کے فرش پر چل رہے ہو، خواہ کسی دریا کے کنارے جا رہے ہو یا سمندر کے وسط میں دوڑنے والے جہاز کی چھت پر کھڑے ہو، کہیں ہو، لیکن تمہارے سامنے رنگتوں کے ظہور و نمود اور اختلافِ الوان کے حسن و جمال کا ایک ایسا منظر ہو گا جس کو دیکھ کر بے اختیار اس مبدءِ جمالِ حقیقی اور سرچشمۂ حسنِ مطلق کے تصور میں تم گم ہو جاؤ گے، جو اس تمام کائنات الوان و جمالِ اختلافِ الوان کا خالق ہے جو ان تمام مصنوعات و تکوینات حسینہ و جمیلہ کا صانع

ہے جو ان تمام صفحہ ہائے نقش و نگار رنگارنگ کا مصوّر ہے۔ جس کے دستِ قدرت کی مشاطگی سے جو شے بنی حسین بنی، جس کے قالبِ تخلیق سے جو وجود نکلا دلربا و رعنا بن کر نکلا، اور جس کے عکس و ظلالِ لاہوتی سے عالمِ خلقت کے ہر ذرّہ نے اخذِ جمال و رعنائی کیا:

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ

(۳۰-۱۶)

پس تمام بڑائیاں اور ہر طرح کی تقدیس اللہ کے لئے ہو جب کہ تم پر شام آتی ہے اور پھر جب کہ تم صبح کو اُٹھتے ہو، اور تمام حمد و ثنا اسی کے لئے ہے تمام آسمانوں اور زمینوں میں نیزوں کے ڈھلتے ہُوئے اور جب کہ تم دوپہر کی روشنی میں ہو۔

آہ! وہ کیسا حسین ہوگا، جس کی کائنات کی کوئی شے نہیں جو حسین نہ ہو؟ جس کے نقابِ حسن کی دلآرائی کا یہ حال ہے اُس کے روئے جاں طلب کا کیا حال ہوگا؟

آہ! خود اسی کے سوا کون ہے جو اس کے جمالِ مطلق کا اندازہ شناس ہو؟

مشکل حکایتے ست کہ ہر ذرّہ عین اوست
اما نمی تواں کہ اشارت باو کنند!

القرآن الحکیم | یہی سبب ہے کہ قرآنِ حکیم میں جہاں کہیں قدرت الٰہی اور مظاہر خلقت کے عجائب و غرائب پر انسان کی توجہ دلائی ہے، وہاں خاص طور پر رنگوں کے ان مظاہر متنوعہ و عجائب مختلفہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور طرح طرح کے رنگوں کے ہونے اور ان کے اختلاف کو قدرتِ الٰہی اور حکمتِ ربانی کی ایک بڑی علامت قرار دیا ہے۔

آج ہم چاہتے ہیں کہ ان آیتوں پر علمی حیثیت سے ایک اجمالی اور سرسری نظر ڈالیں۔

سب سے پہلے سورۂ روم کی آیت کریمہ سامنے آتی ہے جس میں عام طور پر اختلافِ الوان کو قدرتِ الٰہیہ کی نشانی بتلایا ہے۔

Marfat.com

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ (۳۰-۲۲)

اور حکمتِ الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی آسمانوں اور زمین کی خلقت ہے اور طرح طرح کی بولیوں اور رنگوں کا پیدا ہونا فی الحقیقت اس میں بڑی ہی نشانیاں ہیں ارباب علم وحکمت کے لئے۔

پھر بعض آیات میں زمین کی پیداوار اور عالمِ نباتات کے اختلاف الوان کا ذکر کیا جو فی الحقیقت رنگوں کی بوقلمونی کا سب سے بڑا منظر عجیب و موثر ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَہٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِہٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰىہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُہٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ (۳۹-۲۱)

آیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے اُوپر سے پانی اُتارا پھر زمین میں اُس کے چشمے بہائے پھر اسی پانی سے رنگ رنگ کی کھیتیاں اپنے جوشِ نمو میں بڑھیں اور طرح طرح کے پھل اور پھولوں سے لدگئیں، اس کے بعد جب اچھی طرح پک چکیں تو تم دیکھتے ہو کہ وہ بالکل زرد پڑجاتی ہیں اور خدا اسے چُورا چُورا کرڈالتا ہے، بیشک عالمِ نباتات کی اس ابتداوانتہا اور اختلاف وتغیرات میں اربابِ عقل و دانش کے لئے بڑی ہی عبرت ہے۔

اسی کی نسبت سورۂ نحل میں فرمایا:

وَ ذَرَاَ لَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُہٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ (۱۶-۱۳)

اور بہت سی چیزیں جو تمہارے فوائد کیلئے زمین سے اگائی جاتی ہیں، جن کی طرح طرح کی مختلف رنگتیں ہیں، سو ان میں بھی ان لوگوں کے لئے حکمتِ الٰہی کی بڑی ہی نشانیاں ہیں

Marfat.com

جو غور و فکر کو کام میں لاتے ہوں۔

نیز سورۂ فاطر میں فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ (۳۵ - ۲۷)

آیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ نے اوپر سے پانی برسایا اور اس سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوئے جن کی مختلف رنگتیں ہیں۔

اسی طرح شہد کی مختلف رنگتوں پر توجہ دلائی جو مکھی کے اندر سے نکلتا اور قدرتِ الٰہیہ کا ایک عجیب و غریب نمونہ ہے:

يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۱۶ - ۶۹)

اُن کے اندر سے ایک عرق نکلتا ہے جس کی مختلف رنگتیں ہوتی ہیں اس میں انسانوں کے لئے ہم نے شفا اور نفع رکھ دیا ہے ارباب فکر کے لئے اس میں بڑی ہی نشانیاں ہیں۔

اختلافِ الوان کا ایک نہایت ہی دلکش منظر پہاڑوں کی مختلف رنگتیں اور ان کے سرخ و سفید پتھر بھی ہیں، جن سے انسان بڑی بڑی عمارتوں کو خوشنما و دلفریب بناتا اور طرح طرح کے کام لیتا ہے، چنانچہ اس کی طرف بھی ایک جگہ اشارہ کیا:

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ (۳۵ - ۲۷)

اور اسی طرح پہاڑوں میں ہم نے مختلف رنگوں کے طبقات پیدا کئے کوئی سفید ہے کوئی لال ہے بعض کالے کالے سیاہ ہیں۔

یہاں تک عالم کائنات کے عام اختلاف الوان اور پھر خاص طور پر عالم نباتات و جمادات کی رنگتوں کا ذکر کیا تھا، اب خاص طور پر عالم حیوانی کے اختلافِ الوان:

Marfat.com

یہ اشارہ کر کے توجہ دلائی:

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَ	اور اسی طرح آدمیوں جانوروں اور چارپایوں
الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ	کی رنگتیں بھی کتنی کتنی طرح کی ہیں ان میں اللہ
كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ	نے بڑی بڑی حکمتیں رکھی ہیں۔ اللہ کا خوف
عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ	انہی لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو سکتا ہے
غَفُوْرٌ	جنہوں نے کائنات کے ان اسرار و حقائق
(۳۵-۲۸)	کا مطالعہ کیا ہے۔

ایک اجمالی نظر | ان آیاتِ کریمہ پر پہلے ایک اجمالی نظر ڈالو اور دیکھو کہ کس طرح عالم کائنات کی ہر نوع اور اختلاف الوان کے ہر منظر پر ہمیں توجہ دلائی ہے؟ سب سے پہلے عام طور پر اختلافِ الوان کا ذکر کیا اور فرمایا کہ زبانوں اور بولیوں کے اختلاف میں بھی حکمت الٰہیہ اور قوت سرمدیہ کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں، اس طرح انسان کی نظروں کو تمام کائنات کی ہیئت مجموعی کے جمال الوان اور اختلافِ مظاہر و نمائش کے لئے دعوتِ فکر و تدبر دی، تاکہ وہ آسمان کی ان رنگ آرائیوں کو بھی دیکھیں اور پھر زمین کے اس بہارستان پر بھی نظر ڈالیں جس کی کائنات نباتی اور عالمِ حیوانی کا ہر گوشہ رنگتوں کی رعنائیوں اور اُن کے اختلاف و تعدد کی دلفریبی کا ایک بہشت زار جمال ہے۔

اس کے بعد اس نظر اجمالی کی تفصیل ہوئی اور کائنات کی مختلف انواع و اقسام کے الوان کی طرف اشارہ کیا گیا، سب سے پہلے صناع طبیعت کی اس سب سے بڑی اعجاز فرمائی کا جلوۂ قدرت دکھلایا جو عالم نباتات کی ارواحِ حسینہ اور اجسامِ ملونہ و جمیلہ کے اندر نظر آتی ہے اور جس کے ایک چھوٹے سے پھول و پتے کے اندر بھی حیرت و مدہوشی کے وہ وہ جلوے پوشیدہ ہیں کہ اگر دنیا کی تمام پچھلی اور آئندہ حکمتیں اور دانائیاں یک جا اکٹھی ہو جائیں اور کسی حقیر سے حقیر پھول کی ایک مرجھائی ہوئی کلی کو اٹھا کر جو انسانی غفلت و سرشاری

کے کسی قدم جہل سے پامال ہو چکی ہو) اپنے سامنے رکھ لیں، اور اس کے عجائب و غرائبِ خلقت کا مطالعہ کرتے رہیں جب بھی اس کا دفترِ حکمت ختم نہ ہوگا!

فرمایا کہ غور کرو، ان کی خلقت کس قدر عقلوں کو وقفِ تعجب اور انسانی دانائی کو بلا کے حیرت کر دینے والی ہے؟ چند خشک بیج ہیں جو زمین میں ڈالے جاتے ہیں، آفتاب کی روشنی میں گرم ہوتے اور آسمان کے پانی سے اندر ہی اندر رستے ہیں، پھر وہ کیا چیز ہے جو ان کے اندر ایک عجیب و غریب قوت پھوٹنے، ابھرنے، بڑھنے، پھیلنے اور پھر طرح طرح کی رنگتوں سے رنگین ہو کر نمودار ہونے کی پیدا کر دیتی ہے؟ کبھی ان کے رنگ الگ الگ ہوتے ہیں کبھی کسی خاص تناسب کے ساتھ کئی رنگوں کا مجموعہ ہوتے ہیں اور کبھی ایک ایک پتے اور ورقِ گل کے اندر کئی کئی رنگتوں کی دھاریاں اور نقش و نگار بن جاتے ہیں۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

عالمِ نباتات کی طرح عالمِ جمادات بھی اختلافِ الوان کا عجیب و غریب منظر ہے جسے ترتیبِ مدارجِ خلقت کے اعتبار سے نباتات پر مقدم ہونا چاہئے۔ زمین کے اندر سے طرح طرح کے مختلف رنگوں کے پتھروں کا پیدا ہونا اور پہاڑوں کے اندر سے نکلنا اس سے کم عجیب نہیں ہے جس قدر نباتات کے غرائب و عجائب ہیں، یہ سنگِ مرمر اور سنگِ موسیٰ کے بڑے بڑے ستون جن کے نیچے شہنشاہوں کے دربار لگتے ہیں اور جو ایوانہائے عظمت و جبروت کے لئے سب سے بڑا حسن سمجھے جاتے ہیں، کیا ہیں؟ وہ جو دودھ کی رنگت سے سفید اور آئینہ کی چمک سے زیادہ درخشندہ ہوتے ہیں، کہاں سے نکلتے ہیں؟ یہ سنگِ سرخ جس سے "روضۂ تاج" کا جمالِ آتشیں نمایاں ہوا، کہاں سے آیا؟ نہ تو وہ سفید دودھ سے پیدا ہوا اور نہ سرخ پھولوں کی رنگت جمع کر کے بنایا گیا، بلکہ دستِ قدرت نے اسی خاکِ ارضی کے اندر اس کی ہیئتیں جمائیں اور اس کے طول و عرض کو زمین کی بدرنگ پشت کے اوپر پھیلا دیا تاکہ خلقتِ الٰہی کا معجزہ، حسن آبادِ ارضی کا زیور، اور اس حیرت آبادِ عالم میں معرفتِ الٰہی اور توجہ الی اللہ کے لئے درسِ بصیرت ہو۔ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

عالم جمادات و نباتات کے بعد حیوانات کی خلقت کا صفحہ کھلتا ہے، اختلاف الوان واشکال کے لحاظ سے اس کے عجائب و غرائب بھی عقل کی سرگشتگی اور ادراک کے عجز و اعتراف کا پیام ہے، رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا پس فرمایا کہ وَمِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ كَذٰلِكَ جس طرح خلقت انسانی کی ہر نوع کے اندر اختلاف الوان کا قانون کام کر رہا ہے، اسی طرح خلقت کا یہ سب سے بڑا نمونہ اور ارتقاء موجودات کی سب سے آخری کڑی بھی طرح طرح کی رنگتوں کا ایک صحیفۂ رنگین ہے۔ اور جو لوگ اسرار و حقائق موجودات کو غور و تدبر سے دیکھتے ہیں وہی کچھ اس کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں، اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ

خلاصہ امور اس نظر اجمالی کے بعد غور و فکر کا قدم اور بڑھائیے تو ان آیات کریمہ سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

۱۔ عالم کائنات کے بے شمار و بے تعداد مظاہر خلقت کی طرح رنگوں کا اختلاف بھی قدرت الٰہی کی ایک بہت بڑی نشانی ہے کیونکہ اس کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حسن جمال عالم محض ایک بے ارادہ و تعقل مادۂ خلقت کی حرکت اور ترکیب اتفاقی کا نتیجہ نہیں ہو سکتا، کوئی وراء الورٰی ضرور ہے جس کے دست قدرت و حکمت کی مشاطگی یہ تمام نیرنگ صناعت دکھلا رہی ہے۔

قرآن کریم نے اس امر کو دوسری آیتوں میں واضح کیا ہے۔ جب کہ منکرین الٰہی سے پوچھا ہے۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ	کیا وہ ہستی جو پیدا کرتی ہے اور وہ جو کچھ
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ	پیدا نہیں کر سکتی، دونوں برابر ہیں؟ تمہیں
(۱۶-۱۷)	کیا ہو گیا ہے کہ غور نہیں کرتے

یعنی کیا ایک خالق و صانع ہستی جو صفات واجبہ ارادہ و عقل و علم سے متصف ہے اور ایک بے ارادہ و تعقل شے (خواہ وہ افلاک کی حرکت ہو خواہ اجزائے سالمات دیمقراطیسی)

Marfat.com

دونوں ایک طرح ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ کائنات کا ذرہ ذرہ ایک صاحبِ ارادہ و عقل خالق کی ہستی کی شہادت دے رہا ہے۔

یہاں صرف خلقت کا لفظ فرمایا اور کہا کہ خلق کرنے والا اور وہ جو خلق نہیں کرتا دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ خلق وہی کر سکتا ہے جو ارادہ و تعقل رکھتا ہو" لا یخلق" کے اندر تمام چیزیں آگئیں جو قوتِ خالقیت نہ رکھتی ہوں، اور خالقیت کے لئے ارادہ و تعقل مستلزم ہے پس فی الحقیقت اس آیت میں نیز اس کی ہم مطلب دیگر آیات میں انہی لوگوں کا رد کیا گیا ہے جو وجودِ الٰہی کی جگہ کسی بے ارادہ و تعقل شے کو خلقت عالم کے لئے کافی سمجھتے ہیں، خواہ وہ یونانیوں کی حرکتِ افلاک ہو یا موجودہ زمانے کی اجزاء سالمات ابتدائیہ۔ ان آیات کو بتوں سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ اب تک سمجھا گیا ہے، اس کی حقیقت بغیر تفصیل و تشریح کے ذہن نشین نہیں ہو سکتی اور مستقل مضمون کی محتاج ہے۔

۲ - اختلافِ الوان کے اندر بڑی بڑی مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں، وہ محض ایک ظہورِ حسن اور نمائشِ خلقت یا فطرت کا اتفاقی نمود ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ہر جگہ تذکر و تفکر پر کیوں زور دیا جاتا؟ اور علی الخصوص پہلی آیت میں یہ کیوں کہا جاتا کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ کہ صاحبانِ علم کے لئے اس اختلاف الوان میں بڑی نشانیاں ہیں۔

۳ - آخری آیت عجیب و غریب ہے اور اس سلسلے کی ایک آیت جس کی بنا پر بعض نئے استدلالاتِ قرآنیہ میرے ذہن میں ہیں، اختلافِ الوان وغیرہ مظاہرِ خلقت اور اسرارِ کائنات کا ذکر کر کے فرمایا: انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء! اللہ کے وہی بندے خوف و خشیت اپنے اندر پاتے ہیں جو صاحبانِ علم ہیں،

اس بیان کے ساتھ ہی "خشیت الٰہی" اور "علما" کا ذکر بغیر کسی ربطِ حقیقی کے نہیں ہو سکتا، اس سے صاف صاف واضح ہوتا ہے کہ خدا کی ہستی کا یقین، اس کی شناخت اور اس کے صفات کی معرفت کے بغیر اس کا خوف پیدا نہیں ہو سکتا، اور قرآن کریم اس یقین

Marfat.com

کے حصول کا ایک بڑا وسیلہ یہ بتلاتا ہے کہ خلقتِ عالم کے حقائق و اسرار اور اختلافِ تغیرات کی کُنہ و حقیقت کا علم حاصل کرو۔ تاکہ مصنوعات کی نیرنگیاں اور عجائب آفرینیاں صانعِ مطلق کی حکمتوں کا سراغ بتلائیں اور معرفتِ الٰہی کا یقین و اذعان ترقی کرے، چونکہ یہ کام ان لوگوں کا ہے جو اربابِ علم و تحقیق ہیں اور جن کا شمار علماء حقیقت میں ہے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ عجائبِ عالم اور اختلافِ الوان جو کائنات کی ہر نوع اور ہر قسم میں جلوہ گر ہے اسکے اسرار و مصالح پر غور کرنے والے اور ان کی حقیقت کی جستجو میں رہنے والے ہی وہ بندگانِ الٰہی ہیں جن کے لئے ان کا مطالعہ معرفتِ الٰہی کا وسیلہ ہوتا ہے اور پھر معرفتِ الٰہی مقامِ خشیت و عبودیت کے لئے راہنما ہوتی ہے وَهَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔

۴۔ اختلافِ الوان ایک قانونِ خلقت ہے جو تمام انواع میں جاری و ساری ہے۔ عالمِ جمادات، نباتات، حیوانات، کوئی نوع نہیں جس کے اندر طرح طرح کی رنگتوں کا ظہور نہ ہو، پس یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ایسا عالمِ ظہور کسی بڑی ہی مصلحت و حکمت پر مبنی نہ ہو؟

اشاراتِ علمیہ قرآن کریم علم الحیات یا علم الحیوان کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ ان اشاراتِ حکمیہ سے اس کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ انسان کو حکمت و قدرتِ الٰہیہ کی طرف توجہ دلائے، اور ان حقائق کا مطالعہ وسیلۂ تذکیر و ذریعۂ عبرت و توجہ الی اللہ ہو۔ نیز ان اشیاء کے اسرار و مصالح کی تحقیق و کشف کا اس کے دل میں دلولہ اور شوق پیدا کرے، تاکہ وہ ان کی تحقیقات کی دشوار گزار راہوں میں قدم رکھے، اور معرفتِ الٰہی اور حصولِ مقامِ خشیت کے لئے راہِ علم کی تمام مصیبتوں کو خوشی خوشی قبول کرلے۔

پس چاہئے کہ پہلے ہم شارحینِ علم کی طرف متوجہ ہوں کہ وہ اختلافِ الوان کے متعلق کیا کہتے ہیں، اس کے بعد دیکھیں کہ قرآنِ کریم کا اس طرف توجہ دلانا اور اس کو ایک آیتِ الٰہیہ قرار

دینا کن اسرار و حکم پر مبنی ہے۔

(۲)

اختلافِ الوان اور علم الحیوان یہ مسئلہ علم الحیات (بایولوجی) اور علم الحیوانات (زوالوجی) کا مشترک موضوع ہے، جس قدر تحقیقات اس وقت تک ہوئی ہیں وہ گو ایک مرتب صورت میں مدوّن کردی گئی ہیں تاہم انہیں ابتدائی درجہ سے آگے بڑھنے کا موقع نہیں ملا ہے، کیونکہ مقاصد و علل کا بہت کم حصہ سامنے آیا ہے اور بہت بڑا میدان ابھی باقی ہے'

علمائے "وظائف الاعضا" فزیالوجی کے ایک گروہ کی تحقیقات یہ ہے کہ حیوانات میں اختلافِ الوان محض فزیالوجیکل اسباب سے پیدا ہوا ہے اور اس میں قدرت کے کسی ارادے اور قصد یا تقدیر و تخمین کو دخل نہیں ہے، فزیالوجی کا صحیح ترجمہ "علم وظائف الاعضا" ہے۔ فزیالوجیکل اسباب یعنی وہ اسباب و موثرات جن کا تعلق علمِ وظائف الاعضا سے ہے' پس ہم پہلے ان کی تحقیقات کا خلاصہ درج کرتے ہیں،

فزیالوجیکل اسباب مادی اشیاء خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات و جمادات، ان کے لئے اکثر حالتوں میں رنگ لازمی ہے، حیوانات اور نباتات ایک طرف رہے، جمادات میں بھی بمشکل کوئی ایسی مثال ملے گی جس کا پانی اور بعض خاص غازوں (گیس) کی طرح کوئی خاص رنگ نہ ہو، چونکہ تمام حیوانات اور نباتات کے جسم جمادات سے مرکب ہیں اس لئے طبعی طور پر ان کے جسموں پر ان جمادات کے رنگوں کا موجود ہونا ضروری ہے، البتہ ہماری آنکھوں کو صرف وہی رنگ نظر آتا ہے جو جسم کی بالائی سطح سے قریب ہوتا ہے۔ مگر جب کسی جسم کی تشریح کی جاتی ہے تو اس میں ان تمام جمادات کے رنگ یا ان کے آثار نظر آجاتے ہیں جن سے ان کا قوام مرکب ہوتا ہے۔

علم الحیات کی اصطلاح میں حیوانات کی ایک قسم پروٹوزا (Protozoa) یا حیوانات اولی ہے جس قسم کے حیوانات پر اس اصطلاح کا اطلاق ہوتا ہے ان کی نسبت ایک اہم سوال

یہ ہے کہ کیا درحقیقت وہ سلسلۂ حیوانات کا اولین حلقہ ہیں یا ان سے پہلے بھی کوئی اور کڑی ہونی چاہیئے؟ قطعی جواب تو اس کا کوئی نہیں دیا گیا اور غالبًا دیا بھی نہیں جا سکتا، البتہ یہ معلومات موجودہ مسلّم ہے کہ اس وقت تک جس قدر حیوانات دریافت ہوئے ہیں ان سب میں بسیط ترین اور اولین حیوان یہی ہیں۔

ان حیوانات کے جسم سے ایک خاص قسم کا لیسدار مادہ نکلتا ہے، اس مادہ سے جب بالو کے ذرّے ملتے ہیں تو فورًا چپک جاتے ہیں۔ اور ان سے ایک خول (کیس) سا تیار ہو جاتا ہے، عمومًا اس خول کا رنگ حیوان کے جسم کا رنگ سمجھا جاتا ہے، غور کرو کہ اس میں رنگ کس شے کا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ بالو کے علاوہ اور کسی شے کا نہیں ہو سکتا۔

حیوانات کے ظاہری اعضا کی طرح اندرونی اعضا کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں، مثلاً جگر کا رنگ اور ہے، آنتوں اور دل کا رنگ ایک ہے۔ اور گُردہ کا دوسرا (علم جرا، مگر ظاہر اعضا کی طرح ان کے رنگوں کا اختلاف بھی فزیولوجیکل اسباب ہی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ انکی کیمیاوی تشریح کے نتائج اس کی تشفی بخش شہادت دیتے ہیں۔

تحقیقِ مزید | یہاں تک علم وظائف الاعضا کی اس جماعت کے بیان کا خلاصہ تھا جو کہتی ہے کہ اختلافِ الوان محض حیوانات کی جسمانی ترکیب کا ایک اتفاقی نتیجہ ہے، اس میں فطرت کے کسی خاص ارادہ اور مقصد کو دخل نہیں۔

لیکن اگر اس تحقیق کو تسلیم کر جائے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ قرآن کریم کا اختلافِ الوان کو قدرتِ الٰہی کی ایک نشانی قرار دینا اور بار بار "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ" "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ" اور "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ" کہنا (نعوذ باللہ) بالکل باطل ہے، کیونکہ نشانی وہی چیز ہو سکتی ہے جس کے اندر خلقت قدرت و فطرت کے اسرار و حکم اور معارف و مصالح پوشیدہ ہوں لیکن اگر وہ محض حیوانات کے جسمانی حالات کا ایک ایسا نتیجہ ہے جس میں فطرت کے کسی خاص مقصد کو دخل نہیں، تو اس کے وجود و حکمت

Marfat.com

کی نشانی کیونکر ہو سکتی ہے؟

بحیثیت مسلمان ہونے کے ہم اس تحقیق پر قانع نہیں ہو سکتے، کیونکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا" خدایا تُو نے اس عالم کائنات کی کوئی چیز بھی بغیر کسی مقصد و مصلحت کے نہیں بنائی اور ہم کو بتلایا گیا ہے کہ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ (۲۰-۱۶) پس ہماری تشفی صرف وہی علم کر سکتا ہے جو قدرت کے اسرار حقیقت کو ہم پر منکشف کر دے، ہماری کتاب ہدایت نے ہم کو ایسی ہی تحقیقات کا عادی بنایا ہے۔ اور ہمارا معیارِ علم بحیثیت حاملِ قرآن ہونے کے اس بارے میں حاملینِ علم سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (۴۵-۳۰) بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ (۴۴-۶)

قانون مقابلہ خود علمائے حیوانات و علم الحیات ہی نے ہمیں یہ بتلایا ہے کہ جاندار چیزوں کی بالیدگی ایک عام قانون کے ماتحت ہوتی ہے جس کو موازنہ یا مقابلہ کہہ سکتے ہیں، یعنی مختلف اشیا کو باہم قیاس میں لانا اور ان کا موازنہ کرنا، یہ قانون جس طرح حیوانات کے قد، حجم، اور اندرونی ساخت میں نافذ ہے بالکل اسی طرح رنگ میں بھی جاری ہے، چنانچہ جب ہم مختلف اللون حیوانات کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان کی رنگا رنگی اسی قانون کے ماتحت نظر آتی ہے۔

ایک جانور کے دہنے بازو پر کوئی خاص رنگین خط یا گل ہے تو ضرور ہے کہ دوسرے بازو پر بھی بعینہٖ اسی جگہ، ویسا ہی رنگ ہوگا۔ کیونکہ دونوں بازوؤں کا خمیر ایک ہی قسم اور ایک ہی مقدار کے مادے سے بنا ہے۔

شیر اور چیتے کے جسم کو دیکھو، مور کے پروں کا مطالعہ کرو کس نظام و ترتیب اور تناسب و تقابل کے ساتھ ایک ہنرمند سے بہتر نقاش کی طرح نقاشی کی گئی، جس سے زیادہ متناسب اور باقاعدہ نقش و نگار ہو نہیں سکتے، مختلف قسم کے ہوائی پرندوں پر نظر ڈالو، اور ان چھوٹی چھوٹی تتلیوں کو دیکھو جو شام کو اڑتی ہوئی دیواروں پر آ کر بیٹھ جاتی ہیں۔ ان کے پروں میں نقش و نگار رنگین کا نمونہ کیسا باقاعدہ

Marfat.com

کیسا منظم، کیسا مرتب، کس درجہ با اصول ہے؟ ایک معمولی نقاش چند لکیریں بھی کھینچتا ہے تو کسی نہ کسی تصویر و نقش کے مقصد کو اپنے سامنے رکھتا ہے، پھر کیا قدرت کی اتنی بڑی نقاشی محض ایک بے قصد و مقصد اتفاق اور ترکیب جسمی ہی کا نتیجہ ہے اور کوئی غرض اور کوئی حکمت اس میں پوشیدہ نہیں؟ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا (۶: ۱۴۸) فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ (۱۰: ۳۵) وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ (۶۲:۱۶)

علمائے حیوانات قانونِ مقابلہ کو رنگوں میں ایک باقاعدہ مؤثر قانون تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر شیر کے خطوط میں ایک محسوس تسویہ اور نظام محفوظ ہوتا ہے تو اس کی وجہ صرف یہی قانون ہے جس کے سبب اس کے دونوں پہلوؤں میں مماثلت و مساوات نظر آتی ہے۔

بیشک بعض مثالیں ایسی بھی ملیں گی جہاں یہ قانون بظاہر غیر مؤثر نظر آئے گا، لیکن جب زیادہ دقتِ نظر سے کام لیا جائیگا تو معلوم ہو جائے گا کہ در اصل وہاں بھی یہ قانون محفوظ ہے مگر کسی غیر طبعی سبب سے (مثلاً مختلف قسموں کے باہمی اختلاط سے یا گرد و پیش کے بعض مؤثراتِ خارجیہ سے، یا بعض عوارض اور اُن کے توارث وغیرہ سے) یہ حالت پیدا ہو گئی ہے۔

مماثلتِ وسط | پس ہم تلاش و جستجو میں آگے بڑھتے ہیں اور علم الحیوانات کی بلند تر تحقیقات و معلومات کو ڈھونڈتے ہیں، ہمارے سامنے محققین فائزین کا ایک گروہ آتا ہے جس نے اسرار الوان کا غائر نظر سے مطالعہ کیا ہے، اور اسے محض فزیولوجیکل مؤثرات کا نتیجۂ بے قصد سمجھ لینے پر ہماری طرح قانع نہیں ہے، اس بارے میں ہمیں سب سے زیادہ مشہور معلم، چارلس ڈارون کا ممنون ہونا چاہئے جس نے اپنے سفر امریکہ کے جمع کردہ جانوروں کے متعلق تحقیقات کرتے ہوئے اس موضوع کی طرف اشارہ کیا، اس کے بعد بعض حکمائے حال ہیں جو علم الحیوانات کی تحقیق طلب راہوں میں تلاشِ منزلِ مقصود کے لئے تگ و دو کر رہے ہیں۔

قانونِ نشو و ارتقا یا ڈارون ازم کا ایک بنیادی مسئلہ (Teleology) ہے

جس کا ترجمہ "قانونِ مطابقت" کیا گیا ہے۔ اور تاثراتِ وسط سے بھی اسے تعبیر کرتے ہیں، مختصر لفظوں میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حیوانات پر ان کے گرد و پیش اور مولد و وطن کے تمام حالات کا اثر پڑتا ہے اور رفتہ رفتہ ان کے اعضا اور جسم میں تغیرات پیدا کر دیتا ہے جس قسم کی آب و ہوا میں رہتے ہیں، جس طرح کا مکان انہیں ملتا ہے جیسی غذا اُن کے اندر جاتی ہے، اسی کے مطابق ان کے اندر جسمی تغیرات بھی ہوتے رہتے ہیں اور اسی کے مناسب اُن کے جسم کی ہر شے ہو جاتی ہے۔ گرد و پیش کے حالات کو عربی میں "وسط" کہتے ہیں جو انگریزی کے لفظ (Middle) کا ترجمہ ہے، اسی اصطلاح کو ہم نے بھی اختیار کیا ہے۔

اسی قانونِ مطابقت سے اختلافِ الوان کے ایک بہت بڑے بھید کا سراغ لگتا ہے علمائے حیوانات کی تحقیق ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ اشیا کا رنگ ان اجزا کے رنگ کا نتیجہ ہوتا ہے جن سے وہ ترکیب پاتے ہیں۔ مثلاً پتہ سبز ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں کلوروفیل chlorophyll ہوتا ہے جو سبز ہے۔ خون سرخ ہوتا ہے کیونکہ وہ بے شمار چھوٹے چھوٹے کریوات[۵] دمویہ سے مرکب ہے اور ان کا رنگ سرخ ہے۔

پس صرف نباتات و جمادات کو پیشِ نظر رکھو اور غور کرو کہ کرۂ ارض کے مختلف حصّوں میں عالمِ نباتات و جمادات کی جس قدر پیداوار ہیں ان کی رنگت ان اجزا کی وجہ سے ایک خاص قسم کی ہو گئی ہے جن کی ان حصوں میں قدرت نے کثرت و فراوانی رکھی ہے اور اس لئے ہر حصۂ زمین کسی خاص رنگت کا غلبہ و احاطہ ہے۔

جب حیوانات ان حصّوں میں رہنے لگے تو قانونِ مطابقت نے جس طرح اُن کی

---

[۵] کریوات دمویہ سے مراد وہ چھوٹے چھوٹے کرّے ہیں جو خون میں پائے جاتے ہیں اور خوردبین سے نظر آتے ہیں۔ ترکی کے بعض مترجمین "حبیبات خوردبینی" کی اصطلاح سے بھی انہیں موسوم کرتے ہیں، علمائے تشریح نے دریافت کیا ہے کہ خون کے ایک ایک قطرہ میں کئی کئی کروڑ کریوات دمویہ ہوتے ہیں۔

Marfat.com

تمام جسمانی حالت اور قویٰ کو ان کے وسط (گرد و پیش) کے مطابق بنا دیا، اسی طرح ضرور تھا کہ اُن کی رنگت بھی ان کے وسط کے مطابق ہوتی، کیونکہ قانونِ مطابقت ہر جسمانی انفعال پہ مؤثر ہے۔

چنانچہ تحقیقات سے نظر آتا ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ حیوانات کی ایک بہت بڑی تعداد کے متعلق ثابت ہو چکا ہے کہ ان کی رنگت یعنی پھولوں، پتوں، پتھر اور زمین کی ہے یا اُن طبعی موجودات کی ہے جن سے وہ خطہ گھرا ہوا ہے۔ علمائے نشوو ارتقا نے اس حالت کو ایک خاص مؤثر طبعی تسلیم کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ "مماثلتِ وسط" ہے یعنی گرد و پیش کے مطابق حیوانات کے جسم کے رنگ کا بھی ہونا۔

مثلاً شیر نیستاں میں رہتا ہے۔ اس کا اصلی وطن وہی ہے گو وہ کسی غار کے اندر یا دریا کے کنارے بھی لیٹا ہوا نظر آ جائے۔ پس اسی لئے اس کی کھال کے بالوں کا رنگ دھاری دار خاکی یا مٹیالا ہوتا ہے۔

بعض شیر ایسے ہیں جو ریگستان میں رہتے ہیں، ریت کی رنگت تمہیں معلوم ہے پس اُن کے جسم کی رنگت بھی گرد آلود زردی مائل اور بالکل ریت کی سی ہوتی ہے۔

قطبِ شمالی کی ریچھ کی رنگت دیکھی گئی ہے کہ بالکل سفید ہوتی ہے۔ کیونکہ اسکے وطن کی زمین ہمیشہ برف سے سفید رہتی ہے، اسی طرح بے شمار پرندے ہیں جو درختوں میں آشیانے بناتے ہیں اور ان کی رنگت بالکل اُن پتوں کی سی ہوتی ہے جو ان درختوں کی شاخوں میں لگتے ہیں۔

یہ مماثلت خواہ حیوانات اولی (protozoa) کے لیدار جسم کے ساتھ خارجی اجزائے ارضیہ کے مل جانے کا نتیجہ ہو جیسا کہ علمائے وظائف الاعضا کا قول اوپر گزر چکا ہے یا کسی مخفی قانونِ طبیعی کا نتیجہ ہو جیسا کہ بحمد اللہ ہمارا اعتقاد ہے مگر بہر حال قانونِ نشوو ارتقا کے علما تسلیم کرتے ہیں کہ اُس کے اندر بعض بیش بہا منافع اور حکمتیں نظر آتی ہیں۔

ازاں جملہ ایک حکمت جس تک فہم انسانی دسترس پا سکی یہ ہے کہ یہ مماثلت حیوا

Marfat.com

کی زندگی کے بقا اور دشمنوں سے حفظ کا ایک بہت بڑا وسیلہ ہے، یہ اگر نہ ہوتی تو ھزارہا حیوانات دنیا سے نابود ہو جاتے۔ اس مماثلت کی وجہ سے وہ اپنے دشمنوں اور اپنے سے قوی تر حیوانات کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں، کیونکہ اُن کی رنگت اور ان کے گردو پیش کی اشیا کی رنگت ایک ہی ہے۔ اس لئے ان کے دشمن کی نظریں اُن کے وجود کو اردگرد کی چیزوں سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتیں، اور وہ ان کے حملے سے محفوظ رہ جاتے ہیں۔ گویا رنگت اُن کے لئے ایک بہترین کمین گاہ کا کام دیتی ہے۔

برفستان کے اندر ان جانوروں کو دیکھ لینا کس قدر مشکل ہے جن کی رنگت کی سفیدی اور برف کی سفیدی میں کچھ فرق نہیں؟ ریگستان کے اندر اُن جانوروں کو کیونکر دُور سے پہچانا جا سکتا ہے، جو ریت کے کسی ٹیلے کے ساتھ لگ کر لیٹ گئے ہیں اور اُنکی کھال بالکل اسی رنگ کی ہے جو رنگت کہ ریت کی ہوتی ہے؟

اس کا صحیح اندازہ اُن لوگوں کو ہو سکتا ہے جو شکار کے شائق ہیں اور بسا اوقات جنگلوں میں ایک سانپ کی نکلی ہوئی دُم کو ایک خوشنما اور رنگین پتا سمجھ کر پکڑ لیا ہے۔ حالانکہ وہ اس رنگت والی جلد کا سانپ تھا، جس رنگت کے پتوں اور گھاس سے جنگل کا وہ ٹکڑا ابھرا ہوا ہے۔

یہ دنیا تنازع للبقاء (Struggle for Existence) کا میدان کارزار ہے اور ہر حیوان اپنے دشمنوں کی بڑی بڑی صفیں اپنے سامنے دیکھتا ہے، جو اس کے قرب وجوار ہی میں پھیلی ہوئی ہیں، یا اس فضا میں اُڑتی پھرتی ہیں جو اس کے اوپر پھیلا ہوا ہے۔ پس غور کرو کہ اگر ان حیوانات کی رنگت اس زمین اور وسط کے مطابق نہ ہوتی جس میں وہ رہتے ہیں تو ان کے لئے اپنے گھروں سے نکل کر تلاشِ غذا میں پھرنا اور زندہ رہنا کس قدر مشکل ہو جاتا؟ لیکن قدرتِ الہیہ اور حکمت ربانیہ نے ان کی رنگت کو اُن کے وسط کی رنگت کے مثل بنا کر انہیں دشمنوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا، وہ نکلتے ہیں، زمین پر پھرتے

ہیں ایک درخت سے اڑ کر دوسرے درخت پر جاتے ہیں، مگر اُن کے دشمن اکثر اوقات پہچان نہیں سکتے۔ وہ کسی درخت کی شاخ یا مٹی کے ٹیلے کے ساتھ لگ کر چھپ جاتے ہیں اور ان کا رنگ ان چیزوں کے ساتھ مل کر دشمنوں کی نظروں کو دھوکا دیتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ یہ مماثلت کیونکر پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایک طبیبانہ مذاق رکھنے والا قدرت کی نوازش و مہربانی کے علاوہ کسی دوسرے جواب کا بھی طالب ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان حیوانات میں پہلے وہ تمام رنگ پیدا ہوئے جنہیں علم وظائف الاعضا کے قاعدے سے پیدا ہونا چاہئے تھا۔ مگر بعد کو انتخابِ طبیعی کا عمل شروع ہوا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ فطرت صرف قوی، مناسب، موزوں اور صحیح و سالم چیزوں ہی کو باقی رہنے دیتی ہے اور نشوونما کے لئے چھانٹ لیتی ہے۔ باقی معدوم و نابود ہو جاتے ہیں پس یہ انتخاب جب نافذ ہوا تو صرف وہی رنگ رہ گئے جو اُن کے وسط و محیط کے مناسب تھے اور بقیہ رنگ بہت سے اعضا کی طرح ناپید ہو گئے۔

انتخابِ جنسی اس سے بھی بڑھ کر اختلافِ الوان کے مصالح و اسرار کا سراغ اس نظریہ سے لگتا ہے جسے انتخاب جنسی (Sexual Selection) کہتے ہیں، خواہ اسباب کچھ ہوں مگر واقعہ یہ ہے کہ ہر قسم کے حیوانات کی خاص خاص اور الگ الگ غذائیں ہیں۔ علم وظائف الاعضا کی رو سے جسم پر جن چیزوں کا اثر پڑتا ہے ان میں ایک بہت بڑی شے غذا بھی ہے۔ غذا کا اثر رنگ پر بھی پڑتا ہے جو بقدرِ استعدادِ طبعی کم و بیش ہوتا رہتا ہے، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ حیوانات کی غذاؤں کے رنگ اگر روشن ہیں تو خود اُن کے جسم کے رنگ بھی روشن ہیں اگر غذا کا رنگ تاریک ہے تو خود ان کا رنگ بھی تاریک ہے۔

مثلاً طوطا زیادہ تر پھل کھاتا ہے۔ اس لئے اس کا قیام پھل والے درختوں میں رہتا ہے، درختوں کے رنگ عموماً روشن ہوتے ہیں اس لئے اس کا رنگ بھی روشن ہے یا بعض قسم کی مکھیاں ہیں جو اصطبلوں میں رہتی ہیں چونکہ وہ نجاست پر زندگی بسر کرتی ہیں

Marfat.com

جس کا رنگ تاریک ہوتا ہے۔ اس لئے خود ان کا رنگ بھی تاریک ہو جاتا ہے۔

ایک عرصے کے استعمال سے جانوروں کو اپنی غذاؤں کے رنگ سے ایک خاص قسم کی موانست و الفت پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے جب ان کی تناسلی خواہش میں حرکت پیدا ہوتی ہے تو وہ دوسری جنس کے انہیں افراد کی طرف بالطبع زیادہ مائل ہوتے ہیں جن میں ان کی غذاؤں کے رنگ زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ یہی شے ہے جس کو انتخاب جنسی کہتے ہیں، پس جس طرح قانونِ ارتقا کا انتخاب طبیعی ایک مدتِ مدید کے بعد پوری نوع کی نوع میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح انتخابِ جنسی بھی انواع رنگ پر حیرت انگیز تغیر طاری کر دیتا ہے۔

بہت سے جانور ایسے ہیں جن کے رنگ عام طور پر تو معمولی حالت میں رہتے ہیں مگر جب اُن کے توالد و تناسل کا موسم آتا ہے اور نر اور مادے کی یکجائی ضروری ہوتی ہے تو رنگوں میں ایک دلفریب چمک دمک اور ایک خاص رونق و حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ حیوانات کی بعض انواع یعنی کبوتر، فاختہ، مور ایسی ہیں جو اتحادِ تناسلی سے پہلے اپنی مادہ کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے مستانہ رقص و نواج کرتے اور اپنے پروں کے دلفریب رنگوں کی ایک خاص انداز سے نمائش کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کے اندر دلفریبی و رعنائی کی کشش پیدا ہو جاتی ہے جو بے اختیار مادہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور جذبۂ طبیعی کے لئے اختلاف الوان ایک بہت بڑا معین خارجی ہو جاتا ہے، غرض کہ حیوانات کی جنسی خواہش پر رنگوں کا اثر پڑتا ہے اور زیادہ تر وہی رنگ مؤثر ہوتے ہیں جو محبوب و دلفریب، نظر افروز اور دل پسند ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حیوانات کی نسل کی افزائش و حفاظت کے لئے قانون انتخاب جنسی اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اور حیوانات کی رنگت ایک بہت بڑے مقصدِ حیات کو پورا کرتی ہے۔

خلاصۂ مباحث | ہم نے بہت اختصار و ایجاز سے کام لیا کیونکہ ابھی اختلافِ الوان

Marfat.com

کا بہت بڑا میدان یعنی عالمِ نباتات کی بحث باقی ہے۔ امید ہے کہ مندرجہ ذیل امور قارئین کرام کے سامنے آگئے ہونگے۔

۱- اختلافِ الوان کے متعلق شارحین و حاملینِ علم نے جو کچھ تحقیق کیا ہے اس میں ابھی تحقیقات مزید کی بہت بڑی گنجائش باقی ہے۔ تاہم موجودہ تحقیقات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اختلافِ الوان کے اندر حکمتِ الہیہ نے بعض عجیب و غریب اسرار و مصالح رکھے ہیں، اور آگے چل کر نہیں معلوم اور کس قدر اسرار منکشف ہوں؟ قرآنِ حکیم اسی لئے انہیں حکمت الٰہی کی نشانی کہتا ہے

۲- قرآن حکیم اس زمانے میں جب کہ انسان کی معلومات محدود تھیں اسرارِ خلقت کے چہرے پر نقاب پڑا تھا اور اُس کے مخاطب وہ لوگ تھے جو علم و حکمت سے بالکل ناآشنا تھے، اختلافِ الوان کو اللہ کی قدرت و حکمت کی نشانی قرار دیا اور فرمایا کہ اس میں صاحبانِ عقل و فکر کے لئے بڑے بڑے اسرار و بصائر ہیں، آج علم الحیوان اور علم الحیات کی تحقیقات اس کی تصدیق کرتی ہے۔ اور انسان نے صدیوں کی تحقیق و تفتیش کے بعد چند مصالح کا سراغ لگایا ہے، یہ خدا کے کاموں کی انسانی تحقیق ہے۔ اور وہ خدا کے کلمات کا مجموعہ ہے۔ پھر کیا یہ اس کا "قول" نہیں جس کے "فعل" کے اسرار و مقاصد کی تحقیق کی جارہی ہے؟ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ وَلَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ۔

Marfat.com

اُس نے

لیلۃ القدر

عالمِ تقدیر خاموش نہیں ہے وہ ایک امام ناطق ہے، اُس نے مجموعی طور پر تمام عالم کی قسمت کا فیصلہ ازل ہی میں کر دیا تھا، لیکن اشخاص و اقوام کی تقدیر کا فیصلہ ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔

کارکنانِ قضا و قدر بہت سی قوموں کی قسمت کا فیصلہ کر چکے تھے، مگر ایک بادیہ نشین قوم پہاڑوں کے دامن میں دبی پڑی تھی۔ انہی پہاڑوں کے غار سے آتشیں شریعت کا ایک شرارہ اڑا، اور دفعتہً خرمنِ جہل و ضلالت پر برقِ خاطف بن کر گرا، اس مردہ قوم کی سوئی ہوئی تقدیر نے مدت کے بعد ایک خاص رات میں کروٹ بدلی، اس لئے اس رات کو لیلۃ القدر کہا گیا، کیونکہ اسی رات میں اُس کے کارنامۂ اعمال کو قرآن کے ذریعہ سے معین و مقدر کر دیا گیا تھا۔

اِنَّا اَنزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ — ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل کیا[1]

لَیْلَةُ الْقَدْرِ: قیل لیلۃ الشرف والفضل وقیل لیلۃ التدبیر والتقدیر وھو

---

[1] یہاں فرمایا کہ قرآن کریم لیلۃ القدر میں اترا اور سورۂ بقرہ میں فرمایا کہ رمضان میں شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ پس اس سے ثابت ہوا کہ لیلۃ القدر سے رمضان ہی کی رات مراد ہے، نزول قرآن سے مقصود ہے کہ نزول کا آغاز لیلۃ القدر اور رمضان المبارک میں ہوا، ورنہ ظاہر ہے کہ پورا قرآن نجماً نجماً ۲۳ برس میں نازل ہوا ہے۔ "قرآن" اور "الکتاب" کا اطلاق جس طرح کل پر ہوتا ہے اسی طرح اسکے ایک جز پر بھی ہو سکتا ہے قرآن کے ہر ٹکڑے کو اللہ نے قرآن اور الکتاب کہا ہے۔

Marfat.com

اقرب (احکام القرآن لابن عربی)

عربی زبان میں متکلم کے لئے "انّی" و "انا" کی دو ضمیریں ہیں جو بہ ترتیب واحد متکلم و جمع متکلم کے لئے مستعمل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کی نشاۃ الاولیٰ کا موسس بنانا چاہا تو فرمایا۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ (۲-۲۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے معمولی صیغہ واحد متکلم کا استعمال کیا ہے کیونکہ اشیاء و امثال کا پیدا کرنا اس کی قدرت کاملہ کے نزدیک کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن بطون ارواح کی نشاۃ جدیدہ دنیا کے لئے مایۂ صد رحمت و برکت تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جب کسی پیغمبر کو اس نشاۃ حقیقیہ کا ذریعہ بنایا ہے تو اس موقع پر اپنے لئے ضمیر جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا ہے جو واحد کے لئے تعظیم و شرف کا پہلو رکھتا ہے، یہ تعظیم درحقیقت اس جدید روح سعادت و ہدایت کی اہمیت و عظمت کو نمایاں کرتی ہے جو دنیا میں ظہور پذیر ہونا چاہتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا کا قالب موزوں تیار کر دیا تھا لیکن وہ روح سے یعنی ترقی یافتہ دین الٰہی کی حقیقی روح سے خالی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ امانت دے کر دنیا کی طرف بھیجا جو ایک عظیم الشان روحانی انقلاب تھا، پس ضمیر تعظیمی سے اس کا اظہار کیا!

لیکن یہ روح امتداد زمانہ سے فرسودہ ہو گئی تھی بلکہ سچ یہ ہے کہ بالکل مردہ ہو گئی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ اس روح مردہ کو، اس گل پژمردہ کو، اس بخت خفتہ کو، پھر زندہ کیا، شگفتہ کیا، بیدار کیا، یہ ایک عظیم الشان انقلاب تھا، جس نے نقشۂ عالم کو یکسر پلٹ دیا تھا، پس ہمیشہ اس کی اہمیت بھی ضمیر تعظیمی کے پردے

Marfat.com

میں نمایاں کی گئی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ — ہمیں ہیں کہ ہم نے اپنے ذکر کو نازل کیا۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ — ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔

اسی کتاب ذوالخطر والبال کو خدا نے کوثر بھی کہا ہے کہ وہ مایۂ خیر کثیر ہے:

اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ — ہم نے تجھ کو کوثر یعنی قرآن عطا فرمایا

یہاں بھی قرآن کا ذکر متکلّم جمع تعظیمی سے کیا۔

اسی کے ذریعہ دین ابراہیمی زندہ ہؤا ہے، اسی لئے اس تیغ خیر کے عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی سب سے بڑی یادگار قربانی کے قائم کرنے کا حکم دیا:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ — تو اپنے خدا کی نماز پڑھ اور قربانی کر

اللہ تعالیٰ نے اسی دین کے ذریعہ ابراہیم علیہ السّلام کی یادگار اور ذکرِ عظیم کو قائم کیا۔

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا — اور ہم نے ان کے ذکرِ خیر کو رفعت و بلندی عطا کی۔

آنحضرت کا ذکرِ جمیل بھی اس کی برکت سے غلغلہ انداز عالم روح و ایمان ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اس لئے دونوں مقامات میں بھی جمع متکلّم کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

مذہب کی پاک رُوح مردہ ہوگئی تھی، لیکن اسی رات میں اعادۂ معدوم اور حیات بعد الممات ہؤا، وہ کتمِ عدم سے عالمِ شہود میں اتری۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ — اسی رات میں فرشتے اور رُوح اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔

فرشتے اور رُوح اس رات میں اترتے ہیں، مگر بتدریج پورے ایک مہینے میں اترتے ہیں کیونکہ دنیا کا دامن دفعۃً ان برکات و فضائل کے سمیٹنے کی وسعت نہیں رکھتا:

دامانِ نگاہ تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار — گلچینِ نگاہِ تو ز داماں گلہ دارد

Marfat.com

لیکن یہ ملائکہ کیا ہیں؟ اور اس روح کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے خود اسی آیت میں اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے، مِنۡ كُلِّ اَمۡرٍ سَلٰمٌ یعنی وہ ملائکہ اور رُوح امن اور سلامتی ہیں جو دنیا کو یکسر امنیت وسلامتی کی برکتوں سے معمور کر دیتے ہیں۔ یہ سکون، یہ اطمینانِ کامل، یہ سلامتی، یہ امن عام جو ہم پر آسمان سے اُترا صرف عرب کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ مشرق ومغرب دونوں کو محیط ہے، ہمارا آفتاب اگرچہ مغرب سے طلوع ہُوا تھا جو ہمارا قبلۂ ایمان ہے لیکن اس کی شعاعوں نے مشرق کے افق کو بھی روشن کر دیا، جہاں سے دنیا کا سُورج نکلتا ہے۔ اور جہاں سے صُبح کا ستارہ طلوع ہوتا ہے:

هِيَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ — وہ امن وامان کا پیغام صُبح کے طلوع ہونے کی جگہ تک یعنی مشرق تک پہنچ جائے گا۔

دُنیا نے اس وعدے کی صداقت کو دیکھ لیا، جب خدا کے پاک فرشتے یعنی قرآن نے مشرق ومغرب دونوں کو اپنے پروں کے نیچے چھپا لیا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّحِيۡط!

امن عام کا یہ پیغام کیا ہے؟ اور وُہ کیونکر مشرق ومغرب تک پہنچایا جائیگا؟ قرآنِ حکیم نے دوسری آیتوں کے ذریعہ اس نکتہ کو حل کر دیا ہے:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ۝ فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍۙ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ ۝ رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝ (۴۴-۳)

ہم نے قرآن کو ایک مبارک رات میں اتارا کیونکہ ہم دُنیا کو اس کی ضلالت کے نتائج سے ڈرانے والے تھے، تمام انتظامات الٰہیہ جو حکمت ومصلحتِ عالم پر مبنی ہیں اسی رات میں طے پاتے ہیں، ازاں جملہ قرآن کا نزول جو اس رات میں شروع ہُوا، نیز ہمیں اپنا رسول بھیجنا مقصود تھا جس کا ظہور اللہ کی رحمت کا نزول ہے۔

اب ان دونوں سورتوں کے تطابق وتشاکل پر غور کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ [illegible]

Marfat.com

قدر میں فرمایا - اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ اور یہاں فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ اس لئے یہ دونوں راتیں ایک ہی ہیں، وہاں فرمایا تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ اور فرمایا فِیْهَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اس بنا پر "امر سلام" اور یہ "امر حکیم" جس کی تنزیل و تقسیم لیلۃ القدر میں خدا کے حکم سے کی گئی ہے دونوں ایک ہی چیزیں ہیں،

لیکن سوال یہ ہے کہ خود وہ امر سلام اور امر حکیم کیا چیز ہے؟ دوسری آیتوں نے اس کی ہی تفسیر کر دی ہے:

الٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ۝ اَکَانَ	یہ قرآن حکیم کی آیتیں ہیں - پھر کیا لوگوں کو
لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ	تعجب ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک آدمی
مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ	پر وحی کی تاکہ وہ لوگوں کو ڈرائے اور مومنوں کو
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ	اس بات کا مژدہ سنائے کہ خدا کے تخت کے
صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ	نیچے ان کا قدم جم گیا ہے۔

اس لئے "امر حکیم" اور یہ "امر سلام"، خود قرآن کریم ہے جو لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر میں قرآن حکیم کی چند خصوصیات کا اجمالی ذکر فرمایا تھا، لیکن اس آیت میں وہ خصوصیتیں بہ تفصیل بیان فرمائی ہیں

سورۂ قدر میں فرمایا تھا کہ "وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ تک پھیل جائیگا" یہ نہایت مجمل طرز خطاب تھا، سورہ دخان میں اس کی تفسیر بھی کر دی، فِیْهَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا یعنی قرآن حکیم کی آیتیں ہمارے حکم سے ایک پیغمبر پر تقسیم کی جاتی ہیں تاکہ دنیا کے سامنے ان آیتوں کو رکھے جائے اور ہر شخص کے آگے اس خوان کرم کو بچھا دے تاکہ ہر شخص اپنا حصہ لے، اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ لیکن دنیا غفلت کی نیند میں سو رہی تھی، اس لئے ابر رحمت پہلے گرجا تاکہ دنیا جاگ اٹھے، اس نے اپنی چادر غیب سے اس ہاتھ کو نکالا

Marfat.com

جس میں بجلی کا تازیانہ تھا:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ — او چادر اوڑھنے والے اٹھ اور ڈرا

پہلے اس کو گرجنے اور تڑپنے کی ضرورت تھی اس لئے وہ گرجا، چمکا، تڑپا إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۝ لیکن درحقیقت اس کا یہ وصف عارضی تھا، ورنہ رفق و ملاطفت اس کا مایۂ خمیر اور عنصرِ حقیقی ہے۔ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ اس لئے وہ روئی کے گالے سے بھی زیادہ نرم و سفید بادل کا ایک ٹکڑا تھا جو آبِ شیریں کا خزانہ اپنے ساتھ رکھتا تھا، اگرچہ ابتدا میں بجلی کی کڑک اس کا مظہر ورود ہوئی یہ انذار و وعید، یہ قہر و غضب اس قوم کی شامتِ اعمال کا نتیجہ تھی، ورنہ پیغمبر اپنی خدا کی طرف سے صرف بشارتِ رحمت اور لطف و کرم کا مجسمہ بنا کر بھیجا گیا تھا: إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ۔

لیکن خدا کی یہ رحمت صرف عرب کے ساتھ نہ تھی، بلکہ اس ابرِ کرم نے تمام شرق و مغرب کو جل تھل کر دیا، چنانچہ دوسری جگہ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ کی تفسیر کر دی:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ — ہم نے تجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا

"لیلۃ القدر" کو تمام راتوں پر صرف اس لئے فضیلت نہیں ہے کہ اس میں عبادات کا ثواب تمام راتوں سے زیادہ ملتا ہے، بلکہ اس بنا پر بھی کہ اس میں ہم کو ایک کتاب دی گئی اور ہم کو مشرق و مغرب میں اس کی منادی کرنے کا حکم دیا گیا، بادشاہوں کی منادی طبل و علم کے ساتھ کی جاتی ہے لیکن خدا کی منادی تہلیل و تکبیر کے ساتھ ہونی چاہئے، رمضان کے بعد عید کا حکم اس لئے دیا گیا تاکہ تہلیل و تکبیر کی مقدس صداؤں میں اسلام کے جاہ و جلال، نفوذ و قوت، اور وسعتِ اثر کا سماں دنیا کو نظر آجائے۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

پھر آہ تمہاری غفلت کیسی شدید اور تمہاری گمراہی کیسی ماتم انگیز ہے کہ تم لیلۃ القدر کو تو ڈھونڈتے ہو پر اس کو نہیں ڈھونڈتے جو لیلۃ القدر میں آیا اور جس کے ورود سے اس رات کی قدر و منزلت بڑھی اگر تم اسے پالو تو تمہارے لئے ہر رات لیلۃ القدر ہے: ہر شب شبِ قدر است اگر قدر بدانی۔

Marfat.com

جنگ کی تاریخ کا ایک صفحہ

Marfat.com

سقوطِ ادرنہ

۹-اپریل، ۱۶-اپریل ۱۹۱۳ء

قدیم ترین محاصرے اور مدافعت

۲۳-اپریل، ۳۰-اپریل، ۹-مئی ۱۹۱۳ء

Marfat.com

سقوطِ ادرنہ

اور

ایک دقیقۂ فکریہ

بالآخر ایڈریانوپل فتح ہوگیا اور واقعات و حوادث کے آگے انسانی سعی جیسی کہ ہمیشہ ناکام رہی ہے، اس معرکے میں بھی ناکام رہی، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

بہت سعی کیجے تو مر رہیے میرؔ

بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (۷۶ - ۳۰)

صبحِ تمنّا اور شامِ حسرت | اس امید آباد عالم میں ہر لمحہ اور ہر آن کتنی امیدیں ہیں جو پیدا ہوتی ہیں اور کتنے ولولے ہیں جو اٹھتے ہیں؟ پھر ان میں کتنے ہیں جن کے نصیب میں فیروزمندی و کامرانی ہے اور کتنے ہیں جن کے لئے حسرت و یاس کے سوا کچھ نہیں! بیکس انسان جو آرزوؤں کا بندہ اور حسرتوں کے خمیر کا پُتلا ہے، شاید صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ نصف عمر امیدوں کے

نوٹ۔ عربی میں کسی معمور شہر کے حصار ٹوٹ جانے کو سقوط کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں جو بالعموم انگریزی لفظ fall کا قائم مقام ہے، چونکہ اردو میں اور کوئی موزوں لفظ نہیں ہے اس لئے ہم نے اس معنی میں اس لفظ کو لکھنا شروع کر دیا۔ اگرچہ اردو میں سقوط بالکل مختلف معنوں میں بولا جاتا ہے۔

—

Marfat.com

پالنے میں صرف کردے اور بقیہ نصف نامرادی کے ماتم میں کاٹ دے۔

(یحییٰ برمکی) نے صحرا میں ایک اعرابی کو دیکھا تھا کہ میدان سے پتھروں کے ٹکڑوں کو جمع کرتا ہے، اور جب ایک ڈھیر جمع ہو جاتا ہے تو پھر ایک ایک ٹکڑے کو اٹھاتا ہے اور جہاں سے لایا تھا اسی طرف پھینکنے لگتا ہے۔ کیا انسانی ہستی کی پوری تاریخ اس مثال میں پوشیدہ نہ تھی؟ ہماری زندگیاں جن کے ہنگامۂ حیات سے کارگاہِ عالم میں شورشِ دکشمکش کے طوفان اٹھتے رہتے ہیں، غور کیجئے تو امید کے ایک تارِ عنکبوت اور حسرت کے ایک جلتے ہوئے تنکے سے زیادہ کیا ہستی رکھتی ہیں؟ ساری عمر دو ہی کاموں میں بسر کردیتے ہیں، یا صحرائے دجلہ کے اعرابی کی طرح صبحِ تمنا میں امیدوں کے سنگریزے جمع کرتے ہیں؛ یا پھر شامِ نامرادی میں جہاں سے لائے تھے وہیں پھینک دیتے ہیں، کہ ہمیشہ کے لئے مدفون ہو جائیں ؎

مثل یہ میری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

کارسازِ قدرت کی بھی کیا کرشمہ سازیاں ہیں! کچھ خاک امیدوں کی لی اور کچھ خاکستر حسرت کی، دونوں کی آمیزش سے ایک پُتلا بنایا، اور انسان نام رکھ کر اس ہنگامہ زارِ ارضی میں بھیج دیا۔ کبھی امید کی روشنی سے شگفتہ ہوتا ہے اور کبھی حسرت وافسوس کی خزاں میں امیدوں کے پژمردہ پتوں کو گنتا ہے۔ کبھی ہنستا ہے اور کبھی روتا ہے۔ کبھی رقصِ نشاط ہے اور کبھی سینۂ ماتم۔ ایک ہاتھ سے جمع کرتا ہے اور دوسرے سے کھوتا ہے ؎

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

پس اے ساکنانِ غفلت آبادِ ہستی و اے رہروانِ سفرِ مدہوشی و فراموشی! مجھے بتلاؤ کہ تمہاری ہستی کی حقیقت اگر یہ نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟ اور اے نیرنگ آرائے تماشاگاہِ عالم! کیا یہ ہنگامۂ حیات، یہ شورشِ زندگی، یہ رستخیزِ کشاکشِ ہستی تو نے صرف اتنے ہی کے

لئے بنائی ہے؟

کمند کوتہ و بازوئے سست و بام بلند
بمن حوالۂ نومیدیم گنہ گیرند

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا -

نہیں معلوم آغازِ عالم سے آج تک یہ سوال کتنے دلوں کے اضطراب و التہاب کا باعث ہُوا ہوگا؟ مگر سچ یہ ہے کہ اپنے کان ہی بہرے ہیں، ورنہ کائناتِ عالم کا ذرہ ذرہ اس سوال کا جواب نفی میں دے رہا ہے ؎

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ مُعْرِضُونَ (۱۲-۱۰۶)

یہ سچ ہے کہ مصائب و ناکامی کا ہجوم انسان کے دل میں ایسے خیالات پیدا کر دیتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس صنعت گاہِ عالم کا یہ ساز و سامان صرف اتنے ہی کے لئے نہیں ہو سکتا - وہ عالمِ انسانیتِ کبریٰ، جو تاجِ خلافت الٰہی سر پر اور خلعتِ کرامت (وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ) اپنے دوشِ عظمت پر رکھتا ہے کیونکر ممکن ہے کہ صرف امیدوں کے پالنے اور پھر ان کی موت و احتضار کا تماشہ دیکھنے ہی کے لئے بنایا گیا ہو؟ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ	جو ارباب فکر و حکمت اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں ذکر
قُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ	کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کے ملکوت و آثار قدرت
فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ	پر تفکر و تدبر کی نظر ڈالتے ہیں ان کی زبانوں سے تو یہ عالم
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا	صنعت دیکھ کر بے اختیار صدا نکل جاتی ہے کہ خدایا
سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ (۳-۱۸۹)	یہ تمام کارگاہِ صنعت تو نے بیکار و عبث پیدا نہیں کی ہے

Marfat.com

بہار وخزاں اور امید وبیم | اس میں تو شک نہیں کہ جس قدر کاوش سے غور کیجئے گا، جذباتِ انسانی کی تحلیل وتفرید کے آخری عناصر یہی دو چیزیں امید اور حسرت نظر آئیں گی وہ جو کچھ کرتا ہے یا آئندہ کی امید ہے اور یا رفتہ پر حسرت، البتہ یہ ضرور ہے کہ امید ویاس کی تقسیم کو صرف افراد واشخاص میں محدود نہ کیجئے، بلکہ اس میں در اصل قوموں اور ملکوں کی تاریخ پوشیدہ ہے۔ باغ وچمن میں بہار وخزاں دو موسم ہیں جو یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور اپنی اپنی آمد کے متضاد ومخالف آثار چھوڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح امید وحسرت کو دو مختلف موسم تصور کیجئے جو قوموں اور ملکوں پر بھی آتے ہیں، اور وہ نامرادی وکامرانی کی تقسیم ہے جو اپنے اپنے وقتوں پر قوموں میں ہو جاتی ہے۔ بعض قومیں ہیں جن کے حصے میں امید کی بہار آئی ہے۔ اور بعض ہیں جو اب صرف یاس وحسرت کے خزاں ہی کے لئے رہ گئے ہیں۔ موسم بہار زندگی وشگفتگی کا موسم ہوتا ہے اور انسان کی رگوں کے اندر دوڑنے والے خون سے لیکر درختوں کی شاخوں اور ٹہنیوں تک ہر چیز میں جوشِ حیات اور ولولۂ انبساط پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی حال ان قوموں کا ہوتا ہے جو اپنے دورِ امید سے گزرتی ہیں۔ تمام دنیا ان کے لئے ایک بہشتِ امید بن جاتی ہے۔ اور اس کی ہر آواز ان کے کانوں کے لئے ایک ترانۂ امید کا کام دیتی ہے۔ وہ اپنے اندر دیکھتے ہیں تو دل کا ہر گوشہ امیدوں اور ولولوں کا آشیانہ نظر آتا ہے اور باہر نظر ڈالتے ہیں تو دنیا کا کوئی حصہ عروسِ امید کی مسکراہٹ سے خالی نہیں ہوتا۔ اس طلسم زارِ ہست ونیست میں انسان سے باہر نہ غم کا وجود ہے اور نہ خوشی کا۔ زندگی کی تمام کامیابیاں اور مسرتیں در اصل دل کی عشرت کامیوں سے ہیں۔ جب تک آپ کے دل کے طاقِ مخفی میں امید کا چراغ روشن ہے اس وقت تک دنیا بھی عیش ومسرت کی روشنی سے خالی نہیں۔ لیکن اگر بادِ صرصر نامرادی کا کوئی جھونکا وہاں تک پہنچ گیا تو پھر خواہ آفتاب نصف النہار پر درخشاں کیوں نہ ہو مگر یقین کیجئے کہ دنیا کا یہ تمام نظام منور آپ کے لئے ظلمت سرائے تاریک ہے۔

یہ وہ خوش نصیب قومیں ہیں کہ ان کے دل کے اندر امید کا چراغ روشن ہوتا ہے اس

لئے جہاں جاتے ہیں اقبال و کامرانی کی روشنی استقبال کرتی ہے چونکہ ان کے دل کے اندر سلطانِ امید فتحیاب ہوتا ہے۔ اس لئے زمین کے اُوپر بھی نامرادی و ناکامی کی صفوں پر فتحیاب ہوتے ہیں جس ہاتھ میں امید کا علم ہو پھر دنیا کی کوئی قوت اس ہاتھ کو زیر نہیں کر سکتی ان کی امید حسرت و آرزو نہیں ہوتی۔ جو محض ناکامی و نامرادی کے ماتم کے لئے ہے۔ بلکہ کامیابیوں کا ایک پیغام دعوت ہوتی ہے جو دل میں امید بن کر اور دل کے باہر عیش و مراد کی کامرانی و فیروزمندی کی صورت بن کر جلوہ آرا ہوتی ہے۔

لیکن اسی سطحِ ارضی کے اوپر جو امید کی کام بخشیوں سے خوش نصیب قوموں کے لئے عیش مراد کا ایک چمن زارِ نشاط ہے۔ وہ بدنصیب قومیں بھی بستی ہیں جن کے دامنِ حیات میں امید و یاس کی بخشش کے وقت امید کے پھولوں کی جگہ صرف ناامیدی کے کانٹے ہی آئے ہیں جو خزاں کے افسردہ و انسردہ کن موسم کی طرح دنیا میں صرف اس لئے زندہ رہتے ہیں کہ بہار گزشتہ پر ماتم کریں اور خزاں کے جھونکوں سے اپنے درختِ امید کی پت جھڑ دیکھ دیکھ کر آنسو بہائیں وہ دُنیا جو اَوروں کے لئے اپنی ہر صدا میں ایک پیغامِ امید رکھتی ہے اُن کے لئے سر ماتم کدۂ یاس بن جاتی ہے۔ دل جب مایُوس ہو تو دنیا کی ہر چیز میں مایوسی ہے۔ ان کے دلوں میں امید کا چراغ بجھ جاتا ہے تو دل کے باہر بھی کہیں روشنی نظر نہیں آتی۔ دنیا کے وسیع صحرا جن پر قدرت نے طرح طرح کی نباتاتی نعمتوں کا دسترخوان چن دیا ہے، وہ خوشنما اور عظیم الشان آبادیاں جن کو انسانی اجتماع اور مدنی محنتوں نے زمین پر عیش و نشاط کا بہشت بنا دیا ہے وہ عظیم الشان اور بے کنار سمندر جن کی حکمرانی کی طاقت حاصل کرنے کے بعد پھر خشکی کے ٹکڑوں پر حکمرانی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ غرض کہ اس زمین اور زمین پر نظر آنے والی تمام چیزیں اُن سے اس طرح منہ پھیر لیتی ہیں گویا وہ اس زمین کے فرزند ہی نہیں ہیں جب کہ بڑی بڑی آبادیاں قوموں اور جماعتوں کی فاتحانہ امنگوں کی جولانگاہ ہوتی ہیں تو ان بدنصیبوں کے لئے صحراؤں کے بھٹ اور غاروں میں بھی کوئی گوشۂ عافیت نہیں ہوتا۔ صحراؤں کی فضا ...

ہوا کی سنساہٹ، اور دریاؤں کی صدائے روانی، اَوروں کے لئے پیغام امید ہوتی ہے مگر ان کے کانوں میں اِن سب سے نامرادی وفنا کی صدائیں اُٹھ اُٹھ کر طعنہ زن ہوتی رہتی ہیں۔ دنیا میں اگر بہار وخزاں، امید ویاس، شادی وغم، نغمہ ونوحہ، خندہ وگریہ اور فنا وبقا دو ہی چیزیں ہیں جن کی زمین کے بسنے والوں میں بخشش ہوتی ہے۔ تو مختصر یُوں سمجھ لیجئے کہ پہلی قوموں کو بہار وامید اور شادی ونشاط کا حصّہ ملا ہے اور دوسروں کو یکسر یاس وخزاں، نوحہ وماتم اور گریہ وفغاں کا:

ما خانہ رمیدگانِ ظلمیم
پیغام خوش از دیار ما نیست

لیکن یہ حالات ونتائج کا ایک دَور ہے جو نوبت بہ نوبت دنیا کی تمام قوموں بلکہ کائنات کی ہر شئے پر طاری ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اسی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ — امید ویاس، شادی وغم، اور فتح وشکست کے یہ ایام ہیں جو نوبت بہ نوبت انسانوں پر گذرتے رہتے ہیں۔

دنیا میں کوئی شئے نہیں جس نے غم سے پہلے اپنی شادی کے دن بھی نہ دیکھے ہوں۔ اور باغ میں کونسا زندہ درخت ہے جس نے خزاں کے جھونکوں کے ساتھ کبھی نسیم بہار کی لذتیں بھی نہیں لُوٹی ہیں؟ دنیا عالم اسباب ہے اور یہاں کا ایک ذرہ بھی قانونِ فطریہ و سلسلۂ علل واسباب کی ماتحتی سے باہر نہیں۔ پس یہ انقلاب حالت بھی ایک قانونِ الٰہی اور ناموسِ فطری کے ماتحت ہے جس نے ہمیشہ اس عالم میں یکساں نتائج پیدا کئے ہیں اور ان میں تبدیلی ممکن نہیں

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا — اللہ کے بنائے ہوئے قانون میں تم کبھی تبدیلی نہ دیکھو گے۔

Marfat.com

باغ وچمن میں بہار وخزاں کا انقلاب ہو۔ دریاؤں میں مد وجزر کا آتار چڑھاؤ ہو۔ سمندروں میں سکون وہیجان کا تغیر ہو۔ افرادِ حیوانی کی حیات وممات اور شباب وکہولت کا ایاب وذہاب، افراد کی صحت وعلالت اور اقوام کا عروج وزوال یہ تمام حالتیں فی الحقیقت انہی قوانین الٰہیہ اور نوامیسِ فطریہ کے ماتحت ہیں جن کو فاطر السمٰوٰت والارض نے اس عالم کے نظام و قوام کے لئے روزِ اول ہی سے مقرر کر دیا ہے۔ پھر جن افراد واقوام نے ان قوانین کے مطابق راہِ امید اختیار کی ہے اُن کے لئے امید کی زندگی ہے اور جنہوں نے اس سے رُوگردانی کی ہے اُن کے لئے ناکامی ونامرادی کی مایوسی ہے۔ قانون جرم کی سزا دیتا ہے۔ پر مجرم کو جرم کرنے کے لئے مجبور نہیں کرتا۔ پس شکایت کارسازِ قدرت کی نہیں اپنی ہونی چاہئے۔ خدا نے امید کا دروازہ کسی پر بند نہیں کیا ہے اور زمین کی راحت کسی ایک قوم کو ورثے میں نہیں دے دی ہے۔ اُس نے پھول اور کانٹے دونوں پیدا کئے ہیں۔ اگر ایک بدبخت کانٹوں پر چلتا ہے۔ مگر پھولوں کو دامن میں جمع نہیں کرتا تو اسے اپنی محرومی پر رونا چاہئے۔ باغبان کا کیا قصور؟

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (۸ - ۳۰)

خدا کے انصاف سے بعید تھا کہ وہ کسی پر ظلم کرے۔ مگر افسوس کہ بداعمالیاں کر کے خود آپ انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔

دوسری جگہ فرمایا:-

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ (۸ - ۵۱)

یہ سب بربادیاں تم نے اپنے ہاتھوں مول لیں۔ ورنہ اللہ تو اپنے بندوں کے لئے کبھی ظالم نہیں۔

اُس نے دنیا کے آرام وراحت اور عیش وکامرانی کو انسان کے ماتحت نہیں۔ بلکہ انسانی اعمال کا محکوم بنایا ہے۔ اور جب تک کوئی قوم خود اپنے اعمال میں تبدیلی پیدا نہیں کر دیتی اُس پر زمین کی راحتوں کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔

Marfat.com

ماضی وحال یہ انقلابات قدرتی ہیں اور نہیں معلوم اس دنیا میں کتنے دور قوموں اور ملکوں پر اس کے گذر چکے ہیں؟ آج امید و کامیابی کے جس آفتاب سے غیروں کے ایوانِ اقبال روشن ہو رہے ہیں کبھی ہمارے سروں پر بھی چمک چکا ہے۔ اور جس بہار کے موسمِ عیش و نشاط سے ہمارے حریف گذر رہے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے باغ و چمن ہی میں اس کے جھونکے آیا کرتے تھے۔ اب کس سے کہئے کہ کہنے کا وقت ہی چلا گیا!

گذر چکی ہے یہ فصلِ بہار ہم پر بھی

ہم ہمیشہ سے ایسے نہیں ہیں، جیسے کہ اب نظر آرہے ہیں۔ زمانہ ہم سے ہمیشہ برگشتہ نہیں رہا۔ مدتوں امید کا ہم میں آشیانہ رہا ہے۔ بلکہ ہمارے سوا اس کا کہیں ٹھکانہ نہ تھا۔ اب دنیا میں ہمارے لئے ماتم و ناامیدی۔ دو ہی کام کرنے کے لئے باقی رہ گئے ہیں۔ لیکن زیادہ دن نہیں گذرے کہ ہماری زندگی کے لئے اِسی دنیا میں اور بھی بہت سے کام تھے۔

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ اور ہم نے ان قوموں کو اچھی اور بُری امید اور مایُوسی، فتح اور شکست دونوں حالتوں میں ڈال کر آزمایا کہ شاید یہ بداعمالیوں سے توبہ کریں اور راہِ حق اختیار کرلیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۲۶ - ۶۸) ، بیشک اس انقلابِ حالت میں عبرت و موعظت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ مگر ان میں اکثر لوگ ایمان و ایقان کی دولت سے محروم تھے۔

(۲)

ہجومِ یاس واختلالِ نظامِ امید

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ جو شخص مایوس ہو کر اللہ کی نسبت ایسا ظن بد رکھتا ہو کہ اب دنیا و آخرت میں خدا اس

بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ	کی مدد کرے ہی گا نہیں، تو پھر اس کو چاہیئے
فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ	کہ اوپر کی طرف ایک رسّی تانے، اور اس کا
مَا يَغِيْظُ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ	پھندا بنا کر اپنے گلے میں پھانسی لگالے
بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ	اور اس طرح زمین سے (جہاں اب وہ اپنے
يُّرِيْدُ ۝ (۲۲ - ۱۵)	لئے صرف مایوسی ہی سمجھتا ہے) اپنا تعلق

قطع کرے۔ پھر دیکھے کہ آیا اس تدبیر سے اس کی وہ شکایت جس کی وجہ سے وہ مایوس ہو رہا تھا دُور ہوگئی ہے یا نہیں۔

اسی طرح ہم نے قرآنِ کریم میں ہدایت و فلاح کی روشن دلیلیں اتاری ہیں۔ تاکہ تم اُن پر غور کرو، اور اللہ جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت بخشتا ہے۔

ایک ہم ہیں کہ ہُوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہونگے

جنگِ بلقان یا جنگِ اسلام و فرنگ کی اگر تاریخ لکھی جائیگی تو اس میں شاید سب سے زیادہ موثر اور درد انگیز باب مسلمانانِ عالم کے اضطراب و بیم کا ہوگا۔ یہ سچ ہے کہ میدانِ جنگ میں صرف مجاہدین ترک تھے جن کی لاشیں دشمنوں کی گولیوں سے تڑپتی تھیں، لیکن دنیا میں کروڑوں قلوب بھی تھے جن کی لاشیں نہیں مگر پہلوؤں میں دل تڑپتے رہتے تھے

واقعات نے جلد جلد اپنے ورق اُلٹے۔ امیدوں کو عموماً شکست ہوئی اور توقعات میں بالعموم ناکامی۔ جنگ کے التوا کے بعد صلح کے مُہلک اور خانماں سوز شرائط سُن کر وہ مضطر تھے۔ مگر خود دار الخلافہ میں ایک جماعت آخری سعی و مجاہدہ کے لئے اُٹھ کھڑی ہُوئی۔ ورود بار اجرائے جنگ نے پھر ایک شعاعِ امید دکھلائی۔ حالات گو بدستور تھے، نئی وزارت آئندہ کے لئے باوجود بے سروسامانی کچھ نہ کچھ سامان کرسکتی تھی۔ مگر جنگ کے گذشتہ ایام میں اس کے پیشرو جو کچھ کر چکے تھے، اس کی تلافی محال تھی۔ وہ محصور مقامات کو رسد نہیں پہنچا سکتی تھی اور

محصور قلعوں میں نئی فوج بھی نہیں بھیج سکتی تھی۔ بایں ہمہ مالی مشکلات کا انتظام کیا گیا اور دو ماہ تک اس جنگ کو جاری رکھا جس کو ایک ہفتہ اور جاری رکھنے کی قوت بھی تسلیم نہیں کی جاتی تھی۔

اس عرصے میں امید تھی کہ حالات میں اور تغیرات ہونگے اور اڈریانوپل کے محاصرے میں دشمن کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اسباب و بواعث کی بحث کا یہ موقعہ نہیں نتیجہ یہ نکلا کہ حالات کے عین مطابق مگر ہماری امیدوں اور آرزوؤں کے خلاف اڈریانوپل بھی مفتوح ہو گیا اور بظاہر ہر شخص نے محسوس کیا کہ آخری رشتۂ امید جو باقی رہ گیا تھا اُس نے بھی بے وفائی کی۔

میں دیکھتا ہوں کہ اڈریانوپل کے سقوط کی خبر نے ابنائے ملت کی ہمتوں کو پست کر دیا ہے۔ لوگ عموماً نا امید ہو گئے ہیں اور اکثروں کے دل بیٹھ گئے ہیں۔ یاس و اضطراب کا لشکر جب آتا ہے تو اس کا پہلا حملہ عقل و دماغ پر ہوتا ہے۔ لوگ حیران ہیں کہ اب کیا کریں؟ اور مایوس ہیں کہ اب کچھ نہیں کر سکتے۔ مرحوم غالب نے اسی عالم کی تصویر کھینچی ہے

فرصت ز دست رفتہ و حسرت فشردہ پائے
کار از دوا گذشتہ و افسوں نکردہ کس

حسنِ مصائب رحمت الٰہی ہے | مصیبت کا احساس غم و ماتم کی صورت میں جس قدر شدید ہو بہتر ہے کیونکہ زخم کی تکلیف جتنی سخت ہوتی ہے اتنی ہی مرہم کے بنانے میں بھی جلدی کی جاتی ہے۔ اور قدرت الٰہی کی نیرنگیوں نے اکثر ایسا دکھلایا ہے کہ یاس و نا امیدی جب حد انتہا کو پہنچ گئی ہے تو اس کی زمین میں امید کی از سرِ نو تخم ریزی ہوئی ہے۔

پس موجودہ مصائب کا حس جس قدر درد انگیز ہو اس کو فال نیک سمجھنا چاہئے۔ اور در اصل سچ پوچھئے تو ہماری زبانوں کے آہ و فغان کو دیکھتے ہوئے جس درجہ درد و الم دلوں میں ہونا چاہئے تھا افسوس ہے کہ نہیں ہے۔ ہم میں کتنے ہیں جنہوں نے چند لمحوں کے

Marfat.com

اضطراب و تشویش سے زیادہ اپنی زندگی اس غم میں تلخ کی ہے؟ اور پھر کتنے ہیں۔ جن کے حلق سے ایک وقت کا کھانا بھی کس بے چینی کے بعد اترا ہے؟

میں سفر میں تھا جب سقوط ادرنہ کی خبر آئی۔ مجھے اس کے بعد متعدد مقامات میں جانے کا اتفاق ہُوا۔ اور میں نے مسلمانوں کے مختلف طبقات و درجات کی بہت سی آبادیاں دیکھیں۔ میں نے دیکھا کہ جو گذرنا تھا، گذر گیا لیکن ہماری غفلت و مدہوشی کے اعمال اور عیش جوئیوں اور راحت پسندیوں کے اشغال بدستور جاری ہیں۔ یہ کہتے ہُوئے خود اپنے تئیں ندامت اور تکلیف ہوتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ کہنا پڑتا ہے۔

تاہم یہ ضروری ہے کہ دلوں کی بے چینی میں شک نہیں اور ایک ٹیس جو پہلے نہ تھی، اب شاید لاکھوں پہلوؤں میں محسوس ہو رہی ہے۔ اگر ہزاروں ہیں جنہیں خواب غفلت سے مہلت نہیں تو ان کی تعداد بھی کم نہیں جو گو اب تک بستروں پر لیٹے ہیں۔ مگر اضطراب کی کروٹیں بھی بدل رہے ہیں۔ اور یہ یقیناً کارفرمائے قدرت کی سب سے بڑی توفیق بخشی ہے اگر موسم کے بدلنے کا وقت آگیا ہے تو اتنے آثار بھی کم نہیں۔ ہم نے بڑے بڑے آتشکدوں اور تنوروں کو دیکھا ہے کہ اُن کے اندر سے آگ کے مہیب شعلے اُٹھ رہے تھے۔ حالانکہ چند گھنٹے پیشتر اُن کی تہ میں چند بجھتی ہوئی چنگاریوں کے سوا کچھ نہ تھا مگر جب انہیں باد تند و تیز کے چند جھونکے میسر آگئے تو چشم زدن میں دہکتے ہُوئے انگاروں اور اچھلتے ہُوئے شعلوں سے تنور بھر گیا۔ پھر کیا عجب ہے کہ سوز و تپش کی جو چنگاریاں اس وقت دلوں میں بجھتی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ توفیق الٰہی کی باد شعلہ افروزانہی سے اس آتش کدۂ حیات سے گرم کر دے، جو افسوس ہے کہ روز بروز خاکستر سے بھرتا جاتا ہے:

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝	یہ امید اس لئے ہے کہ قدرت الٰہی کی نیرنگیوں سے ایسا ہونا کچھ بعید نہیں۔ وہ رات کی ظلمت سے دن کی روشنی کو اور

Marfat.com

دن سے رات کو پیدا کرتا ہے اور ہماری تمام امیدوں کو دیکھتا اور دعاؤں کو سنتا ہے۔

لیکن مایوسی پیغامِ موت ہے لیکن ساتھ ہی افسوس ہے کہ موجودہ حبسِ مصائب اور استیلائے غم و اندوہ کا رخ تنبہ و اعتبار کی طرف نہیں ہے۔ بلکہ عموماً مایوسی اور ناامیدی کی صورت میں ہے جس طرف دیکھتا ہوں سقوط ایڈریانوپل کے واقعہ پر یاس و قنوط کے جذبات کو احاطہ کئے ہوئے پاتا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب کیا باقی رہ گیا ہے جس کے لئے امید کی جائے؟ اور بدقسمتی نے کیا چھوڑا ہے جو ہمتوں میں مستعدی پیدا کرے؟ اب یا تو ماتم کی صفیں بچھا دیجئے یا سیلابِ بدبختی کی رو پر اپنے تئیں چھوڑ دیجئے کہ جب ڈوبنا ہی ہے تو ہاتھ پاؤں ہلانے سے کیا فائدہ؟

پھر کیا آخری سوالات کا وقت آگیا؟ بہتر ہے کہ اس بارے میں میری زبان پر صاف صاف سوالات ہوں، پھر کیا وقت آگیا ہے کہ ہم ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جائیں؟ کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ امید و یاس کی تقسیم میں اب ہمارے لئے صرف یاس ہی رہ گئی ہے اور تکمیلِ فنا میں جس قدر وقت باقی رہ گیا ہے اُس میں صرف رفتہ کا ماتم اور آئندہ کی ناامیدی، دو ہی کام کرنے کے لئے باقی رہ گئے ہیں؟ کیا یہ جو کچھ ہو رہا ہے ہماری زندگی کی آخری ساعات اور موت کے احتضار کی آخری حرکت ہے؟ کیا چراغ میں تیل ختم ہو گیا اور بجھنے کا وقت قریب ہے اور سب سے آخر یہ کہ اعداء اسلام اور اسلام کا آخری مقابلہ ہو چکا اور (یسوع) کی مصلوب و مُردہ لاش نے خدائے حی و قیوم پر فتح پالی؟

مَیں سمجھتا ہُوں کہ یہ سوالات مختلف شکلوں میں آج بہتوں کے سامنے ہونگے ممکن ہے کہ مایُوسی کا غلبہ میرے اعتقاد کو مغلوب کرلے اور اس لئے ممکن ہے کہ مَیں تسلیم کر لوں کہ ہمارے مٹنے کا وقت آگیا ہے۔ مگر مَیں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلم قلب جس میں ایک ذرہ برابر بھی نورِ اسلام باقی ہے۔ ایک منٹ ایک لمحہ اور ایک دقیقے اور ایک عشر دقیقے کے لئے بھی اس کو مان سکتا ہے کہ اسلام کے مٹنے کا وقت آگیا ہے

Marfat.com

انسانوں ہی نے ہمیشہ انسانوں کو مغلوب کیا ہے۔ اور نئی قوموں نے ہمیشہ پرانی قوموں کی جگہ لی ہے۔ اس کا حریف اس عالم میں دیو نہیں بلکہ انسان ہی ہے۔ پس یہ کوئی عجیب بات نہیں اگر ہم کو ہمارے سیزدہ صد سالہ دشمن آج مغلوب کر کے فنا کر دیں۔ مگر اے خدا کی رحمت کی توہین کرنے والو! میں یہ کیونکر مان لوں کہ ایک مصلوب لاش حی و قیوم خدائے ذوالجلال کو مغلوب کر سکتی ہے! اور مایوسی خواہ کتنی ہی ہو۔ مگر کیونکر تسلیم کر لوں کہ انسانی گروہ خدائے قادر و لازوال کی جبروت و کبریائی کو شکست دے سکتے ہیں؟

حیران ہوں کہ آج مسلمان مایوس ہو رہے ہیں، حالانکہ میں تو کفر مایوسی کے تخیل سے کانپ جاتا ہوں، کیونکہ یقین کرتا ہوں کہ مایوس ہونا اس خدائے ذوالجلال و الاکرام کی شان رحمت و ربوبیت کے لئے سب سے بڑا انسانی کفر اور اس کی جناب میں سب سے بڑی نسل آدم کی شوخ چشمی ہے جو ان بربادیوں اور شکستوں کے بعد مایوس ہو رہے ہو تو بتاؤ کہ تم نے خدائے اسلام کی قوت و رحمت کو کس پیمانے سے ناپا ہے۔ وہ کونسا کاہن ابلیس ہے جس نے خدا کے خزانہ رحمت کو دیکھ کر تمہیں بتلا دیا ہے کہ اب اس میں تمہارے لئے کچھ نہیں؟

اطلع الغیب ام اتخذ الرحمٰن عھدًا — آیا ان کو عالم غیب کی خبر ہو گئی ہے یا اس بارے میں انہوں نے خدا سے کوئی عہد کر لیا ہے؟

ام عندھم الغیب فھم یکتبون (۵۲ - ۴۲) — کیا ان کے پاس علم غیب ہے کہ جو واقعہ ہو وہ اسے بے کم و کاست لکھ دیں۔

پھر تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم مایوس ہو رہے ہو۔ اور کیوں تم نے خدا کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے؟ تم کہتے ہو کہ اب ہمارے لئے مایوسی کے سوا کچھ نہیں، حالانکہ ایک مسلم کے لئے تو ناامیدی سے بڑھ کر کوئی کفر نہیں ہے۔

Marfat.com

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ (۱۹ - ۹۲)

یہ تو تم نے ایسی بڑی سخت بات منہ سے نکالی ہے جس کی وجہ سے عجیب نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزے ریزے ہو کر زمین کے برابر ہو جائیں۔

امید و بیم

وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ ... اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ

خدا کی رحمت سے کافروں کے سوا اور کون مایوس ہو سکتا ہے۔

انسان شاید یاس و امید کے بارے میں کچھ فطرتاً عاجل ہے۔ اس کی فطرت سادہ، بچوں کی مثال سے واضح ہوتی ہے۔ بچوں کا قاعدہ ہے کہ ہر حالت کا اثر بغیر تفکر و تدبّر کے دفعتہً قبول کر لیتے ہیں۔ روتے ہوئے بچے کو مٹھائی کا ایک ٹکڑا پکڑا دیجئے تو ہنسنے لگتا ہے اور چھین لیجئے تو فوراً مچل جاتا ہے۔

بعینہٖ یہی حال عقل و فکر کے نشوونما کے بعد بھی انسان کا ہوتا ہے۔ البتہ تاثر و نتائجِ تاثر کی صورت بدل جاتی ہے۔ قرآن کریم نے اسی فطرتِ انسانی کی عجلت پسندی کی طرف اشارہ کیا ہے جب کہ کہا ہے کہ خلق الانسان من عجل۔ انسان کی فطرت میں جلد بازی اور تعجیل کار ہے۔

مصائب کے حس اور شادمانی کے غرور میں بھی دیکھئے تو اس کی یہی جلد بازی و زود اثری ہر موقعہ پر کام کرتی ہے۔ وہ کس قدر جلد غمگین ہو جاتا ہے اور پھر ایک روتے ہوئے بچے کی طرح جس کے ہاتھ میں مٹھائی کا ٹکڑا دے دیا گیا ہو کس قدر جلد خوش ہو جاتا ہے اس کی مایوسی اور امیدواری دونوں کا یہ حال ہے۔ جب کبھی وہ اپنی کسی توقع میں ناکامی دیکھتا ہے تو فوراً مایوس ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ اور پھر جب کبھی کوئی کامیابی کی خبر سن لیتا ہے۔ تو امید و مسرت کے ضبط سے عاجز ہو کر اچھل پڑتا ہے۔ حالانکہ نہ تو اس کو ان

اسباب کی خبر ہے جو غم و نامرادی کے پیچھے ظاہر ہونے والے ہیں اور نہ ان عواقب و نتائج کی خبر ہے جو بشارتِ امید کے بعد پیش آنے والے ہیں۔ اس کی خدا پرستی بھی اس جلد باز آشیاں یاس وبیم سے شکست کھا جاتی ہے۔ اگر کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے تو سمجھتا ہے کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ اور اگر نتائج حالات اور مشیت الٰہی کسی ابتلا و مصیبت میں ڈال دیتی ہے تو دیوانہ وار مایوس ہو جاتا ہے۔ کہ خدا نے مجھ کو چھوڑ دیا۔ سورۃ والفجر میں اسی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور تمہارے اندر وہ کونسی شے ہے جس کی طرف قرآن نے اشارہ نہیں کیا؟

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ	انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا پروردگار
رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ	اس کے ایمان کو اس طرح آزماتا ہے کہ اس
رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۭ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ	کو دنیا کی عزت اور نعمت عطا فرماتا ہے تو
فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ڏ فَيَقُوْلُ	وہ فوراً خوش ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا
رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۚ (۸۹ - ۱۵)	پروردگار میرا اعزاز و اکرام کرتا ہے اور جب

اُس کے ایمان کو کسی آزمائش میں ڈال کر اس طرح آزماتا ہے کہ اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے (یعنی مصیبت میں ڈال دیتا ہے) تو پھر فوراً مایوس ہو کر کہنے لگتا ہے کہ میرا پروردگار تو مجھے ذلیل کر رہا ہے اور میرا کچھ خیال نہیں کرتا

مہلک ترین ضلالت انسانی | منجملہ اس حالت کے سب سے زیادہ خطرناک گمراہی انسان کی وہ مایوسی ہے۔ جو مصائب و آلام کا ہجوم دیکھ کر اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے اور اس طرح خود اپنے ہاتھوں اپنے مستقبل کے لئے نامرادی و ناکامی کی بنیاد رکھ دیتا ہے۔

مایوسی سے بڑھ کر کوئی شے انسانیت کے لئے قاتل و مہلک نہیں اور دنیا کی تمام کامرانیاں صرف امید کے قیام پر موقوف ہیں۔ یہ امید ہی ہے جس نے زمینوں پر قبضہ کیا ہے۔ پہاڑوں کے اندر سے راستہ پیدا کیا ہے۔ سمندر کی قہاری کو مغلوب کیا ہے

اور جب چاہا ہے اس میں اپنی سواری کے مرکب چلاتے ہیں۔ اور جب چاہا ہے اس کے کناروں کو میلوں اور فرسخوں تک خشک کر دیا ہے۔ پھر امید ہی ہے جس نے مردہ قلوب کو زندہ کیا ہے۔ بستر مرگ سے بیماروں کو اٹھایا ہے۔ ڈوبتوں کو کناروں تک پہنچایا ہے۔ بچوں کو جوانوں کی تیزی سے دوڑایا ہے اور بوڑھوں کو جوانوں سے زیادہ قوی و طاقتور بنا دیا ہے۔

جب کہ قوتیں جواب دے دیتی ہیں، جب کہ زمانہ منہ پھیر لیتا ہے، جب کہ زمین کے کسی گوشے سے صدائے ہمت نہیں آتی اور جب کہ تمام اعضائے عمل جواب دے دیتے ہیں تو امید ہی کا فرشتہ ہوتا ہے جو مسکراتا ہوا آتا ہے۔ اپنے پروں کو کھولتا ہے اور اس کے سائے میں سے کر قوت و طاقت، ہمت و مستعدی، چستی و چالاکی کی ایک روح تازہ دل میں پیدا کر دیتا ہے۔

دنیا میں کامیابی اعمال کا نتیجہ ہے اور اعمال کے لئے پہلی چیز امید ہے جب تک انسان کے اندر امید قائم ہے مصیبتوں اور بلاؤں کے اگر عفریت بھی سامنے آکھڑے ہوں تو بھی اس کو شکست نہیں دے سکتے۔

اگر خون اور اس کا دوران انسان کی جسمانی حیات کے لئے ضروری ہے تو یقین کیجئے کہ اخلاقی و ادبی حیات کے لئے امید اس کے اندر بمنزلہ روح کے ہے۔ جب تک اس کا دوران دل سے اٹھ کر (یا باصطلاح حال دماغ سے نکل کر) جسم کے تمام گوشوں میں حرارت عمل پیدا کر رہا ہے۔ اس کی قوت عمل زندہ، اس کے اعضائے کار متحرک، اور پلٹے مستعد تگاپو ہیں۔ لیکن جہاں یہ روح حیات دل سے نکلی پھر جسم انسانی کے لئے قبر کے سوا کہیں ٹھکانا نہیں۔

ایک شخص جب مایوس ہو گیا۔ جب اس نے یقین کر لیا کہ اب اس کے لئے دنیا میں کچھ نہیں۔ جب اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب خدا اسے کچھ نہ دے گا تو ظاہر ہے کہ اس کا دماغ کیوں سوچے، دل میں امنگ کیوں پیدا ہو؟ ہاتھ کیوں ہلے؟ پاؤں بڑھنے کے لئے کیوں متحرک ہوں۔

Marfat.com

قوموں کی زندگی کی بہت بڑی علامت یہ ہے کہ ان کا دل امید کا دائمی آشیانہ ہوتا ہے۔ اور خواہ ناکامی و مصائب کا کتنا ہی ہجوم ہو مگر امید کا طائر مقدس اُن کے دل کے گوشے سے نہیں اُڑتا۔ وہ دنیا کو ایک کارگاہِ عمل سمجھتے ہیں امید کہتی ہے کہ یہاں جو کچھ ہے صرف تمہارے ہی لئے ہے اگر آج تم اس پر قابض نہیں ہو تو غم نہیں کیونکہ عمل و جہد کے بعد کل کو وہ تمہارے ہی لئے ہونے والی ہے۔

مصیبتیں جس قدر آتی ہیں وہ اُن کو صبر و تحمل کی ڈھال پر رد کرتے ہیں اور غم و اندوہ سے اپنے دماغ کو معطل نہیں ہونے دیتے۔ بلکہ مصیبتوں کے دور کرنے اور اُن کی صفوں پر غالب آنے کی تدابیر پر غور کرتے ہیں۔ نامرادی ان کے دلوں کو مجروح کرتی ہے۔ پر مایوس نہیں کرتی۔ اور غم کے لشکر سے ہزیمت اُٹھاتے ہیں، پر بھاگتے نہیں۔

دنیا ایک میدانِ کارزار ہے اور جس چیز کو تم عمل کہتے ہو در اصل یہ ایک حریفانہ کشمکش اور مقابلہ ہے۔ پس جس طرح جنگ میں بھڑنے والے سپاہیوں کو فتح و شکست سے چارہ نہیں وہ کبھی زخمی کرتے ہیں اور کبھی خود زخمی ہوتے ہیں۔ اسی طرح دنیا میں بھی جو خلوق بستی ہے اُسے کامیابی و ناکامی اور فیروزمندی و نامرادی سے چارہ نہیں۔ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ ہماری ہی تلوار اور دشمن کی گردن ہو؟ کیوں نہ ہم اپنے سر و سینے میں بھی زخم کے نشان پائیں؟ بستر پر آرام کرنے والوں کو رونا چاہئے کہ پاؤں میں کانٹا چبھ گیا، لیکن سپاہی کو زخم پر زخم کھا کر بھی اُف نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس کی جگہ تو بستر نہیں بلکہ میدان جنگ ہے۔

شکست و زخم کا خوف ہے تو میدان جنگ میں قدم ہی نہ رکھو۔ اور تلووں کو بچانا چاہتے ہو تو تمہارے لئے بہتر جگہ پھولوں کی سیج ہے۔ چلو گے تو ٹھوکر کھاؤ گے اور لڑو گے تو زخم سے چارہ نہیں۔ پس اگر ٹھوکر لگی ہے تو آنکھیں کھولو اور بیٹھ کر رونے کی جگہ تیزی سے چلو۔ کیونکہ جتنی دیر بیٹھ کر تم نے اپنا گھٹنہ سہلایا اتنی دیر میں قافلہ اور دُور نکل گیا۔

پھر اگر دشمن کی کاٹ نے زخمی کیا ہے تو بھاگتے کیوں ہو؟ مایوسی خودکشی ہے اور

امید زندگی، اور زیادہ چابکدستی سے پیکار وجنگ کے لئے تیار ہوجاؤ۔ کیونکہ جب تک دوسروں کو زخمی کرتے تھے، زیادہ ہمت مطلوب نہ تھی لیکن زخم کھا کر تم نے معلوم کر لیا کہ دشمن توقع سے زیادہ قوی ہے اور اب پہلے سے زیادہ ہمت اور مستعدی مطلوب ہے۔

میں نے کہا کہ قومی زندگی کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ اس کا ہر فرد ایک پیکر امید ہوتا ہے اور اپنے دل کو امید کی جگہ سمجھتا ہے نہ کہ مایوسی کی، لیکن اتنا ہی نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ زندہ قوموں کے لئے مایوسی کے اسباب ہی میں امید کا پیغام ہوتا ہے اور مصیبتیں جتنی بڑھتی ہیں اتنی ہی وہ اپنی امید کو اور زیادہ محبت اور پیارے پاتے ہیں۔ مصیبتیں ان کو مایوس نہیں کرتیں بلکہ غفلت سے ہشیار کر دیتی ہیں اور عبرت وتنبہ کی صورت میں ان کے سامنے آتی ہیں۔ وہ مصائب کے سیلاب کو دیکھ کر بھاگتے نہیں بلکہ اس راہ کو ڈھونڈ کر بند کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں سے اس نے نکل کر بہنے کی راہ نکالی ہے۔

پس مصائب ان کے لئے رحمت ہوجاتے ہیں اور نامرادی ان کے لئے کامیابی کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ وہ جس قدر کھوتے ہیں اتنا ہی زیادہ پاتے ہیں۔ اور جس قدر گرتے ہیں اتنا ہی زیادہ مستعدی سے اٹھتے ہیں۔ وہی دنیا جو کل تک ان کے لئے نامرادیوں کا دوزخ تھی یکایک کامیابیوں کا بہشت بن جاتی ہے اور جس طرف دیکھتے ہیں تخت فتحیابی بچھے ہوئے اور انہار کامیابی بہتے ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہی بہشت امید ہے جس کے رہنے والوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ!

مُتَّكِئِينَ عَلَى الْأَرَائِكِ ۖ لَا	کامیابی وفیروزمندی کے تخت پر تکیے
يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا	لگائے بیٹھے رہنگے۔ غم اندوہ کی سوزش
زَمْهَرِيرًا ۚ	وتپش کا نہیں جس تک نہ ہوگا۔

کیونکہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔ پس دنیا بھی ان کو مایوس نہیں کرتی۔

Marfat.com

ہلاکتِ امید اور موت قنوط لیکن اسی طرح قومی زندگی کے ایّامِ ممات اور انسانی ارتقائے حیات کا سدِّ باب اُس دن سے شروع ہوتا ہے جس دن کاشانۂ دل سے امید کا جنازہ اُٹھتا اور مایوسی کا لشکر فنا امنڈ تا ہے۔ جس فرد یا جس قوم کو مصیبتوں اور ناکامیابیوں کے عالم میں مایوس دیکھو، یقین کرو کہ اس کا آخری دن آگیا۔ مصیبتیں تو اس لئے تھیں تاکہ غفلت کو شکست اور ہمّت کو تقویت ہو۔ لیکن جو لوگ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ دنیا کے اعمال و تدابیر کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہمارے لئے دنیا میں کچھ نہیں رہا وہ تو خود اپنے لئے زندگی کے بدلے موت کو پسند کرتے ہیں۔ پھر دنیا کی کامیابی، زندگی کو لڑ کر لینے والوں کے لئے ہے۔ مٹ جانے کے متلاشیوں کے لئے نہیں ہے۔

دیکھو! قرآن کریم نے کیسے جامع الفاظ میں ایسے لوگوں کی حالت اور ان کی مایوسی کے نتائج کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس نے کس چیز کی طرف اشارہ نہیں کیا، مگر افسوس کہ بہت کم لوگ ہیں جو اس کی صداؤں پر کان لگاتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ (۲۲ - ۱۱)	اور انسانوں میں بعض ایسے ہیں جو خدا کی پرستش تو کرتے ہیں مگر ان کے دل میں استقامت نہیں ہوتی۔ اگر ان کو کوئی فائدہ پہنچ گیا تو مطمئن ہو گئے اور اگر کبھی مصیبت آپڑی تو جدھر سے آئے تھے اُلٹے پاؤں اُدھر ہی کو لوٹ گئے (یعنی مایوس ہو کر ایمان سے ہاتھ اُٹھا لیا)۔ یہ

وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی، اور یہی سب سے بڑا اور بالکل صریح نقصان ہے۔

Marfat.com

فرمایا کہ "خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ" کیونکہ مایوسی کے بعد انسان کی قوتِ عمل
معطّل ہو جاتی ہے۔ پھر نہ وہ صرف دنیا ہی میں ناکام و نامراد رہتا ہے بلکہ عاقبت کی خوشحا
سے بھی اُسے ناامیدی ہی ملتی ہے۔

انسان کا فرض سعی و تدبیر ہے اور وہ جب تک اس دنیا کی سطح پر باقی ہے اس کو سعی
کوشش سے باز نہیں آنا چاہئے۔ ہمارا کوئی عزیز بیمار ہوتا ہے اور اس کی حالت صحت کی
طرف سے مایوس کر دیتی ہے۔ ڈاکٹر بھی جواب دے دیتے ہیں۔ تاہم سعی و علاج سے آخری سا
نزع تک باز نہیں آتے۔ جب افراد کے ساتھ ہمارا حال یہ ہے تو تعجب ہے کہ قوم و ملت کے
ساتھ نہ ہو؟ کس کو معلوم ہے کہ کب دروازہ رحمت کھلنے والا ہے اور کب بارش ہونے والی ہے
دہقان کا کام صرف یہ ہے کہ تخم پاشی کرتا رہے۔

چوں دمبدم عنایتِ توفیق ممکن ست
در تنگنائے نزع نہ کوشد کسے چرا؟

فتح و شکست کا اصلی میدان دل کے اندر ہے، نہ کہ دل کے باہر

یہاں تک جو کچھ میں نے لکھا وہ انسانی حالت کے
اعتبار سے تھا لیکن اب سوچنا چاہئے کہ بحیثیت
اسلام کے اس وقت ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

پھر میں نہیں سمجھتا کہ اگر موجودہ جنگ میں ہر طرف نتیجہ شکست ہی رہا اور مسلمانو
کو اپنے آخری دنوں میں ایک سب سے بڑی نقصان رساں شکست اُٹھانی پڑی تو
اس سے فرزندان اسلام مایوس کیوں ہو جائیں؟ اگر ایڈریانوپل چھ مہینے کی عدیم النظیر مدافعت
اور آخر کار محیر العقول مقابلہ و مقاتلہ کے بعد بالآخر قدرتی اسباب و حالات کی بنا پر مفتو
ہو گیا تو پھر چالیس کروڑ فرزندانِ اسلام کی حصن امید لشکر مایوسی سے کیوں مفتوح ہو
یہ سچ ہے کہ ہمارے دشمنوں نے میدانِ جنگ میں ہمیں شکستیں دیں لیکن ابھی وہ
امید کو تو شکست نہیں دے سکتے جو ہر مسلم دل کو اسلام کے خدائے قادر و قیوم

Marfat.com

...ونی چاہئے

ایک لاکھ سے زیادہ سروی و بلغاری لشکر توپوں کے دہانے کھول کر اگر اڈریانوپل ...مٹی کی دیواروں کو ڈھا دیتا ہے تو یہ کونسا دنیا کا نیا اور عجیب واقعہ ہے؟ اس میں اس ...م کے لئے کونسی شرم کی بات ہے جس نے سترہ ہزار فوج کے ساتھ ایک بے پناہ اور ...ٹی کی دیواروں سے بنے ہوئے مقام میں چھ ماہ تک مدافعت کی ہو؟ اس پر ہمیں ماتم ...شین ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہیں مان سکتے کہ بلغاری سرویوں ...نے ہماری جرأت و شہامت کو شکست دے دی۔ لیکن اے اس خاندانِ اسلام کے ماتم گسارو! ...س کے چالیس کروڑ فرزند اس وقت سطح ارضی پر چلتے پھرتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے کہ تمہارے دل ...ی مایوس ہو گئے ہیں اور تمہارے دل کے اندر خدائے ابراہیم و محمد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) ...نے جو چراغِ امید روشن کیا تھا وہ بھی بجھ گیا ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعی سروی ...بلغاروی مجاہدینِ صلیب نے تم کو شکست دے دی۔ اور تیرہ سو برس کے اندر دنیا کی ...ی بڑی طاقتیں اور انسانوں کے بڑے بڑے لشکر جس دشمن کو گرا نہ سکے تھے، آج واقعی ...قان کی چند ریاستوں کے اجماع نے اسے گرا دیا۔

ہاں، اگر یہ سچ ہے تو بیشک تمہاری اس لافنا زندگی کو جسے قیصرِ روم اور کسریٰ فارس ...ت سے بدل نہ سکا تھا، اس نے مجروح کر دیا ہے۔ تمہارے ان آہنی ...موں کو جنہیں یرموک ...ے میدان میں متمدن رومیوں کے لاکھوں تیروں کے نشانے زخمی نہ کر سکے تھے۔ یقیناً اس نے ...ک وخون میں تڑپا دیا ہے۔ اور تمہارے ان نشانہائے توحید اور علم ہائے دینِ الٰہی کو جسے ...د صلیبی حملوں کے لاکھوں نیزے بھی نہیں گرا سکے تھے۔ سچ یہ ہے کہ سرویا کے شورِ چرا ...ول نے آج پارہ پارہ کر کے گرا دیا ہے۔ پھر اس میں شک نہیں کہ تم مر گئے۔ تم جو کبھی نہیں ...سکتے تھے یقیناً مر گئے۔ تم کہ تمہاری رگوں کے اندر خدا کی روحِ جلال جاری و ساری تھی اور ...س کی نصرت و حمایت کے ملائکہ مسومین تمہارے آگے دوڑتے تھے یقیناً آج مر گئے پس جب

Marfat.com

قدر جلد تم کو ماتم کرنا ہے کرلو۔ اور جس قدر جلد اپنی قبر کھود سکتے ہو کھود لو، کیونکہ خدا کی رحمت اور دنیا کی زندگی صرف امید رکھنے والوں کے لئے ہے اور مایوسی کا نتیجہ موت کے سوا اور کچھ نہیں۔ خدا تم کو نہیں چھوڑتا پر تم اُسے چھوڑ رہے ہو۔ وہ تمہاری طرف دیکھتا لیکن تم نے ناامید ہو کر اُس کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ تم کو معلوم نہیں کہ یہی مایوسی ہے جس کو تمہارے خدا نے کفر کی خودکشی سے تعبیر کیا ہے!

وَمَنْ كَانَ يَظُنُّ أَن لَّن يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ۝ وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يُرِيدُ ۝ (۲۲-۱۵)

جو شخص مایوس ہو کر اللہ کی نسبت ایسا ظن بد رکھتا ہو کہ اب دنیا و آخرت میں خدا اُس کی مدد کرے ہی گا نہیں تو پھر اُس کو چاہئے کہ اوپر کی طرف ایک رسّی تانے اور اُس کا پھندا بنا کر اپنے گلے میں پھانسی لگالے۔ اور اس طرح زمین سے (جہاں اب وہ اپنے لئے صرف مایوسی ہی سمجھتا ہے) اپنا تعلق قطع کرلے۔ پھر دیکھے آیا اس تدبیر سے اُس کی وہ شکایت جس کی وجہ سے مایوس ہو رہا ہے دُور ہوگئی ہے یا نہیں؟ اسی طرح ہم نے قرآن کریم میں ہدایت و فلاح کی روشن دلیلیں اتاری ہیں تاکہ تم اس پر غور کرو، اور اللہ جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت بخشتا ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت دُرفشان ست | سب سے پہلے تو ہم مایوسی کے اس حصے ہی کو تسلیم نہیں کرسکتے کہ دولتِ عثمانیہ اور ترکوں کی طرف سے بالکل مایوس ہو جائیں اور سمجھ لیں کہ اس جنگ نے انہیں بالکل عضوِ معطّل کر دیا ہے، جو کچھ ہو چکا ہے ابھی اس کے بعد بھی سنبھلنے کے لئے کئی میدان باقی ہیں۔ اور اگر عبرت و تنبیہ کی یہ سزائیں بے اثر نہ رہیں اور بقیہ قوائے عاملہ کو ابھرنے اور کام کرنے کی توفیق مل جائے تو اب بھی یہ قوم جس کی شمشیر آٹھ سو

برس سے علم اسلامی کے لئے مدافعت کر رہی ہے پنپ سکتی ہے اور حالات فوراً متغیر ہو جا سکتے ہیں

دنیا میں ہمیشہ واقعات کا مطالعہ کرنے کے لئے دو طرح کی نظریں رہی ہیں۔ ایک امید کی اور دوسری مایوسی کی۔ حکمائے یونان کی نسبت سنا ہو گا کہ آثار و نتائج عالم پر بحث کرتے ہوئے ان میں دو مختلف مذاہب امید اور مایوسی کے تھے۔ پھر جس طرح کی نظر سے تم دنیا کو دیکھو گے وہ اسی رنگ میں نظر آئے گی۔ مایوسی کی نظر سے دیکھو تو اس کے دلائل بھی بے شمار ہیں اور امید کا مذہب اختیار کرو تو اس کے پہلو بھی مایوسی سے کم نہیں اسلام ہم کو ہمیشہ امید کی تلقین کرتا ہے۔ پس کیوں نہ ہم امید کے پہلوؤں ہی پر پہلے نظر ڈال لیں؟

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو در بیں حالات ترکوں کی طرف سے مایوس ہو جانے کی کوئی وجہ نہیں پاتا۔

اور پھر اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اب ترکوں کی قوت کا بالکل خاتمہ ہو گیا تو مجھ کو خدا کے لئے جواب دو کہ کیا تمہارے خدا کی قوت کا بھی خاتمہ ہو گیا؟ مان لو کہ ترکوں کی تلوار زنگ آلود ہو گئی تھی اور اب ٹوٹ کر اُن کے ہاتھوں سے گر گئی ہے لیکن کس کو معلوم ہے کہ ابھی خدا کے لازوال خزانۂ نصرت میں اور کتنی غیر مستعمل تلواریں پڑی ہیں جن کو وہ اپنے دین مبین اور کلمۂ محبوب کی حمایت کے لئے چمکا سکتا ہے۔ اسلام ایک قوت الٰہیہ ہے جس کی زندگی انسانوں اور قوموں سے وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ قوموں کی زندگی اس کی متابعت اور معیت سے وابستہ ہے۔ پھر قومیں گر سکتی ہیں اور انسانوں کے فانی جسم مٹ سکتے ہیں پر وہ نہیں مٹ سکتا، وہ اپنے خدائے لازوال کی غیر فانی قوت کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کیونکہ وہ صداقت ہے اور صداقت کب نہ تھی اور کب نہیں رہے گی۔

اسلام کا ظہور ترکوں کے ظہور کے ساتھ نہیں ہوا ہے بلکہ ترکوں نے اس کے دم سے

Marfat.com

اپنی ہستی کو برقرار رکھا ہے۔ کیا تیرہ سو برس پہلے جب حرا کے غاروں سے حق کی روشنی چمکی تو اس وقت ترکوں کا ہاتھ اس کا محافظ تھا؟ کیا بدر اور حنین کے میدانوں میں ترک تھے جن میں سے تین سو فاقہ مستوں نے تین ہزار جوانانِ عرب کو خاک و خون میں ملا دیا تھا؟ کیا یرموک اور قادسیہ کے معرکہ ہائے خونین میں وہ ترک ہی تھے جنہوں نے رومیوں اور ایرانیوں کی ہزاروں لاشوں سے صحرائے شام و مدائن کو بھر دیا تھا؟ وہ قوم جس نے تختِ کسریٰ کی ہزارہا سالہ عظمت کا خاتمہ کر دیا ترکوں کی تو نہ تھی۔ وہ جس نے سپہ سالار رُوم کے سامنے اپنے نیزے کو ریشمی قالین کے اندر سے زمین میں چبھو دیا تھا یقیناً کوئی ترک تو نہ تھا۔

پھر دمشق اور بغداد کے تخت پر کون تھا؟ اور کن کے گھوڑے تھے جنہوں نے بحر الکاہل کے مہلک طُوفانوں سے گذر کر جبل الطارق پر علمِ توحید بلند کر دیا تھا؟ ترکوں کو تختِ خلافت انسانی پر قدم رکھے کتنے دن گذرے ہیں؟ خدا کے لئے ان سوالوں کا جواب دو! ترکوں سے پہلے جس قوت نے ہمیشہ علمِ توحید کی حفاظت کی ہے۔ کیا وہ آج ترکوں کے بعد کسی دوسری قوم کو بھیج کر نہیں کر سکتی؟ نادانو! تم نے اگر اللہ کی بخشی ہوئی حکومت و عزت کو کھو دیا ہے تو غم نہیں، لیکن یہ کیا بدبختی ہے کہ اپنے دلوں اور دلوں کی رُوحِ امید کو بھی کھو رہے ہو۔

اس تیرہ سو برس کے اندر کتنی قومیں آئیں اور اپنی اپنی باری میں حفاظتِ اسلام کی خدمت انجام دے کر چلی گئیں۔ جب تک انہوں نے اسلام کا ساتھ دیا اور اپنے اعمال و اعتقادات میں اُس سے منہ نہیں موڑا۔ اس وقت تک وہ بھی اُن کے ساتھ رہا۔ لیکن جب انہوں نے اپنی صلاحیت و قابلیت کھو دی اور اس مقصد کو بھول گئے جس کی انجام دہی کے لئے زمین کی وراثت ان کو دی گئی تھی، تو ان کا دَورِ کارفرمائی ختم ہو گیا۔ اور اللہ نے اپنے دین کی حفاظت کی امانت کسی دُوسری جماعت کے سپرد کر دی سوہ

Marfat.com

اپنے کلمۂ مقدس کی حفاظت کے لئے ہمارا محتاج نہیں ہے، بلکہ ہم اپنی زندگی کے لئے اس کے دین مبین کی خدمت گذاری کے محتاج ہیں :

يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ (۳۵-۱۷)

اے لوگو! تم اللہ کے دروازۂ فضل و توفیق کے محتاج ہو۔ اور اللہ تو بے نیاز اور بے نیازی کی تمام صفتوں سے متصف ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم کو چھوڑ دے اور تمہاری جگہ اپنی دوسری مخلوقات لا بسائے اور ایسا کرنا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

دوسری جگہ سورۂ نساء میں ارشاد ہوا:

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ (۴-۱۳۳)

اور اگر تم اس کے آگے نہ جھکو گے تو وہ تمہارا کچھ محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے زیر حکم ہے اور وہ بے نیاز اور ہمہ صفت موصوف ہے۔ اگر وہ چاہے تو مغرور انسانو! تم سے اپنی زمین کو خالی کر دے اور اس کی جگہ دوسری قوموں کو لا بسائے۔ اور وہ ایسا کرنے کی پوری قوت رکھتا ہے۔

لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ

نومید مشو، کہ نا امیدی کفر است

Marfat.com

پھر یہ ممکن ہے کہ اس کائناتِ ارضی کا ہر مخلوق نا امید ہو جائے۔ یہ بھی محال نہیں کہ دنیا کی تمام قومیں اور تمام انسانی جماعتیں مایوسی کو اپنا قبلۂ مقصود بنالیں لیکن جن لوگوں کے دلوں کو اسلام کی امانت سپرد کی گئی ہے وہ تو کبھی مایُوس نہیں ہو سکتے۔ اسلام سرتاسر امید ہے وہ جب کبھی کسی انسان کا ہاتھ پکڑتا ہے تو پہلی چیز جو اسے دیتا ہے وہ امید ہی ہے۔ اس کی اصطلاح میں ایمان امید کا نام ہے اور مایوسی کفر کا مبدء ہے حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی تھی کہ:

لَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ۝ (۱۲-۸۸)

خدا کی روح رحمت سے مایوس نہ ہو اس کی رحمت سے کوئی مایُوس نہیں ہو سکتا، مگر وہی بدبخت قومیں جنہوں نے اپنے دلوں کو کفر کا آشیانہ بنا لیا ہے۔

اس کی پہلی آواز اپنے ہر پیرو کے لئے یہ ہے کہ "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ" وہ مایُوسی کو کسی حال میں جائز نہیں رکھتا اور کہتا ہے کہ "وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَتِہٖ اِلَّا الْکَافِرُوْنَ" دنیا میں مسلمان مایُوسی کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ صرف امید کے لئے ہیں اور جس دن اُس کے لئے نہ ہوں اُس دن وہ مسلم بھی نہیں۔ خدا نے مایُوس ہو جانے والوں کی نسبت فرمایا کہ اگر وہ مایُوس ہو گئے ہیں تو اُن کے رہنے کے لئے میری پیدا کی ہوئی دنیا موزوں نہیں "فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ فَلْیَقْطَعْ" ان کو چاہئے کہ رسّی کا پھندا گلے میں ڈال کر خودکشی کرلیں، کیونکہ مایُوسی کی دُوسری منزل خودکشی ہی ہے۔

لَا تَہِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔

Marfat.com

قدیم ترین محاصرے اور مدافعت

(۱)

دُنیا میں آغازِ جنگ کے ساتھ ہی محاصرہ اور محصورانہ مدافعت شروع ہو گئی تھی انسان نے جب پہلے پہل بادیہ نشینی کی زندگی سے ترقی کر کے شہری زندگی شروع کی ہو گی تو مختلف قوموں، نسلوں، جماعتوں اور خاندانوں کی باہمی جنگ جُوئی نے طاقتور کو محاصرے کی ترغیب دی ہو گی اور مغلوب و ضعیف محصُور ہو جانے پر مجبور ہو گیا ہو گا۔ سب سے زیادہ قدیم ترین محاصرہ محاصرۂ ازوت ہے جو لبسی مینک اعظم کی زیر قیادت کیا گیا تھا۔ یہ محاصرہ ۲۹ برس تک جاری رہا۔ مگر تفصیلی حالات ممکن نہیں۔

اس کے بعد سب سے زیادہ دنیا کا قدیمی محاصرہ طروادہ ہے جس کا افسانہ یُونان کے مشہور سحر طراز اور ابوالشعر ہومر نے الیڈ میں نظم کیا ہے۔ اور گو شاعرانہ افسانہ طرازی اور یونانی علم الاصنام کے خرافات کی آمیزش سے اس کے اصلی واقعات معلوم کرنا دشوار ہیں۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ وہ زمانۂ قدیم کی ایک بہت بڑی خونریزی اور تاریخ حرب کا ایک عظیم الشان جنگی محاصرہ تھا۔ یہ محاصرہ دس برس تک جاری رہا تھا اور اس کی نسبت جنگ و مقاتلات کے عجیب و غریب واقعات ہومر بیان کرتا ہے۔

اس ہولناک محاصرہ کے بعد قرون اولیٰ کے محاصروں کی تاریخ ایک حد تک تاریخی روشنی میں آجاتی ہے اور دنیا کے دو مشہور قدیم ترین محاصرے یروشلم (بیت المقدس) اور قرطاجنہ (کارتھیج)

Marfat.com

ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس وقت مختصراً انہی دو محاصروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

محاصرۂ بیت المقدس

۷۰ ویں عیسوی سن کا آغاز تھا کہ رُوم سے جنگ آزماؤں اور حملہ آوروں کا ایک سیلاب عظیم شام کی طرف امنڈا، اور شہنشاہ طیطس نے بنی اسرائیل کی ہزار ہا سالہ عظمت و جبروت کے مسکن، حضرت داؤد کے عظیم الشان ہیکل اور تخت گاہ سلیمان پر فوج کشی کر دی۔ اسرائیل کے گھرانے کی یہ وہ آخری بربادی تھی جس کی یسعیاہ نبی نے خبر دی تھی اور نسل اسحاق کی بداعمالیوں کی وہ سب سے آخری سزا تھی جس پر حزقیل نبی نے ماتم کیا تھا۔ اور خداوند نے کہا تھا۔ کہ اے اسرائیل کی بدکار عورت! تُو نے مجھے چھوڑ دیا۔ پس مَیں غیر قوموں کو بھیجوں گا جو تیری عظمت و ناموس کو ناپاک کریں گے۔

رُومی فوج کشی وہ آخری عذابِ الٰہی تھا جس کے بعد جلالِ خداوندی نے ہمیشہ کیلئے اولادِ اسرائیل سے اپنا رشتہ کاٹ لیا۔ اور سعیر کی روشنی نے فاران کی چوٹیوں کو اپنا مطلع و مبدء بنایا: فَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا (۱۷-۳)

محاصرے کا آغاز رُومی فوج نے شہر کے قریب پہنچ کر اپنا قاصد بھیجا اور باشندگان شہر سے کہا کہ شہر حوالہ کر دیں۔ مگر وہ بیت المقدس کے مستحکم حصار اور آہنی عمارات جنگ کی طرف سے مطمئن تھے انہوں نے تسلیم شہر سے (عربی میں حوالگی کے معنوں میں "تسلیم" کہتے ہیں، اور اس کو اردو میں رائج ہونا چاہئے) انکار کر دیا۔ اب رُومی فوج کے لئے محاصرہ ناگزیر تھا ۳۰ ہزار آہن پوش فوج نے چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

بیت المقدس اس وقت نہایت محفوظ تھا۔ یکے بعد دیگرے تین نہایت مستحکم شہر پناہیں تھیں اور ان کے باہمی فاصلے مدافعت کے آلاتِ و اسبابِ جنگ کے لئے نہایت مضبوط عمارتیں رکھتی تھیں۔ طیطس نے اپنی فوج کے چار حصے کر دیئے۔ تین حصے شمالی جانب پر

مامور کئے جو بیرونی شہر پناہ سے ایک میل کے فاصلے پر جم گئے - اور باقی ایک حصّہ جانب مشرق مقرر کیا جو مشہور مسیحی مقدس پہاڑ (کوہ زیتون) کے حوالی میں تھا۔

قدیم آلات جنگ رومی فوج کے ساتھ اس زمانے کے ترقی یافتہ آلات جنگ بیشمار تھے یعلی الخصوص طویل و وزنی گرز، سنگ بار منجنیقیں، آتش فشاں پہیہ دار منارے اور قدیم زمانے کا وہ عجیب و غریب آلۂ جنگ جس کے لئے عربی میں (کبش) کا لفظ مستعمل ہو گیا تھا۔

(گرز) قدیم قوموں کا سب سے بڑا آلۂ جنگ تھا جس کو رستم و سہراب کے کاندھوں پر شاہنامہ میں ہم نے ہمیشہ دیکھا ہے، لیکن رومیوں کے پاس ایک خاص طرح کا گرز ہوتا تھا جس کو محاصرے میں استعمال کیا کرتے تھے - یہ معمولی گرز سے بہت زیادہ لمبا اور اس کے ضرب کا لٹو بہت زیادہ وزنی ہوتا تھا - اور شہر پناہ کی دیواروں اور قلعہ کے دروازوں کے توڑنے میں کام آتا تھا۔

منجنیق ایک کثیر الاستعمال مشین تھی جس کے ذریعہ بڑے بڑے وزنی پتھر غنیم کے لشکر اور محصور شہر کے اندر پھینکے جاتے تھے - یہ (میکانک) کے یونانی اصل کا معرّب ہے اور علم الحیل (فن وضع آلات و مشینری) کی قدیم ترین ایجاد - عربوں نے بھی اپنی جنگوں میں اس سے کام لیا ہے - یہ گویا قدیم زمانے کی توپ تھی - پتھر کے بڑے بڑے گولے جب اس سے ہل کر اڑتے تھے تو ان کی ضرب دیواروں اور قلعوں پر نہایت سنگین پڑتی تھی۔

آتش فشاں منارے لکڑی کے بنائے جاتے تھے - اس کے نیچے پہیے لگے ہوتے تھے تاکہ گاڑی کی طرح نقل و حرکت ممکن ہو - اس کی کئی منزلیں ہوتی تھیں - ان میں بیٹھ کر حملہ آور محصورین کی طرف تیزی سے بڑھتے تھے - اور ان کے برجوں سے آتشین روغن کو شہر کی دیواروں اور عمارتوں پر پھینکتے تھے۔

کبش اس زمانے کا بہترین ہتھیار تھا - کچھ آدمی گاڑی کو کھینچتے تھے - اور کچھ حفاظت کرتے تھے - یہ گاڑی شہر پناہ سے بھڑا دی جاتی تھی اور اندر کی فوج محصورین کی تیر اندازی سے

Marfat.com

محفوظ رہ کر دیواروں میں نقب لگا دیتی تھی۔

عربوں نے اس کو کبش اس لئے کہا۔ کہ اس کے سامنے کے رخ پر ایک مینڈھے کا مصنوعی سر بنا کر لگا دیا جاتا تھا۔

شہر کی بیرونی شہر پناہ اور رومی لشکر کے شمالی حصّے کے مابین جو آباد قلعے تھے وہاں کے تمام درخت اکھڑوا ڈالے گئے تھے تاکہ فوجی نقل و حرکت میں مانع نہ ہوں۔

اطرافِ شہر کی سرسبزی کا اس وقت یہ حال تھا۔ کہ یہ تمام قطعات طرح طرح کے شاداب درختوں کی کثرت سے ایک جنت ارضی کا منظر معلوم ہوتے تھے۔ اور اس کثرت کے ساتھ تھے کہ صرف ان کی جڑوں کے کھودنے اور اکھاڑنے میں کامل چار دن رومی فوج نے صرف کئے۔

یہ شام کی سرزمین تھی جس کی نسبت قرآن کریم نے سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا "بٰرکنا حولہ" ہم نے بیت المقدس کے اطراف کو اپنی برکات سے مالا مال کر دیا تھا۔

اس کے بعد فوج شمال کی جانب بڑھی اور ایک ایسے مقام پر خیمہ زن ہوگئی جہاں سے بیرونی حصارِ شہر کا ایک گوشہ نظر آتا تھا۔ یہاں محاصرین نے چند برج تعمیر کئے۔ اور ان میں بیٹھ کر بیت المقدس پر سنگی گولے برسانا شروع کر دیئے۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَار یہ وہی بیت المقدس تھا جس کو خدائے ذوالجلال نے اپنی رحمت و برکت کا نشیمن بنایا تھا۔ ابراہیم کے گھرانے سے جو الٰہی وعدے وفا ہوئے تھے اُن کے ایفا کا پہلا گھر اسی میں تھا۔ بنی اسرائیل کی عظمت و جبروت کے سیلاب اسکی شہرپناہ سے نکلتے تھے اور دنیا کی بڑی بڑی عظیم الشان سرزمینوں کو مع ان کے بسنے والوں کے بہالے جاتے تھے۔ مگر انہوں نے اس پیمان و عہد کو توڑ دیا جو مصر کی غلامی سے نجات پانے کے بعد خداوند خدائے قدوس سے سینا کے پہاڑ پر باندھا تھا۔ جب وہ طرح طرح کی بداعمالیوں اور فسق و فساد میں مبتلا ہو گئے تو رحمت الٰہی اُن سے روٹھ گئی۔ اور اُس نے اپنی برکت کی جگہ اپنے قہر

وغضب کو بھیج دیا۔ خدا کا اس دنیا میں سب سے بڑا قہر یہ ہے کہ وہ کسی قوم سے حکومت و فرمانروائی کی عزت چھین لے اور غیر قوموں کی غلامی و محکومی کی زنجیریں اُس کے پاؤں میں ڈال دے۔ پس یہودیوں کے لئے بھی اب دنیا میں اس سزا کے سوا کچھ نہ تھا بخت نصر کی فوج کشی اور بابل کی قید کے بعد (عزیز) کی آہ و زاری نے ان کی سزا کی مہلت بڑھا دی تھی۔ پر انہوں نے اس فرصت سے بھی فائدہ نہ اٹھایا۔ اس لئے ضرور تھا کہ آخری غضبِ الٰہی کسی جابر قوم کے استیلا و تسلط کی صُورت میں ظاہر ہو۔

اور وہ جب کبھی کسی قوم سے روٹھتا ہے تو اس کی عادت ہے کہ اپنی کسی جابر مخلوق کو اس پر مسلط کر دیتا ہے پھر وہ اس کے تختِ حکومت کو الٹ دیتی ہے۔ غلامی و محکومی کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں ڈال دیتی ہے اور عزتِ ملی اور شرفِ قومی کی رُوح اس کے اندر سے کھینچ لیتی ہے۔

رومیوں کا یہ حملہ یہودیوں کے لئے راسی سلسلہ غضب الٰہی کی آخری سزا تھی جس کے بعد بنی اسرائیل کی عظمت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ (بخت نصر اور بابلیوں کا دور پہلا عذاب تھا اور یہ آخری۔ انہی دو عذابوں کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے:

وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ فِى ٱلْكِتَٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى ٱلْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولَىٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُو۟لِى بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا۟ خِلَٰلَ ٱلدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝ (۴-۱۷)

اور ہم نے بنی اسرائیل سے ان کی کتاب توراۃ میں صاف صاف کہہ دیا تھا کہ تم ضرور زمین پر دو مرتبہ فساد میں مبتلا ہو گے اور اپنی بداعمالیوں میں مغرور ہو کے نہایت سخت زیادتیاں کرو گے تو اے بنی اسرائیل کے لوگو! جب تم میں ظہور فساد و عدوان کا پہلا وقت آیا۔ تو ہم نے تمہارے مقابلے میں (بابل کے) ان لوگوں کو بھیج دیا جو نہایت

Marfat.com

جابر اور سخت گیر تھے وہ تمہاری بستیوں کے اندر پھیل گئے (اور وہ سب کچھ کیا جو اُن کو کرنا تھا) اور اللہ کے وعدے کو پُورا ہونا تھا۔ اور وہ پورا ہو کر رہا۔

یہ قوموں کے اعمال کے قُدرتی نتائج ہیں جس بیت المقدّس پر ملائکۂ الٰہی رحمت و برکت کے پھُول چڑھاتے تھے۔ آج حملہ آوروں کے برجوں سے اس پر پتھروں کے گولوں کی بارش ہو رہی ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

عروج و زوالِ امم کا یہ قانُونِ الٰہی ہے لو رلے کاش آج وہ پیروانِ اسلام جن کو خدا نے بنی اسرائیل کی اس عظمت و جبروت کا جانشین بنایا تھا، اور جو اس خلافتِ ارضی کے وارث ہوئے تھے جس کی اہلیت (داؤد اور سلیمان) کی نسل میں باقی نہیں رہی تھی۔ تاریخ کے ان نتائج قریبہ سے عبرت پکڑیں اور آنے والے وقت سے ڈریں۔

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ	اسی طرح اللہ گذشتہ قوموں اور ملکوں کی
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ	مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ شاید غافل قومیں عبرت پکڑیں۔

رُومی پیش قدمی یہودیوں کی حالت اس وقت نہایت افسوسناک تھی بابل کی قید اور عرصے کی غلامی نے پھر اسی سیرت اولیٰ پر پہنچا دیا تھا جس سے دریائے نیل کے کنارے حضرت موسےٰ نے انہیں نجات دلائی تھی۔

تاہم انہوں نے اس موقعہ پر اپنے تمام قویٰ کو جمع کیا۔ اور پُوری جانبازی سے مدافعت کا سامان کرنے لگے۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ رومیوں کے سے آلات جنگ اور اسلحۂ ہلاکت ان کے پاس نہ تھے اور سنگ باری کے برجوں عظیم الشان کشتوں اور آتشیں روغن کی بارش کا کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے۔

پھر ممکن تھا کہ وہ اس کا جواب دے سکتے۔ مگر قدرت الٰہی کے بھیجے ہوئے عذاب یا اپنے اعمال بد کے قدرتی نتائج کا ان کے پاس کیا جواب تھا۔

Marfat.com

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ — پس عذاب الٰہی نے انہیں جا پکڑا، اور وہ اپنے ظلموں کی وجہ سے اسی کے مستحق تھے

نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصے کے بعد بیرونِ شہر کی سرحد محاصرین نے فتح کر لی۔

اب رومیوں نے زیادہ شدت اور مستعدی سے قدم آگے بڑھائے اور کوہِ زیتون کی شرقی فوج نے اپنی منجنیقوں کا رُخ مقدس ہیکل کی طرف کر دیا۔ ساتھ ہی مشتعل روغن کی بارش بھی شروع کر دی۔ یہودی اب بہت مضطرب ہوئے کیونکہ منجنیقوں کے گولے اور مشتعل روغن کی پچکاریاں ہیکل کی دیواروں تک پہنچنے لگیں۔ بعض پرانی جنگوں میں انہیں چند منجنیقیں مل گئی تھیں وہ نکالی گئیں اور محصورین کی طرف سے بھی گولہ باری کا جواب دیا جانے لگا۔ لیکن ابھی اس انتظام کو زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ ایک اس سے بھی بڑھ کر مصیبت کی خبر ملی یعنی لوگوں نے دیکھا کہ شمالی شہر پناہ کے اندر جا بجا سوراخ ہو گئے ہیں۔ اس خبر کے پھیلتے ہی محصورین کے دل بیٹھ گئے۔ ہمتوں نے جواب دے دیا۔ بالآخر مایوس ہو کر پیچھے ہٹ آئے اور اس شہر کی پہلی شہر پناہ پر رومی قبضہ ہو گیا۔

اب دوسری شہر پناہ کے محاصرے کے لئے بُرج تیار ہونے لگے۔ اس عرصہ میں رومیوں نے بارہا باشندوں سے تسلیمِ شہر کی درخواست کی۔ سمجھایا کہ اس طرح اُن کی جانیں تہ تیغ ہونے سے بچ جائیں گی مگر یہودی قیدِ بابل کا تجربہ کر چکے تھے۔ انہوں نے ہر مرتبہ اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا اور بدستور محصور رہے۔

محصورین کی آخری سعی | اسلحہ کے باب میں یہودی رُومیوں سے بہت کمزور تھے۔ اس لئے رُو در رُو مقابلہ ناممکن تھا۔ اس کے علاوہ ایک شہر پناہ مسخر ہو چکی تھی اور اس سے قوم کی اخلاقی حالت میں بھی فرقِ عظیم پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے یہودیوں نے اس کے سوا چارہ نہ دیکھا۔ کہ کمزور مگر باتدبیر اقوام کے مشہور ہتھیار حیلہ طرازی سے کام لیا جائے۔

چنانچہ انہوں نے شہر پناہ کے اندر سے ایک عمیق سرنگ رُومی لشکر گاہ تک کھودی اور

اس کا نتیجہ معاً ظاہر ہو گیا۔ یعنی زمین کے مجوّف ہو جانے کی وجہ سے لشکر گاہ کے تمام بروج دفعتہً بیٹھ گئے۔ رومیوں کو اس سے واقعی سخت نقصان پہنچا۔ اور کئی دن کی متصل محنت کے بعد پھر دوبارہ بُرج تعمیر کئے گئے۔ تاہم جس ساز و سامان کے ساتھ وہ آئے تھے۔ اس پر ان نقصانات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ فوج محاصرہ کے لئے بدستور پڑی رہی۔

دُوسری شہر پناہ بھی یہودیوں کو چھوڑ دینی پڑی۔ اور رُومانی فوج فاتحانہ اس پر قابض ہو گئی۔ اب یہودی تیسری شہر پناہ میں محصُور تھے۔ اور یہ آخری حفاظت کا نشیمن تھا کیونکہ اس کے بعد چوتھی شہر پناہ تھی اسی کے اندر ہیکل اعظم اور تمام مقاماتِ مقدسہ تھے۔ اور اس کے مفتوح ہو جانے کے بعد بچنا دشوار تھا۔

انہوں نے اب کے پھر سرنگیں کھودیں اور اس محنت و جانفشانی کے ساتھ کہ چند دنوں کے بعد ہی تمام زمین کھوکھلی کر دی اور رُومی برجیاں اور عماراتِ محاصرہ پہلی مرتبہ سے زیادہ نقصان دہ طریقے پر منہدم ہو گئے۔ اس سے رومیوں کا غیض و غضب اور بھڑک اُٹھا اور جوشِ انتقام نے مجنون کر دیا۔ انہوں نے اپنی عظیم الشان منجنیقیں اور بڑے بڑے کبش لے کر آخری ہلّہ بول دیا۔ وہ برابر ہلاکت اور بربادی پھیلاتے ہُوئے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ آخری شہر پناہ میں بھی شگاف پڑ گئے۔

حزقیل نبی کی پیشین گوئی | اس سے بھی بڑھ کر مصیبت عظمیٰ یہ تھی کہ مشتعل روغن کی بارش نے مقدس ہیکل کی دیواروں تک پہنچنا شروع کر دیا تھا۔ بدبخت یہودیوں نے ہر چند کوشش کی۔ مگر اپنی ہزار سالہ عظمت کے گھر کو نہ بچا سکے۔ اصل یہ ہے کہ اب اسرائیل اور اسحٰق کا خدا بھی اُسے نہیں بچانا چاہتا تھا۔ اس کا بڑا حصّہ آتش زدگی سے برباد ہو گیا۔ اور گنبدوں اور میناروں میں سنگی گولوں سے سوراخ پڑ گئے (حزقیل نبی نے کہا تھا "میں ہیکل کے گنبدوں پر غیر قوموں کے لگائے ہوئے دھبّے دیکھ رہا ہُوں") بالآخر اس بدبخت اور خدا کی مغضُوب قوم کی آخری سزا کی تکمیل ہو گئی۔ اور عروج و زوال امم کے قانونِ الٰہی کے نفاذ کو کوئی انسانی سعی روک نہ سکی۔

رومیوں کے برجوں کی گولہ باری کا اب جواب ممکن نہ تھا۔

خاتمہ | ایک دن صبح کو یہودیوں نے دیکھا، کہ رُومی لشکر عظیم قتل وغارت اور نہیب و سلب کے ہتھیار ہاتھوں میں لئے آخری شہر پناہ سے اندر داخل ہو رہا ہے۔

فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا	پس وہ بستیوں اور آبادیوں میں پھیل گئے اور اللہ کے وعدے کو پُورا ہونا تھا - اور پُورا ہو کر رہا۔

(۱۷ - ۵)

پھر وہ سب کچھ ہُوا۔ جو اس کے بعد ہونا تھا۔ اس قتل و غارت کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو کئی دن تک اس مقدّس شہر میں جاری رہا؟ عورتوں اور بچوں تک کو خونخوار فاتحوں کی تلوار سے امان نہ تھی۔ عمارتیں جل رہی تھیں اور دیواریں زمین کے برابر ہو گئی تھیں جو بچ رہے تھے وہ قیدی بنائے گئے تھے اور جو لوگ بھاگ گئے انہوں نے پھر بنی اسرائیل کے رہا سالہ گھرانے کی نسبت کوئی اچھی خبر نہیں سنی!

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ	پھر انسانوں کی کتنی بستیاں ہیں کہ ہم نے انہیں ہلاک و برباد کر دیا۔ کیونکہ وہ نافرمان تھیں اور انہوں نے احکام الٰہی سے سرتابی کی تھی۔ پس وہ اس طرح اجڑ گئیں کہ ان کی بڑی بڑی عمارتوں کی دیواریں اپنی چھتوں پر گر پڑیں۔ ان کے لبریز کوئیں بے کار و معطل ہو گئے۔ اور پکی اینٹوں کے عظیم الشان بنائے ہوئے محل ویران نظر آنے لگے۔ پھر کیا دنیا کے غافل انسانوں نے زمین کی سیر و سیاحت نہیں کی ہے؟

Marfat.com

اور گذشتہ قوموں اور ملکوں کے ان انقلابات کو نہیں دیکھا ہے؟ اگر نظرِ عبرت سے دیکھتے تو ان کے پاس دل ہوتے جو انجام کار کو سمجھتے۔ اور کان ہوتے جو صدائے الٰہی کو سنتے۔ اصل یہ ہے کہ جب کسی قوم کے بُرے دن آتے ہیں تو لوگوں کی آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو ان کے سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں۔

(۲)

محاصرۂ قرطاجنہ

قرطاجنہ کی مختصر تاریخ حضرت مسیح کے ظہور سے ۱۴۰۰ سو برس پیشتر شام کے سواحلِ غربی پر ایک نئی ایشیائی سلطنت کی بنیاد پڑی تھی جو بحرِ ابیض اور جبلِ لبنان کے درمیانی شاداب اور خوش منظر حصے پر واقع تھی۔

کنعانی نسل کی ایک جماعت نے اس زمین کو اپنا مقر مملکت بنایا تھا۔ وہ تاریخ میں (فینیقیا) کے نام سے مشہور ہیں۔

فینیقیوں نے تھوڑے ہی دنوں کے اندر سمندر کے قرب سے کامل فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ انہوں نے بحری جنگ کی قوت پر سب سے زیادہ توجہ کی کشتیاں اور بڑے بڑے دخانی جہاز بنائے اور بحرِ ابیض و احمر اور بالطک و محیطِ اطلانٹک کے بڑے بڑے ساحلوں اور جزیروں میں اپنی نو آبادیاں قائم کر کے صنعت و تجارت تمدّن و علومِ قدیمہ میں اس درجہ ترقی کی کہ رومۃ الکبریٰ کی حکومتِ عظیمہ کو ان کے عظمت و اقتدار کا اعتراف کرنا پڑا۔

غالباً قدیم متمدن قوموں میں صرف فینیقی ہی ایک ایسی قوم گذری ہے جو مثل آجکل کی متمدّن قوموں کے جنگ و حکمرانی ہی کے ذریعہ نہیں۔ بلکہ تجارت و استعمار کی قوت سے ایک بہت بڑی مملکت کی مالک ہو گئی تھی۔

Marfat.com

ان کا دارالحکومت (صیدا) تھا۔ جو آج بھی ولایتِ شام کا ایک بارونق شہر ہے۔

سنہ ۸۳۰ء قبل مسیح میں (سور) کے بادشاہ نے طمعِ مال سے اپنے بہنوئی کو قتل کر دیا۔ کیونکہ اسکی نسبت مشہور تھا۔ کہ چند قیمتی خزانے اُس نے پوشیدہ جمع کر رکھے ہیں۔ اس کی بہن (دیدون) نے جب یہ حالت دیکھی تو مجبوراً (سور) سے نکل گئی۔ اور جس قدر ذخائر طلا و جواہر لے جا سکتی تھی اپنے ساتھ لے لئے۔ ملک میں ایک خاص گروہ اس کے زیر اثر تھا، اُس نے بھی ساتھ دیا۔ اور اس طرح ایک بڑی جماعت لے کر وہ (افریقہ) کے سواحل کا دورہ کرتی ہوئی اس حصے میں پہنچی، جو جزائر صقلیہ (سسلی) کے بالکل مقابل واقع ہے۔

یہ جگہ اُسے بہت پسند آئی۔ اُس نے زمین کا ایک وسیع ٹکڑا قیمت دے کر خرید لیا۔ وہاں ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی اور اپنے ساتھیوں کے علاوہ اور لوگوں کو بھی صیدا اور سور سے بلا کر وہاں آباد کرانا شروع کیا۔ سنہ ۸۲۰ء قبل مسیح میں اس کی تعمیر جب اتمام کو پہنچی تو (کارتھیج) یعنی نئے شہر کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی کا معرب (قرطاجنہ) یا (قرطاجہ) ہے جو عربوں کی زبان پر آ کر متغیر ہو گیا ہے۔

قبل از محاصرہ
تاریخ اجمالی

لیکن کچھ دنوں بعد جب قرطاجنہ کی شہرت پھیلی تو بادشاہ (گیبریس) نے جو افریقہ کے بعض ساحلی خطوں پر قابض تھا اس پر قبضہ کر لیا۔ اور دیدون کو مجبور کیا کہ اس کے ساتھ عقد کر لے۔ دیدون نے عقد تو کر لیا۔ لیکن اپنے پہلے شوہر کے سوگ میں قائم رہنے کا جو عہد کر چکی تھی اُسے نہ توڑا۔ اور عقد کے بعد جب گیبریس نے اس کی خوابگاہ میں آنا چاہا، اور مصر ہوا تو اُس نے اپنے کپڑوں میں آگ لگا دی۔ چند گھنٹوں کے بعد خاکستر کا ایک ڈھیر تھی

حاشیہ صفحہ ۹۴۔ نو آبادیوں کو عربی میں مستعمرات کہتے ہیں، نئے مقاموں پر آباد ہونے کو استعمار۔ اس لفظ کو اردو میں رائج ہونا چاہئے۔ نو آبادی بوجہ مرکب ہونے کے جمع و اضافت اور ترکیب کی حالت میں نہایت نامعقول ہو جاتا ہے مگر اکثر اخبارات میں دیکھتا ہوں کہ لوگ "نوآبادیا" لکھا کرتے ہیں۔ یہ ذوقِ سلیم سے کس قدر بعید ہے۔

Marfat.com

دیدوں کے بعد ایک ملکی حکومت وہاں قائم ہوگئی۔ سمندر کا کنارا ابتدا سے انسانی آبادیوں کے لئے ایک بہترین ذریعہ ترقی تمدن اور موثر ترین محرک تجارت و تبادل اشیا و صنائع رہا ہے۔ خوش قسمتی سے نئی آبادی کو سب سے بڑا وسیع ساحلی موقع ملا تھا۔ اس لئے تھوڑے ہی عرصے میں اُس کے تاجر اکنافِ عالم میں پھیل گئے۔ اور مدنی اور صناعی ترقیات نے ملک کو سرسبز اور متمول کر دیا۔

وہ اپنے ابتدائی دَور ہی میں بحرِ ابیض متوسط کا ایک سب سے بڑا تجارتی بندرگاہ اور بحری ایستگاہِ مراکب[1] تسلیم کیا جاتا ہے۔

رفتہ رفتہ قرطاجنہ نے ایک بہت بڑی جمہوری دولت کی صورت اختیار کر لی۔ افریقہ کے تمام ساحلی مقامات اور جزائر اس کے زیرِ حکومت آ گئے۔ سواحلِ مراکش، ٹیونس، الجزائر اور موجودہ زمانے کی تاریخ مدافعتِ حرب کا مشہور ترین خطہ یعنی (طرابس الغرب) یہ تمام افریقی شہر قرطاجنہ کے زیرِ نگین تھے۔ بحرِ ابیض کے اکثر جزیروں پر انہوں نے فوجکشیاں کیں اور بحری قوائے جنگ کے ساتھ حملہ کیا۔ مالٹا اور سارڈینیا پر اُن کی فتحیابی کے واقعات طول طویل ہیں۔

رُومیوں سے جنگ کا آغاز
جزیرہ صقلیہ (سسلی)

جزیرہ صقلیہ (سسلی) اس وقت رومانی دولت عظیم کے ماتحت تھا۔ حکومت قرطاجنہ اپنی بحری فتوحات کی رو میں صقلیہ کی طرف بھی بڑھی، کیونکہ یہ قرطاجنہ سے قریب ہے اور ایک نہایت مفیدِ تجارت اور خوش موسم جزیرہ تھا۔

اسی طامعانہ اقدام سے اہلِ قرطاجنہ اور رومی شہنشاہی میں جنگ و قتل کی

---

[1] موجودہ فارسی میں اسٹیشن کو ایستگاہ کہتے ہیں۔ یہ شاہ ناصرالدین کی ترکیب ہے۔ مگر عام طور پر رائج ہوگئی ہے۔ مراکب یعنی جہاز، پس جہازوں کے بحری قیام گاہ موقت کے لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ترکیب اچھی ہوگی۔ اردو میں اس کے لئے کوئی خاص لفظ نہیں ہے۔

بنیاد پڑ گئی۔ اہلِ قرطاجنہ کے تو لاشے جنگ بحری تھے۔ اس لئے شہنشاہِ روم نے ایک عظیم الشان اسطول (جنگی جہازوں کا بیڑا) تیار کرایا اور بحرِ ابیض متوسط میں قرطاجنہ کے بیڑے کو شکست دے کر اُن کے چند جزیروں پر قبضہ بھی کر لیا۔

اس کے بعد روم سے ایک بڑی فوج قرطاجنہ کی طرف روانہ کی گئی۔ مگر اس مرتبہ رومیوں کو شکست ہُوئی اور رومی سپہ سالار قید کر لیا گیا۔ لیکن اس کے بعد ہی مکرر سہ کرر نئی فوجی جمعیتیں بھیجی گئیں اور سمندروں میں بھی کشت و خون جاری رہا۔

یہ زمانہ دولتِ رومانی کی قوت و عظمت کا زمانہ تھا۔ اور اہلِ قرطاجنہ اس قدر فوج و سامانِ جنگ بھی نہ رکھتے تھے جس قدر رومۃ الکبریٰ اور اس کی نوآبادیوں میں ہر طرف پھیلا ہُوا تھا۔ انہوں نے صدیوں تک رومیوں کے مقابلے میں جنگ جاری رکھی لیکن بالآخر ۲۴۱ قبل مسیح میں انہیں شکست کے اعتراف کے ساتھ صلح کر لینی پڑی اور اقرار کرنا پڑا کہ وہ ایک سالانہ رقم بطور خراج کے ہمیشہ دولت رومانی کو ادا کرتے رہیں گے۔

ھنی بال

قائدِ قرطاجنہ و بطلِ مدافعت

قومی شرف و عزت ایک نہایت نازک آبگینہ ہے۔ وہ بہت جلد ٹوٹ جاسکتا ہے۔ اور ہوائے محکومیت کی ذراسی کثافت بھی اس کو دھبہ لگا دیتی ہے۔ جس قوم کی خودمختاری اور حریت کے شرف پر محکومی کا دھبہ لگ گیا۔ اور وہ اُسے نہ دھوسکی۔ تو پھر خواہ بظاہر اُس کے ہاتھ پاؤں آزاد ہوں اور اس کے خزانے زر و جواہر سے لبریز نظر آئیں، لیکن دنیا کی سرزمین پر اُس کے لئے عزت نہیں ہے۔ کیونکہ اُس کے شرف کا آبگینہ ٹوٹ گیا۔

یہ ایک عزت انسانیت کا سرِ عظیم ہے جس کو دنیا کی وہ قومیں نہیں سمجھ سکتیں جنہوں نے اپنا پرانا خوابِ عزت فراموش کر دیا ہے۔ اہلِ قرطاجنہ کو رومی حکومت کی شہنشاہی کا اپنے تئیں جزو نہیں قرار دیا تھا۔ انہوں نے ہر مرتبہ استقلال و استقامت سے مقابلہ کیا۔ صدیوں تک جانفروشی اور بے جگری سے بری اور بحری جنگ جاری رکھی اور اگر شکستیں کھائیں تو اپنے

Marfat.com

سے قوی تر دشمن کو بارہا شکستیں بھی دیں۔ تاہم بالآخر رُومی حکومت کے اقتدار کا انہیں خراج دے کر اعتراف کرنا پڑا۔ یہ گو رومیوں کی غلامی اور محکومی نہ تھی وہ اپنی حکومت اور ملک میں پُورے خود مختار تھے لیکن پھر بھی قومی آزادی کے شرف کے آلودہ ہونے کے لئے غیروں کا اتنا تسلّط بھی بہت تھا۔ ملکی شرف اور غیروں کا اقتدار ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتے۔ وہ محسُوس کرتے تھے کہ ہمارے شرف و عزت کو بٹہ لگ چکا ہے۔ گو ہمارے پاؤں میں بیڑیاں نہیں ہیں۔

مگر افسوس کہ آج دنیا میں وہ قومیں بھی بستی ہیں۔ جن کے پاؤں میں غیروں کی غلامی کی بوجھل بیڑیاں پڑی ہیں۔ اور ان کی اطاعت اور تعبد کی ذلت کا طوق گلے میں ہے لیکن ان کا حس ملی مر چکا ہے اور قومی شرف و احترام کے جذبے سے محروم ہو گئی ہیں۔ پھر وہ اپنی حالت پر قانع ہیں۔ حالانکہ ان کا خدا پسند نہیں کرتا، کہ وہ اس کے بخشے ہُوئے فطری حق عزت کو بھول کر غلامی کی ذلت پر قناعت کر بیٹھیں۔ کیونکہ اُس نے انسانوں کو صرف اپنی غلامی کے لئے بنایا ہے۔ انسانوں کی غلامی کے لئے نہیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا	فرض کرو کہ ایک غلام ہے جو خود اپنے
لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ	دماغ اور مرضی کا مالک نہیں، بلکہ دوسروں
رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ	کی ملک ہے اور کسی بات کا اختیار نہیں
يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ	رکھتا اس کے مقابلے میں ایک دوسرا
هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ	شخص ہے جو بالکل خود مختار اور اپنا آپ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ	مالک ہے اور ہم نے اس کو طرح طرح کی
(۱۶-۷۵)	نعمتیں بخش دی ہیں جن کو وہ ظاہر و

پوشیدہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے پھر بتلاؤ کیا دونوں شخص اپنی حالت کے لحاظ سے برابر ہو سکتے ہیں؟ کبھی نہیں لیکن افسوس کہ بہت سے لوگ ہیں جو اس فرق کو نہیں سمجھتے۔

اہلِ قرطاجنہ پر ایک قرن اسی حالت میں گذر گیا۔ وہ رومی تسلط سے سخت متنفر تھے لیکن چھ سو برس کی مسلسل جنگ وقتال کے بعد اب ہمتیں پست ہوگئی تھیں اور رومی قوت وجبروت کے مقابلے کی اپنے اندر طاقت نہیں پاتے تھے تاآنکہ ۲۳۲ قبل مسیح میں عصرِ قدیم کے مشہور ترین قومی مدافع اور تاریخِ حرب کے بطلِ عظیم یعنی (ہنی بال) کا قرطاجنہ میں ظہور ہوا۔

رومی حکومت اپنے زمانۂ عروج میں عظمت وجبروت، ہیبت واجلال اور جبر وتسلط میں موجودہ دولِ عظیمہ فرنگ سے بالکل مشابہ تھی۔ اس کی نوآبادیاں دریاؤں اور خشکیوں میں پھیل گئی تھیں۔ بڑی بڑی عظیم الشان قوموں اور نسلوں کو اس نے اپنی محکومی اور غلامی پر مجبور کر دیا تھا۔ اور پھر قتل وسلب، ظلم وعصیان اور ہلاکت وبربادی کے سوا محکوموں کو اس سے اور کچھ نہیں ملتا تھا لیکن ان کے تمام دورِ حیاتِ حکومت میں شاید کسی قوم اور کسی فرد نے اس عزم وثبات اور شجاعت وبسالت کے ساتھ اپنے ملک وقوم کی مدافعت نہ کی ہوگی جیسی اعصارِ سالفہ کے اس عظیم الشان نامور (ہنی بال) کی فطرتِ حربیہ سے ظہور میں آئی۔

رومیوں کی خصوصیت نہیں۔ سچ یہ ہے کہ اہلِ قرطاجنہ کی تاریخِ دفاع تمام تاریخِ حرب عالم میں اپنی موثر خصوصیات کے لحاظ سے ممتاز ہے۔

رومی ہزیمت (ہنی بال) کے تفصیلی حالات کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس نے اپنے ملک کو رومیوں کی غلامی سے نجات دلانی چاہی اور اہلِ قرطاجنہ کی قومی ووطنی زندگی کی افسردہ آگ کو مشتعل کر دیا۔ رومی اپنی حکومت وعظمت کے گھمنڈ میں مغرور تھے اور اپنے اختلافات ونزاعات میں بے خبر پڑے تھے، کہ قرطاجنہ سے ایک لشکر جرار (ہنی بال) کی ریاست میں نکلا اور فتح ونصرت کے ایک سیلاب کی طرح چاروں طرف پھیل گیا۔ رومیوں نے بڑی بڑی عظیم الشان فوجی قوتیں ہر طرف سے روانہ کیں لیکن کوئی قوت اس سیلابِ رواں کو روک نہ سکی۔ اہلِ قرطاجنہ شہروں کو فتح کرتے ہوئے یورپ کی سرحد کو عبور کر گئے۔ یہاں تک کہ کوہ ہائے الپ تک پہنچ گئے اور اس عزم ومستعدی سے سالفہ روم کا محاصرہ کر لیا کہ قریب تھا کہ اس کو فتح کر لیں۔

یہ محاصرہ ۲۱۸ قبل مسیح کا ایک عظیم الشان واقعہ سمجھا جاتا ہے

اس سے دوسرے ہی سال رومیوں سے متعدد عظیم الشان معرکے ہوئے اور ہر معرکے میں سخت برباد کن شکستیں دیں علی الخصوص واقعہ میدان (کان) جس میں ستر ہزار رومی قرطاجیوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے اور تمام روم میں اس شکست نے ایک تہلکہ مچا دیا۔ لوگ (ہنی بال) کے نام سے لرزتے تھے اور اس کے حملے کے تصور سے کانپ اٹھتے تھے۔

شکست بعد از فتح | یہ ایک بہت بڑی مہلت تھی، جو قدرتِ الٰہی نے اہلِ قرطاجنہ کو دی تھی۔ تاکہ وہ غیروں کی غلامی سے اپنے تئیں آزاد کر لیں۔ اور وہ ہر قوم کو اپنی توفیق بخشی سے سنبھلنے اور زندہ رہنے کی ہمیشہ مہلت دیتی ہے لیکن جیسا کہ تاریخ کا ہزارہا سالہ تجربہ بتلاتا ہے انہوں نے اس مہلت کی قدر نہ کی۔ اور (ہنی بال) کی کامیابیوں اور عظیم الشان فتحیابیوں نے اہلِ قرطاجنہ کو مغرور بنا دیا۔ وہ آخری فتح کے نشۂ غرور کے متحمل نہ ہو سکے اور اپنی طاقت اور دشمن کے ضعف کے یقین نے ان کو بے پروا اور سرشار کر دیا۔

قوموں کے عروج و اقبال کا یہ دَور ہمیشہ دنیا میں یکساں رہا ہے اور یکساں ہی نتائج اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ مدتوں کی غفلت اور عطالت کے بعد جوش اور مستعدی کی رُوح پیدا ہوتی ہے اور تھوڑے سے ہی عرصے کے اندر اُن کو زمین پر ممتاز بنا دیتی ہے لیکن پھر کامیابی کا گھمنڈ، فتحیابیوں کا غرور اور عزت و شوکت کی بے فکری کے جراثیم مہلکہ ان میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ دشمنوں کو حقیر سمجھ لیتے ہیں۔ اپنی قوت و طاقت پر اعتماد کر لیتے ہیں۔ جوش و مستعدی کی جگہ قناعت اور عطالت پیدا ہو جاتی ہے۔ محنت و جانفشانی کی جگہ عیش و نشاط اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ حالت زوال کا پیش خیمہ ہوتی ہے مگر پھر بھی قدرت الٰہی تنبیہ اور اعتبار کی فرصتیں دیتی ہے۔ اور بیداری کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ خوش بخت قومیں اس سے عبرت پکڑ کے سنبھل جاتی ہیں پر بدبختوں کے لئے تباہی و ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

Marfat.com

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۞ (۱۷-۱۷)

اور جب ہم کو کسی آبادی کا ہلاک کرنا مقصود ہوتا ہے تو ہم اس کے خوشحال لوگوں کو اپنا حکم بھیجتے ہیں۔ پر وہ نہیں مانتے اور نافرمانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جب ایسا ہوتا ہے تو پھر ان پر ہماری حجت تمام ہو جاتی ہے۔ وہ عذاب الٰہی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اور ہم اس آبادی کو بربادیوں سے ہلاک کر دیتے ہیں۔

یہی حال اہلِ قرطاجنہ کا ہوا۔ اپنی فتحیابیوں پر مغرور ہو کر عیش و عطالت میں ڈوب گئے۔ اُدھر شکستوں اور بربادیوں نے رومیوں کی آنکھیں کھول دیں۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ سب کچھ نتیجہ دشمن کی متحدہ قوت اور ہماری نااتفاقی اور بے قدری کا ہے۔ اور اگر اسی وقت اس کا علاج نہ ہوا تو عجب نہیں کہ دشمن کا دوسرا محاصرہ دارالحکومت کی دیواروں کو منہدم کر دے۔ پس وہ عین اس وقت جب کہ ان کی ناکامیوں نے کامیاب قرطاجیوں کو مغرور و بے پروا بنا دیا تھا۔ اپنی ناکامیوں سے متنبہ ہو گئے اور انسانوں کی کامیابی و ناکامی کی تاریخ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ کامیابوں کو کامیابی نے ناکام بنا دیا ہے اور ناکاموں کو ان کی ناکامی نے کامیاب کر دیا ہے۔

رومیوں نے اپنے قویٰ کو مجتمع کیا اور تمام باہمی شقاق و نزاع بھلا کر دشمن سے انتقام لینے کے لئے مستعد ہو گئے۔ اب ہنی بال کی عظمت کے آفتاب کو گہن لگنا شروع ہو گیا تھا۔ اس کی فوج کی ہمت اور مستعدی کی حرارت افسردہ ہو گئی تھی۔ رومیوں کی فوج ہر طرف سے نکل نکل کر بڑھتی اور پیہم شکستیں دے کر اپنی چھٹی ہوئی زمینیں واپس لے لیتی یہاں تک کہ تمام یورپین اور افریقی علاقوں پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ اور ہنی بال کو مجبور ہو کر فرار کرنا پڑا۔

Marfat.com

(ہنی بال) اپنی جماعت کی طرف سے مایوس ہوگیا تھا۔ اب اُس نے کوشش کی، کہ
رومیوں کی بعض دُوسری مخالف طاقتوں سے مل کر مدد دے اور اپنی کھوئی ہوئی کامیابی کو ڈھونڈے
مگر اس میں بھی کامیابی نہیں ہُوئی۔ جب اُس نے دیکھا کہ رُومی ہر طرف کامیاب ہو گئے ہیں
اس کی تمام محنت رائگاں جا چکی ہے۔ اور اس کی قوم پھر اسی غلامی میں مبتلا اور ذلت و
نامرادی سے دوچار ہے تو اس کی امید نے بھی جواب دے دیا۔ اور مایوس و متالم ہو کر بالآخر
خودکشی کر لی۔

شمعِ سحر | اب پھر بدقسمت قرطاجنہ رومیوں کا حلقہ بگوش تھا۔ ایک زمانہ مدید اسی
حالت میں گذر گیا۔

(ہنی بال) کی جانفروشیوں کا افسانہ ابھی پرانا نہیں ہوا تھا۔ اور حفظِ وطن کے ولولے
بالکل مر نہیں گئے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد وطنی حلقوں میں پھر سرگوشیاں شروع ہو گئیں اور آہستہ
آہستہ انہوں نے اپنی فوجی حالت کی درستگی اور فوجی عمارت کی اصلاحات پر توجہ کی۔

رُومی اب پہلے کی طرح بے خبر نہ تھے۔ یہ حالت دیکھ کر معًا ہوشیار ہو گئے۔ انہوں نے
دیکھا کہ اب اگر تھوڑی سی مہلت بھی اہلِ قرطاجنہ کو دے دی گئی، تو ممکن ہے کہ پھر آزادی کی کوئی
تحریکِ گراں پیدا ہو جائے۔

ہم اہلِ قرطاجنہ کے جس قومی دفاع کا آج ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا افسانہ اسی زمانے
سے شروع ہوتا ہے۔

آخری مدافعت | رومیوں کا ایک جرار لشکر جنگ کے انتہائی احکام لے کر نکلا اور اہل
قرطاجنہ شہر میں قلعہ بند ہو گئے۔ رومیوں کو ان کی موجودہ حالت اور ناگہانی حملے کی وجہ سے
بے بسی کا حال معلوم تھا۔ انہوں نے پہنچتے ہی حکم دیا کہ بلاکسی پس و پیش کے شہر حوالے کر
دیں۔ محصورین اگر اس کی تعمیل نہ کرتے تو اور کیا کرتے؟ پس جب رُومی سپہ سالار اپنی پوری
فوجی جمعیت کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا تو اُس نے ہتھیاروں کا بھی مطالبہ کیا۔ اور تمام

Marfat.com

شہر میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں بچا جس کے پاس کسی طرح کا بھی کوئی اسلحہ باقی رہا ہو۔ بدبخت قرطاجیوں نے کہ اپنی قسمت کے فیصلے سے بے خبر تھے۔ سمجھا کہ اس کے بعد انہیں نجات مل جائیگی۔ لیکن ان کے تحیر و تعجب، دہشت و خوف اور حزن و ملال کی کوئی انتہا نہ تھی جب اس کے بعد رومانی سپہ سالار نے اپنا یہ آخری حکم سنایا:

"میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہاری قسمت کا آخری فیصلہ تم کو سناؤں۔ رومانی مجلس شیوخ (سینٹ) نے تمہاری نسبت یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ اپنا موجودہ شہر قرطاجنہ چھوڑ دو۔ اور ایک دوسری جگہ جاکر آباد ہو جس کے چاروں طرف کوئی سنگی حصار نہ ہو۔ جو بالکل کھلی اور بے پناہ ہو۔ جس میں قلعے اور دفاع کی عمارتیں نہ بنائی جائیں اور جو محض تمہاری سکونت کے گھروں کی ایک بستی ہو۔ کیونکہ قرطاجنہ اور اس کی تمام عمارتیں مسمار کر دی جائیں گی۔"

یہ ایک غم و اندوہ کی بجلی تھی جو یکایک قرطاجیوں پر گری۔ شدت غم و حسرت نے ہوش و حواس کھو دیئے اور عالم حیرت نے سکتے کی حالت طاری کر دی۔ ہر طرف ماتم بپا ہو گیا۔ اور ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر رونے لگا۔ لوگ راستوں اور سڑکوں پر دیوانہ وار پھرتے تھے اور نہیں سمجھتے تھے کہ کیا کریں؟

آخر میں جب ان کو قطعی مایوسی ہو گئی اور یقین ہو گیا، کہ ایسا ہی ہو گا اور ان کا عزیز وطن ہمیشہ کے لئے اُن سے چھوٹ جائے گا تو انہوں نے اپنے گالوں پر طمانچے مارے۔ گریبان چاک کر دیئے، زمین پر لوٹنے لگے اور رومیوں پر لعنت بھیجی۔ پھر اپنے مندروں میں گئے اور اپنے خاموش اور غیر متحرک معبودوں سے قرطاجنہ کے حفظ و سلامتی کے لئے دعائیں مانگیں۔

غموم و ہموم کا نزول جس طرح ہمت سوز اور یاس انگیز ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی کبھی عزم و شجاعت کے مُردہ ولولوں کو زندہ بھی کر دیتا ہے۔ اور مبارک ہے وہ قوم جو نزول مصائب پر مایوسی و بطالت کی جگہ ہمت و عزم سے کام لیتی ہے۔

Marfat.com

اہلِ قرطاجنہ کے لئے اب انتہا درجہ کی مایوسی تھی۔ شہر حوالے کر چکے تھے۔ ہتھیار دے چکے تھے۔ لڑنے کی طاقت نہ تھی اور خونخوار فاتحوں کے پاس محکوموں کی فریادوں کے لئے بابِ سماعت مسدود تھا۔ لیکن اسی مایوسی نے ان کے اندر عزم و ہمت کی ایک مرتبہ آخری حرارت پیدا کردی اور انہوں نے سوچا کہ وطنِ محبوب کی بربادی سے پہلے کیوں نہ اپنی قسمت کی آخری آزمائش کر کے خود بھی برباد ہو جائیں۔

وہ اپنے سب سے بڑے معبد میں جمع ہوئے اور سب نے مقدس قسمیں کھا کر عہد کیا۔ کہ خواہ کچھ ہی ہو لیکن جب تک آخری قطرۂ خون ہمارے جسموں میں باقی ہے، ہم اپنے ہزار سالہ ملک کو مسمار نہ ہونے دیں گے۔ اور مریں گے بھی تو اس عالم میں کہ ہماری مضطرب لاشیں قرطاجنہ کی دیواروں کے نیچے ہی تڑپ رہی ہونگی۔

دفاعِ امم کی ایک عظیم ترین مثال رومانی سپہ سالار حکم دے کر اپنے نئے انتظامات کے لئے انھیکا چلا گیا تھا۔ اس لئے اہلِ قرطاجنہ کو ایک فرصت آخرین حاصل تھی۔

اس امر کی مثال کے لئے کہ ایک قوم اگر اپنی ملت و وطن کی حفاظت کے لئے مستعد ہو جائے اگر اپنی غلامی کی حالت کا اس کو سچا احساس ہو۔ اگر وہ محکومی کے عیش پر حریت کی پرمحن زندگی کو ترجیح دے تو پھر دنیا میں کوئی ایسی مشکل نہیں جو اس کی راہ جہاد میں حائل ہو سکے۔ اور کوئی کام نہیں جو اس کے لئے ناممکن ہو۔ فی الحقیقت اہلِ قرطاجنہ کی تاریخ ایک سرچشمۂ عبرت و بصیرت ہے۔ ایک جابر اور فاتح قوم اپنے محکوموں سے ہتھیار چھین سکتی ہے۔ پر یہ طاقت تو کسی میں نہیں ہے کہ وہ قوموں سے ان کے دلوں کو بھی چھین لے۔ اور پھر قومی زندگی تیز اور چمکیلے ہتھیاروں ہی کے دم سے نہیں ہے۔ اصلی شئے تو دل کی زندگی ہے۔

اہلِ قرطاجنہ جب آخری دفاعِ وطن کے لئے مستعد ہوئے، تو ان کی کیا حالت تھی؟ ہتھیار جو جنگ کی پہلی شرط ہے اُن سے چھینے جا چکے تھے۔ قلعے مسمار ہو چکے تھے۔ اور اسبابِ جنگ اور قوائے مادیۂ دفاع میں سے کوئی قوت بھی انہیں حاصل نہ تھی۔ تاہم اُن کے پاس صرف

Marfat.com

ایک ہی چیز یعنی جوشِ جہاد کا ناقابلِ تسخیر اسلحہ ضرور تھا۔ پس وہ اسے لے کر مستعد ہو گئے۔ اور اگر ایک قوم مرنے کے لئے مستعد ہو جائے تو پھر دنیا کی کونسی قوت ہے جو اسے روک سکتی ہے؟ دنیا میں آدم کی اولاد کو سب سے بڑی تکلیف جو دی جا سکتی ہے، موت ہے اس کے بعد انسانی جبر و تعدی کا اسلحہ بیکار ہو جاتا ہے۔ پس اگر ایک قوم خود ہی تلخی حیات کے اس آخرین جرعہ کو پینے کے لئے تیار ہو جائے تو پھر دنیا میں کوئی شے اس کے لئے ناممکن نہیں۔ وہ سب کچھ کر سکتی ہے جو کچھ کہ دنیا میں حیات انسانی سے ممکن ہے۔

غم و اندوہ صرف اس لئے ہے کہ مصیبت کی حس سے سعی و استعداد کی قوت پیدا ہو ورنہ آنسو بہا کر تو کسی سپاہی نے میدانِ جنگ فتح نہیں کیا۔

(۳)

اہلِ قرطاجنہ نے رونا دھونا موقوف کیا۔ اور شہر کے حصار و تحصین کی تدبیرات میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے اپنے بڑے بڑے ہیکلوں اور مناروں کو جن کی دیواریں قلعوں کی طرح مستحکم اور جن کے احاطے فوجی میدانوں کی طرح وسیع تھے، بجائے قلعہ اور حصار کے استعمال کیا۔ شہر کی تمام عمارتیں اپنے ہاتھ سے منہدم کر دیں۔ تاکہ غیروں کے ہتھیاروں کی لعنت سے ناپاک نہ ہوں۔ اور ان میں جس قدر مختلف اقسام کی معدنیات مثل لوہے اور پیتل وغیرہ کے استعمال کی گئی تھیں وہ سب نکال کر گلا دیں نیز ان کی لکڑیاں اور تختے بھی بکثرت جمع ہو گئے۔

تمام اہلِ شہر نے اپنے ہر قسم کے اشغالِ حیات معطل کر دیئے۔ عورت، مرد، بوڑھے، بچے سب لوگ رات دن لگاتار کام کرنے میں مصروف ہو گئے۔ عمارتوں میں سے نکالی ہوئی معدنیات کو گلا کر اس سے ہر قسم کے ہتھیار تیار کرتے۔ اور لکڑی سے تلواروں کے قبضے اور نیزوں کے دستے بناتے۔ تمام عورتوں نے اپنے سر کے وہ حسین بال جن کی حسن و رعنائی جنس نازک کا بہترین سرمایۂ جمال ہے۔ جمالِ حریت و شرف وطن پر قربان کر دیئے اور ان کو کاٹ کاٹ کے دے دیا تاکہ ان کی ڈوریوں کو بٹ کر ڈوریوں کی جگہ منجنیقوں کی رسیاں اور کمانوں کے چلے

بنائے جائیں۔ اور اُن سے اڑ کر نکلنے والے تیروں سے دشمنانِ ملت اور اعدائے وطن کے سینے زخمی ہوں۔

چند دنوں کی شبانہ روز محنت میں انہوں نے اپنے تمام انتظامات مکمل کر لئے۔ ہر طرح کے ہتھیاروں سے اُن کا ذخیرۂ جنگ لبریز ہو گیا۔ اور ایک باشندہ بھی قرطاجنہ میں ایسا باقی نہ رہا جو نہتا ہو۔ اور کوئی مفید آلۂ جنگ اس کے پاس نہ ہو۔

رُومیوں کی یلغار رومی اتھیکا میں تھے۔ انہوں نے ان تیاریوں کا حال سُنا تو ہنسے، اور یلغار کرتے ہُوئے روانہ ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ پچھلے حملے میں باوجود سامانِ جنگ اور اسلحہ و آلات کی موجودگی کے بغیر مقابلہ قرطاجیوں نے شہر حوالے کر دیا تھا۔ تو اب بے دست و پائی کی حالت میں کیا مقاومت کریں گے؟ لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ

دلوں کی اقلیم میں منٹوں اور لمحوں کے اندر انقلاب ہو جاتا ہے
اور اسی انقلاب سے دنیا کے انقلابات وابستہ ہیں۔

رُومی اپنے زعمِ باطل کے نشے میں سرشار چلے آتے تھے۔ لیکن جب شہر کے قریب پہنچے تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے دہشت و تحیر کے عالم میں دیکھا کہ جس قرطاجنہ کو چند ہفتے پیشتر چھوڑ گئے تھے جنوں کی سی مخفی قوت اور جادوگروں کی سی ساحرانہ طاقت سے وہ بالکل بدل گیا ہے۔ اب قرطاجنہ ایک بے پناہ اور بے ہتھیار آبادی نہیں ہے۔ جیسی کہ بہ جبر و ظلم بنا دی گئی تھی۔ بلکہ ایک محکم و ناقابلِ تسخیر قلعہ بند حصار جو نو تعمیر برجوں، اُن پر جا بجا رکھی ہوئی منجنیقوں اور کمانیں چڑھائے ہوئے مسلح مدافعین کی صفوں سے مستعدِ پیکار و دفاع ہے۔

اہلِ قرطاجنہ کے پاس جنوں اور ساحروں کی کوئی مخفی طاقت تو نہ تھی، پر حریت پرستی اور جوشِ وطنی و ملّی کا ایک مقدس فرشتہ ضرور تھا اور اسی کی طاقت کے آگے جنوں اور ساحروں کی مزعومہ قوتیں بھی ہیچ ہیں۔

Marfat.com

مجبور ہو کر رومیوں نے محاصرہ کر لیا۔ اور اپنی فوج چاروں طرف پھیلا دی۔ ان کے آلاتِ جنگ نہایت خوفناک تھے اور فوج کی مقدار بھی بے شمار، لیکن بایں ہمہ ان کی کوئی کوشش محصورین کی جاں فروشیوں کے آگے نہیں چلتی تھی، اور جب کبھی ہجوم کر کے بڑھتے تھے معاً بربادی و ہلاکت کے ساتھ پسپا کر دیئے جاتے تھے۔

یہاں تک کہ محاصرے نے بہت طول کھینچا۔ کامل دو برس گذر گئے۔ لیکن محصورین کا عزم و ثبات ایک کوہِ عظیم تھا جس سے رومی طاقت ٹکراتی تھی اور فنا ہو جاتی تھی۔

محاصرہ کا تیسرا سال اور خاتمہ جمہوریتِ روم کامل دو سال کے محاصرے سے عاجز آ گئی۔ تیسرے سال کا آغاز ہوا تو قدیمی سپہ سالار کی جگہ طاسطیوس نامی ایک شجاع و باسل رومی افسر کو مقرر کیا گیا جس کی جنگی قابلیت اس وقت تمام روم میں مسلّم تھی۔

طاسطیوس نے آ کر دیکھا کہ اہلِ قرطاجنہ کے جنگی دفاع کے آگے تمام فوجی قوتیں بے کار گئی ہیں۔ اور اگر محض جنگی قوت پر اکتفا کر لیا گیا تو برسوں بے کار جائینگی۔ اس لئے اُس نے سب سے پہلے اس کی کوشش کی کہ کسی طرح باہر سے رسد کے پہنچنے کے راستے بند کر دیئے جائیں۔ تاکہ محصورین فاقے کے خوف سے خود بخود شہر کھول دیں۔

اہلِ قرطاجنہ کے لئے دونوں راستے کھلے تھے خشکی کا بھی اور سمندر کا بھی۔ طاسطیوس نے پہلے راستے کو یوں بند کر دیا کہ ایک مرتبہ ہی تمام فوجی قوتوں کو مجتمع کر کے شہر پناہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اور اس قدر قریب پہنچ کر کہ ایک تیر کے فاصلے سے زیادہ مسافت باقی نہیں رہی تھی فوج کو چاروں طرف پھیلا دیا۔ خشکی کی راہ سے جس قدر نقل و حرکت و آمد و رفت ہوتی تھی۔ اب وہ سب دشمنوں کے حملے کی زد پر آ گئی تھی۔ اور اُن کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر شہر میں داخل ہونا ممکن نہ تھا۔

اہلِ قرطاجنہ کی ایک سخت غلطی بحری راستے کی بندش کے لئے اُس نے ساحل پر ایک عظیم الشان بندرگاہ تعمیر کرانا شروع کر دیا۔ تاکہ وہاں بحری قوت ہر وقت موجود رہے۔ اور

Marfat.com

جن کشتیوں اور جہازوں پر محصورین کو رسد کی امداد بھیجی جاتی ہے اُن کو راہ ہی میں برباد اور گرفتار کر لیا جاتے

اہلِ قرطاجنہ کو اس کی خبر ہوئی مگر بعد از وقت۔ اگر ابتدا ہی میں انہوں نے اپنی کشتیاں بھیج کر دریا کی طرف سے حملہ شروع کر دیا ہوتا تو رومی کسی طرح بندرگاہ کی تعمیر میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کی بحری قابلیت جنگ اہلِ قرطاجنہ کی ہزار سالہ بحری زندگی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن انہوں نے بری راہ کے بند ہو جانے کے بعد سمندر کی راہ پر اعتماد کر لیا۔ اور اس کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے۔ بعد کو جب تنبہ ہوا تو وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ انہوں نے چند کشتیاں حملے کے لئے بھیجیں۔ لیکن وہ کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اور رومیوں نے بندرگاہ تیار کر کے بحری راہ بھی بند کر دی۔

عبرت و بصیرت | غور کرو! ایک بے دست و پا اور مظلوم و محصور جماعت جس کے قلعے مسمار کئے جا چکے تھے جس سے ہتھیار چھین لئے گئے تھے جس کو تمام قوائے جنگ و دفاع سے ایک پر نوچے ہوئے کبوتر کی طرح محروم کر دیا گیا تھا۔ اور جس کے موجودہ مادی قویٰ کی کل کائنات اتنی تھی کہ چند عمارتوں کے لوہے سے بناتے ہوئے ہتھیار تھے یا عورتوں کے بالوں سے بٹ کر تیار کئے ہوئے کمانوں کے چلّے مگر وہ دنیا کی ایک عظیم الشان متمدن قوم اور رومیوں جیسی فاتح و مہیب فوج کو تین سال تک ایک انچ آگے بڑھنے نہیں دیتی اور پھر اس کو مغلوب کرنے کے لئے ایک سال کا زمانہ صرف کر کے اور پہاڑوں کی چٹانیں کاٹ کاٹ کر عظیم الشان عمارتیں اور بندرگاہ تعمیر کئے جاتے ہیں ؎

ہے ایک خلق کا خوں اشکِ خونفشاں پہ مرے
سکھائی طرز اُسے دامن اُٹھا کے آنے کی

جب کبھی انسانوں کے دل اپنی قوم اور اپنے وطن کی عزت کے لئے باہم مل جاتے ہیں اور اپنے اندر سچا جوش اور محکم ولولہ پیدا کر لیتے ہیں۔ تو پھر ان کی محیر العقول اور مافوق العادت

Marfat.com

قوتوں کے معجزات وخوارق کا ایسا ہی حال ہوتا ہے۔ وَ فِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ وَاِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ وَمَا یَعْقِلُھَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ۝

اب اہلِ قرطاجنہ کو لاعلاج مشکلوں کا سامنا ہوا۔ اور محاصرہ کے مصائب روز بروز زیادہ محسوس ہونے لگے۔ قواء جنگ کی کمی کا وہ اپنے جوش وفداکاری سے علاج کر سکتے تھے لیکن غذا کی فطری ضرورت اور حیاتِ جسمانیہ کے داعیۂ طبیعیہ کا ان کے پاس کیا علاج تھا؟ راہ مرور و درآمد رسد کے بند ہوجانے سے وہ بالکل مجبور ہو گئے۔

طاسطیوس نے دیکھا کہ اس کی تدبیر کارگر ہو گئی ہے۔ پس اُس نے آخری حملہ کی تیاری شروع کر دی اور اس میں بھی ایک سخت پُرفریب حیلہ وخدع سے کام لیا۔ یعنی سب سے پہلے اپنی تیاریوں کو بندرگاہ کی طرف سے شروع کیا۔ اور فوج کا ایک بڑا حصہ الگ کر کے منتظر حکم بنا رکھا۔ اہلِ قرطاجنہ کی خاکِ وطن پر قربانی کے آخری دن قریب آ گئے تھے وہ اس کے دھوکے کو نہ سمجھے اور یقین کر لیا کہ دشمن بندرگاہ ہی کی طرف سے حملہ آور ہوگا۔ پس انہوں نے اپنی تباہی کی خود ہی تیاری کی۔ اپنی تمام قوتوں کو اسی رُخ پر متوجہ کر دیا اور اس جانب کے توپ میں مورچوں میں آگ لگا دی۔

لیکن یہ بے فائدہ تھا۔ رومی اس جانب سے آنا ہی نہیں چاہتے تھے جب انہوں نے دیکھ لیا کہ محصورین پوری طرح اس رخ پر آ گئے ہیں۔ تو فوراً منتظر اور محفوظ لشکر کو حکم دیا کہ شمالی جانب ہجوم کر کے بڑھ جائیں۔ یہ تدبیر پوری طرح کامیاب ہو گئی۔ رومی بغیر کسی نقصان کے بڑھتے گئے اور شہر پناہ کے پاس پہنچے تو مقابلے کا بالکل سامان نہ تھا۔ انہوں نے وزنی گرزوں اور سنگین ہتھوڑوں سے دروازے توڑ ڈالے اور محفوظ و مطمئن شہر میں داخل ہو گئے۔

آخری ساعاتِ جنگ اہلِ شہر کی آنکھیں کھلیں تو اس وقت جب خونخوار درندوں کی طرح دشمنوں کے خون آشام غول شہر کے کوچوں اور سنسان بازاروں میں پھیل گئے تھے اور تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

تاہم جو آگ حفظِ وطن کی تین سال سے جل رہی تھی وہ اس قدر جلد بجھ نہیں سکتی تھی باوجودیکہ اب سعی و تدبیر کا وقت جا چکا تھا اور آخری ساعات سر پر تھیں۔ تاہم اہلِ شہر ذلت کے فرار کی جگہ عزت کی بعد از مقابلہ موت کے لئے تیار ہو گئے۔ اور وسط شہر میں جمع ہو کر لڑنا شروع کر دیا۔ عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئی تھیں اور کمانیں لے کر دشمنوں پر تیر برسا رہی تھیں۔ بچے دریچوں میں کھڑے تھے اور اعدائے وطن پر پتھر پھینک رہے تھے۔ اور ایک ایسی خونریزی عرصہ تک جاری رہی جس نے تمام شہر کو خون اور لاشوں کا سمندر بنا دیا۔ عشاقِ وطن اور فدائیانِ ملت اپنی ان عزیز جانوں کو جنہیں تین سال تک عشقِ وطن میں نذر مصائب و شدائد رکھا تھا، ہتھیلیوں پر لے کر بڑھتے تھے۔ اور خونخوار دشمنوں کی تلواروں اور تیروں پر اس بیخودی و بے جگری سے گرتے تھے گویا ان کا یہی مطلوب و معشوق ہے۔

انسان یقیناً انسان ہے۔ پر وہ درندہ بن جائے تو درندوں سے بھی بدتر ہے

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ (۹۵-۴)	بے شک ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر اور اچھی سے اچھی ساخت پر پیدا کیا۔ پھر اسی کو بدتر سے بدتر حالت میں لوٹا لائے

کہ وہ جس حالت کو اختیار کرنا چاہے اپنے اندر اس کا سامان رکھتا ہے۔

یہ ظلم و سفا کی اور بربریت و سبعیت کی ایک لعنت تھی جو خونخوار رومیوں کے بے امان ہتھیاروں سے نکل کر قرطاجنہ کے تمام راستوں پر چھا گئی تھی۔ اہلِ شہر نے جو کچھ کیا یہ محض ان کے جوش و قربانی کی استقامت تھی۔ ورنہ دراصل اب نہ وہ مقابلہ کر سکتے تھے اور نہ مقابلے میں کامیابی کی کوئی صورت باقی رہی تھی۔ بالآخر وہی ہوا جو ہمیشہ ظالم و مظلوم اور غالب و مغلوب کے درمیان ہوا ہے۔ رومیوں نے اپنی تین سال کی خونیں تشنگی کو تازہ خون کے سیلاب سے بجھانا شروع کر دیا۔ پھر نہ عورتوں کو پناہ تھی نہ بوڑھوں کو اور نہ معصوم و بے زبان بچوں کو۔ زخمیوں کی کراہ، بچوں کی گریہ و زاری، عورتوں کی فریاد و بکا، اور ان سب پر غالب آجانے والی وہ

Marfat.com

صدائے وحشت و انتقام جو رومی درندوں کی بے امان زبانوں سے نکلتی تھی۔ در اصل وہ آخری فیصلہ کی گھڑیاں تھیں جو اہلِ قرطاجنہ پر گذر رہی تھیں۔ اور نہیں معلوم اس دنیا میں کتنی بدبخت قومیں ہیں جن پر یہ گھڑیاں گذر چکی ہیں!

رُومی سپہ سالار لاشوں پر سے گذرتا ہُوا قلعہ تک پہنچا۔ جس قدر باشندے قتل و غارت سے بچے تھے وہ سب اس کے اندر موجود تھے۔ اُس نے فوج کو حکم دیا کہ چاروں طرف سے برہنہ تلوار کھینچ کر محاصرہ کرلیں۔ اور اس تمام عرصہ میں تلواریں کب نیام میں پڑی تھیں کہ برہنہ کی جاتیں؟ جب یہ انتظام مکمل ہو گیا تو قلعہ میں آگ لگا دی گئی۔

تھوڑی ہی دیر کے اندر ہر طرف شعلے بلند ہونے لگے۔ اب اہلِ قرطاجنہ کے لئے اندر آگ تھی۔ اور باہر نکلیں تو آگ سے بھی زیادہ بے رحم انسانوں کی تلواریں۔ چھ دن تک شہر جلتا رہا۔ اور نہیں معلوم کتنی جانیں اُس کے شعلوں کی نذر ہوئیں؟ مگر شہر بہت وسیع تھا اور ابھی بڑا حصہ باقی تھا۔ جہاں بڑھتے ہُوئے شعلوں کے انتظار میں بدبخت انسان پڑے سسک رہے تھے!!

ملت فروش و خائن وطن ہسڈروبال کوئی قوم جوش ملت پرستی کے خواہ کیسے ہی زورِ فدا کاری میں ہو۔ مگر توراتِ مقدس کی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ باغِ عدان میں آدم کے ساتھ سانپ بھی تھا۔ پس قوم فروشوں اور خائنینِ ملت سے خالی نہیں ہوتی۔ اور اس کی آستینِ صداقت میں کوئی نہ کوئی سانپ بھی موجود ہوتا ہے۔

اُولٰٓئِکَ یَلۡعَنُہُمُ اللّٰہُ وَ یَلۡعَنُہُمُ اللّٰعِنُوۡنَ	یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان پر لعنت کی اور تمام لعنت بھیجنے والے اُن پر لعنت بھیجتے ہیں
(۲-۱۵۵)	

ایک محفوظ اور بلند پہاڑی پر اہلِ قرطاجنہ کے دیوتا (اسکولیپیوس) نامی کا ہیکل تھا جس کی دیواریں رفیع اور حصار مستحکم تھا۔ اس میں نوسو کے قریب استقلال پرست قرطاجنی

(ہسڈروبال) نامی قرطاجنی افسر کی ماتحتی میں پناہ گزیں تھے۔اور رومی اس کو مغلوب کرنے میں بالکل ناکام رہے تھے۔لیکن جب رسد کی قلت نے بھوک کی تکلیف سے مجبور کر دیا تو ہسڈروبال اپنی جماعت کی اطلاع کے بغیر غداری اور بے وفائی کر کے نکل آیا۔اور اپنے تئیں رومیوں کے حوالے کر دیا۔

رُومی سپہ سالار نے اس خیانت کے صلے میں اسے اپنے پیروں کے پاس جگہ دی۔ وہ جب بیٹھا تو اوپر ہیکل کی دیواروں سے محصور قرطاجنیوں نے اسے دیکھا۔وہ اپنے غصّے اور غضب کو ضبط نہ کر سکے اور باوجودیکہ خود بھی فاقے کی مصیبت میں گرفتار تھے جس سے بچنے کا طریقہ ہسڈروبال نے بتلا دیا تھا۔لیکن ان کی حسیاتِ شریفہ نے ان کو نفرت و اکراہ سے بھر دیا۔ انہوں نے چلّا چلّا کر کہنا شروع کیا۔کہ اے خائن اور کمینہ خصلت ہسڈروبال! تجھ پر ہمیشہ کے لئے پھٹکار ہو، کہ تیری بزدلی اور نامردی نے قرطاجنہ کے دامنِ عزّت پر دھبہ لگا دیا۔

عشاقِ ملّت کے مصائب

ترکِ جان و ترکِ مال و ترکِ سر
در طریقِ عشق اول منزل ست

رسد کی آمد عرصے سے بند ہو گئی تھی۔پرانے ذخیرے کب کے ختم ہو چکے تھے۔اب شب و روز کا متصل فاقہ تھا جس میں ہسڈروبال کے ساتھی مبتلا تھے۔چند دن اور انہوں نے اسی عالم میں بسر کئے۔ وہ ہیکل کی دیواروں سے باہر اس دنیا کو دیکھتے تھے، جہاں دنیا کی تمام نعمتیں اور راحتیں موجود تھیں۔ وہ رومی فوج کے سامنے طرح طرح کے لذیذ اور پُرتکلف کھانوں کے دسترخوان بچھے ہوئے دیکھتے تھے اور ہسڈروبال کو پہچاننے میں بھی ان کی نظر غلطی نہیں کرتی تھی جو ان لذائذ و نعائم میں شریک کر لیا جاتا تھا۔ان سے چند قدموں کے فاصلے پر یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔لیکن ان کے لئے ان بدبختوں کے لئے روٹی کا ایک خشک

Marfat.com

ٹکڑا اور سمندر کے تلخ پانی کا ایک قطرہ بھی اس دنیا میں باقی نہیں رہا تھا۔ کیوں صرف اس لئے کہ وہ جرمِ محبتِ ملت کے مجرم اور وطن پرستی کے قصور کے گنہگار تھے! پھر آہ اے معبدِ ملت پرستی اور اے صنمِ مقدس حریت و آزادی! تیری پرستش اور تیری محبت کے جرم نے تیرے پرستاروں کو کن کن آزمائشوں میں مبتلا نہیں کیا۔ اور کیسے حوصلہ آزما عذابوں سے دو چار نہیں ہوئے؟ پر تجھ میں وہ کون سی عقل ربا اور ہوش افگن دلفریبی ہے جس کی مقناطیس تعبد کی قہرمانیت پر نظامِ کائنات کی کوئی قوت غالب آ نہیں سکتی؟

ترکِ جاں در راہِ آں سرو رواں ایں ہمہ نیست
عشق اگر نرخ نہد، قیمتِ جاں ایں ہمہ نیست

ان کے لئے بھی عیش و راحت کا دروازہ کھلا تھا۔ ایک لمحہ کے اندر اُن کی حالت بدلی جا سکتی تھی۔ ہسڈروبال نے بتلا دیا تھا کہ جس کو شرف ملی سے زیادہ حفظ نفس عزیز ہو اس کو کیا کرنا چاہئے۔ رومی تیار تھے، کہ اگر وہ اپنے تئیں سپرد کر دیں اور ان کی غلامی کا طوق پہننے کے لئے تیار ہو جائیں تو ان کو امان دے دی جائے لیکن ان کی غیرتِ عشق نے اس کو گوارا نہ کیا کہ جس محبوب کے عشقِ مقدس میں تین سال تک رشتہ وفاداری ہاتھ سے نہ دیا ہو، اب زندگی کی آخری ساعات میں جب کہ ان کا وطنِ محبوب۔ شعلوں کے اندر سے سرگرمِ فغاں اور ملتِ عزیز سیلابِ خون کے اندر سے توصیہ فرماتے استقامت و وفاداری ہے۔ اپنی حیاتِ فانی کی ایک مدت مجہول و قصیر کے لئے اس سے کیا بے وفائی کریں؟

النار ولا العار۔ بالآخر قبل اس کے کہ دشمنوں کے ہاتھ سے شہر کی طرح ہیکل کی دیواروں میں بھی آگ لگائی جائے انہوں نے خود ہی اس میں آگ لگا دی۔ ع

آتشم نیز است نے داماں فی زنم

جب آگ نے اچھی طرح در و دیوار میں جگہ بنائی اور شعلے تیزی کے ساتھ [illegible] کرنے لگے تو تمام نرطاجی جن میں عورتیں بھی تھیں اور معصوم بچے بھی ایک مقام پر آ کر جمع ہو گئے اور

قرطاجنہ کے نام کی جاں سپارانہ صدائیں لگا کر بھڑکتے ہوئے شعلوں کے اندر کود پڑے۔ عیش فانی کے اس لالہ زار سے جو غیروں کی غلامی سے حاصل ہوا ہو، کیا یہ شعلہ ہائے حیات سوز بہتر نہ تھے۔ جن کے اندر اپنی ملتِ محبوب کے ہزاروں اجسام اور اپنی سرزمینِ مقدس کی صدہا عمارتوں اور گری ہوئی دیواروں کی خاکستر ملی ہوئی تھی؟ وہ اس شوق و ذوق اور بے حواسی سے آگ میں کود رہے تھے۔ گویا مدتوں کے بچھڑے ہوئے عشاق ہیں جو اپنی محبوب کی خواب گاہِ وصال کی طرف بیتابانہ جا رہے ہیں فالموت جسرٌ یوصل الحبیب الی الحبیب (موت مثل ایک درمیانی پل کے ہے جو دوست کو دوست تک پہنچا دیتا ہے)

شوہر اپنے سامنے اپنی عورتوں کو جلتا ہوا دیکھتے تھے، تاکہ غیروں کا تسلط ان کے ننگ و ناموس کو بٹہ نہ لگا دے۔

مائیں اپنے معصوم بچوں کو چھاتی سے لگائے ہوئے شعلوں میں کودتی تھیں۔ تاکہ ان کے بعد ان کی نسل غیروں کی غلامی و محکومی کے لئے باقی نہ رہے۔ والدین اپنی اولاد کے ساتھ شعلوں سے لپٹ لپٹ کر جان دیتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ غیروں کی غلامی سے ان کے فرزندوں کے شرف کو بٹہ لگے۔ وہ جب کہ جل رہے تھے تو ان کے جسمِ سوختہ کا دھواں زبانِ حال سے صدا لگا رہا تھا کہ "النار ولا العار" آگ میں جلنا منظور ہے مگر ذلتِ قومی منظور نہیں۔

تلك الامثال نضربها للناس لعلهم يتفكرون | عشقِ ملت اور

حریت پرستی کی یہ ایک مثال تھی جو مبارک قرطاجیوں نے دنیا کو دکھلا دی۔ انہوں نے اپنی جانیں ضرور دیں۔ لیکن اپنی جانفروشی کی نظیر سے قوموں اور ملکوں کو زندگی بخش دی۔ اور فی الحقیقت جو لوگ اس دنیا میں مرتے ہیں۔ وہی مُردوں کو زندگی بھی بخش سکتے ہیں۔ تم اگر صرف اپنی خاطر زندہ ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنی ملت کے لئے ایک مردہ لاش ہو۔ پر اگر قوم کے لئے مر جاؤ تو تم نہ صرف زندہ ہو بلکہ ہزاروں اور لاکھوں جسموں اور ہستیوں کو زندگی بخشنے والے ہو۔

Marfat.com

اہلِ قرطاجنہ نے آگ کے شعلوں میں کود کر جانیں دے دیں لیکن اسلام جس کی حیاتِ معنوی کی پہلی شرط نفس پر موت طاری کرنا ہے اگر ہوتا تو آگ کے شعلوں کی جگہ دشمنوں کی تلواروں کی طرف اشارہ کرتا۔ اور آخری مایوسی کے عالم میں بھی اس کو کبھی پسند نہ کرتا کہ اس کے فرزندوں کی جانیں بالکل رائگاں جائیں۔ یہ نوسو استقلال پرست قرطاجنی سر سے کفن باندھ کر اگر نکلتے تو کم از کم نوسو رومیوں کو تو ضرور خاک و خون میں ملا دیتے۔ تاہم جس جذبۂ فداکاری اور جاں سپاری سے انہوں نے جانیں دیں اس کے شرف و احترام کی تاریخ عالم ہمیشہ حفاظت کریگی۔ آگ کے شعلوں نے ان کے جسموں کو چند لمحوں کے اندر فنا کر دیا ہوگا۔ لیکن انکی مثالِ حریت و آزادی کی رُوح مقدس کبھی فنا نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے صفحۂ عالم پر اپنی یاد ہمیشہ کے لئے نقش کر دی اور آنے والی قوموں کے لئے ایک مثالِ عظیم چھوڑ گئے۔

عبرت و نتائج | ان کی سرگذشت از سرتاپا ایک توصیۂ حریت اور ایک صدائے موعظت ہے، جو قوموں کو بتلاتی ہے کہ اپنی قومی آزادی اور ملی استقلال کی قدر و قیمت پہچانیں اور اس کی محبوبیت و معشوقیت کا اندازہ کریں۔ ان کی تاریخ ان قوموں کے لئے ایک شاہراہِ عمل کا افتتاح کرتی ہے جنہوں نے اپنی غفلت کی لعنت میں گرفتار ہو کر غیروں کی غلامی و محکومی کا طوق پہن لیا ہے اور ان کی ہیبت و سطوت اور قوائے جنگ و اسبابِ تسلط سے مرعوب ہو گئی ہیں، انہوں نے گویا ہمیشہ کے لئے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ قوموں کی زندگی اور استقلال صرف قوائے جنگ اور اسلحہ و آلاتِ جنگ کے حصول ہی پر موقوف نہیں ہے، بلکہ دلوں کے محکم جوشِ مصیبت کے سچے احساس مستعدی اور آمادگی کی صداقت اور سب سے زیادہ یہ کہ باہمی نزاعوں اور بے مہریوں کی جگہ اتحاد و اتفاق کی زنجیروں میں بندھ کر ایک دل اور ایک جان ہو جانے پر ہے۔ پھر نہ فوج کی ضرورت باقی رہتی ہے نہ اسبابِ مادیہ مقاومت و دفاع کی احتیاج ہوتی ہے۔ نہ ہتھیاروں کے چھن جانے سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اور نہ قلعوں کے مسمار ہو جانے سے قوت سلب ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

ان کا مقابلہ ایک نہایت متمدن اور شائستہ قوم سے تھا۔ جو اس زمانے میں یورپ کے موجودہ تمدن کی قائمقام تھی۔ دشمن شہر پر قابض ہو چکے تھے۔ ہتھیار چھین لئے تھے اور ان کی تعداد بے شمار تھی۔ تاہم تم نے دیکھا کہ جب انتہا درجے کی مایوسی چھا گئی ہر طرف سے امید کا دروازہ بند ہو گیا اور قرطاجنہ کے ہر فرد کو آنے والے وقت کا سچا اور آخری احساس ہو گیا۔ تو پھر ان کے دل قوت اور طاقت کی نئی روح سے بھر گئے اور ان کے دلوں سے ایک لمحہ کے اندر دشمنوں کی قوت، تسلط، تو لئے جنگ اور کثرتِ تعداد کا رعب ڈھل گیا۔ پھر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور سب کے دل قومی عزت کے حفظ کے لئے مل کر ایک ہو گئے۔ اگر ہتھیار نہ تھے تو عمارتوں سے لوہا نکال کر ڈھالنا شروع کر دیا۔ اگر کمانیں نہ تھیں تو عورتوں نے اپنے بالوں کو کاٹ کاٹ کر اس کے چلّے بنائے۔ پھر سب کچھ ہو گیا کیونکہ جو قوم مرنے کے لئے مستعد ہو جائے۔ خواہ وہ کیسی ہی بے دست و پا اور بے سامان ہو۔ مگر پھر بھی وہ ایک ایسی قوت ہے جو سب کچھ کر سکتی ہے۔ جو ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے۔ اور جس پر اس دنیا کی کوئی قوی سے قوی طاقت بھی غالب نہیں آ سکتی۔

آخری نظارہ | یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور خائن ملک و ملت (ہسڈروبال) رومی لشکر میں بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ اس کی نوجوان بیوی جس کی حسن و رعنائی تمام قرطاجنہ میں ضرب المثل تھی ہیکل کے اندر پناہ گزینوں کے ساتھ تھی۔ اور دو چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس کی گود میں تھے۔ ہسڈروبال کو اپنی بیوی سے عشق تھا۔ جب اُس نے قوم سے غداری کر کے پوشیدہ نکل جانے کا ارادہ کر لیا تو چاہا کہ اپنی بیوی اور بچوں کو بھی ساتھ لے جائے اُس نے اپنے ذلیل ارادے سے اُسے اطلاع دی اور طرح طرح کی تدبیروں سے سمجھانا چاہا۔ لیکن اس وفادار ملت، فدا کار وطن اور تمثال شرافت و عظمت نے نہایت ذلت ونفرت سے اس کی تجویز کو ٹھکرا دیا۔ اور اس درجہ غصے سے مضطرب الحال ہوئی کہ ہسڈروبال سہم گیا۔ اُسے خوف ہوا کہ کہیں جوش غضب میں میرے مخفی ارادے کو قوم پر ظاہر نہ کر دے

Marfat.com

اور میں اپنی جان کو بھی بچا کر نہ لے جا سکوں۔

افسوس کہ اس خائنِ ملت کو اس پر بھی شرم نہ آئی محبت نفس وعشق غذائے حیوانی نے اس کو مغلوب کر لیا تھا۔ وہ رات کے وقت نظروں سے پوشیدہ ہو کر تن تنہا نکل آیا۔ اور سمجھا کہ میری مثال اور غذا کا فقدان ان لوگوں کو بھی اطاعت کرنے پر مجبور کر دے گا اور میری بیوی بھی کچھ دنوں کے بعد نکل آئے گی۔

لیکن اُس کے نفسِ ذلیل وسفیہہ نے اس کو دھوکا دیا۔ اُس نے اپنی بیوی اور اپنی جماعت کے قلبِ شریف کو بھی اپنا ہی سا سمجھا تھا۔ صبح کے وقت جب ہیکل کی دیواروں سے اس کی بیوی نے رومی سپہ سالار کے پاس اُسے دیکھا تو غیظ وغضب میں آکر چلا اُٹھی اور نفرت وحقارت کے ساتھ اُس پر لعنت بھیجی۔

اس کے بعد آخر تک ہسڈروبال کی بیوی نے اپنی قوم کا ساتھ دیا اور جب خاتمے کے آخری دن ہیکل کی دیواروں سے آگ کے شعلے بلند ہوئے تو اُس نے اپنی قوم سے کہا۔

"مجھے چند لمحوں کی زندگی ابھی مطلوب ہے، اپنے لئے نہیں۔ اپنے ان معصوم بچوں کے لئے نہیں بلکہ ان کے غدار او رسفیہہ باپ کے لئے جس کو قبل اس کے کہ مقدس دیوتا آخرت کی لعنت میں گرفتار کرے، میں چاہتی ہوں کہ دنیا میں آج بھی ایک سزا دیدوں۔ افسوس کہ اُس نے مجھ سے نہیں، مگر اپنی قوم سے بے وفائی کی۔ وہ آج تک میرے عشق میں ثابت قدم رہا لیکن کاش مجھ سے بے وفائی کرتا، پر اپنی قوم سے بے وفا نہ ہوتا"

اُس نے یہ کہا اور اُس وقت تک توقف کیا جب تک کہ آگ کے شعلے ہیکل کے احاطے کی دیواروں تک نہ پہنچ گئے۔ یہ مقام رومی فوج کے بالکل سامنے اور قریب تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ دیواروں میں آگ نے اچھی طرح گھر بنا لیا ہے تو اپنے دونوں بچوں کو گود میں لیکر نکلی اور ہسڈروبال کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

ہسڈروبال کی بیوی کی تقریر | اس کا مستقیم قد استقلال وشجاعت کا ایک آہنی ستون تھا۔

Marfat.com

اور اس کی حسین آنکھوں سے غیظ وغضب کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ وہ پہلے بھی حسین تھی لیکن اس وقت عزم واستقامت اور عظمت وجبروت کے حسنِ معنوی نے اس کے اندر فرشتوں کی سی ایک ہیبت جمیل پیدا کر دی تھی۔

اُس نے پہلے رومیوں کے لشکر اور اُن کے ساز و سامان کی طرف ایک نظرِ حقارت ڈال کر تذلیل کی۔ پھر رُومی سپہ سالار کی طرف دیکھ کر کہا:۔

"اے ظالم رومیو! تم خوش ہو کہ تم نے ہماری بربادی وہلاکت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ لیکن تم بھول گئے کہ دنیا کی ایسی ظالمانہ خوشیاں ہمیشہ سے عارضی ہوتی ہیں۔ اس وقت کو دور نہ سمجھو جب تمہاری ہلاکت وبربادی کا وقت بھی آئیگا۔ اور گو اُس وقت کو دیکھنے کے لئے ہم نہ ہونگے۔ مگر ہمارے اجسامِ سوختہ کی خاکستر اور قرطاجنہ کی جلی ہوئی دیواروں کے ذرّے موجود ہونگے"!

پھر وہ اپنے شوہر کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے آنے والے وقت سے بے خبر اس کی چھاتی سے لپٹے ہوئے تھے۔ جب کہ اُس نے کہا۔

"اے ہسڈروبال! اے خائنِ ملت! اے شقی روسیاہ! اے وہ کہ تونے اپنی قوم اپنے مقدس وطن اور اپنے دیوتاؤں سے بے وفائی کی! یاد رکھ کہ قرطاجنہ کی جلی ہوئی دیواروں کی خاک کا ہر ذرّہ تجھ پر لعنت بھیج رہا ہے اور قیامت تک کے لئے تیری رُوحِ سفیہہ اور ہستیٔ نجس پر انسانوں کی پھٹکار ہو گی! تو نے اپنوں کو فاقہ ومرت کی حالت میں چھوڑ کر غیروں کی اطاعت کر لی! تو نے اپنی اس جماعت کو چھوڑ کر جو تیرے قدموں پر سر رکھے ہوئے تھی، اس روم کے ملعون ظالم قدموں تلے جگہ ڈھونڈی۔ تو نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا تاکہ وہ فاقہ وتشنگی سے ہلاک ہو اور خود روٹی کے ایک ٹکڑے اور پانی کے ایک کوزے کے لئے غیر قوموں کی ٹھوکریں کھانے کے لئے چلا آیا! بتلا کہ تو نے دیوتاؤں کی مقدس قسم، قوم کی وفاداری، اور وطن کی

Marfat.com

محبت کو بیچ کر کیا پایا؟ اس حیاتِ فانی کی چند گھڑیاں، جو ممکن ہے کہ ابھی ہی ختم ہو جائیں؟ روٹی کا ایک ٹکڑا اور پانی کے چند قطرے، جو تو نو سو قرطاجنوں کی بھوک اور تڑپ کو بھول کر اپنے حلق کے نیچے اتارتا تھا؟ یا پھر دنیوی عزت اور کامرانی کا کوئی وعدہ، جو اس رومی سپہ سالار نے تجھ سے کیا ہے؟ لیکن اے شقی و سفیہ! بتلا کہ جب تیری قوم میں سے ایک فرد بھی اس دنیا میں باقی نہ رہا، جب تیرا ملک آگ کے شعلوں کا ایندھن بن گیا، جب قرطاجنہ کی ہزار سالہ نسل نابود و فنا ہو گئی۔ تو پھر دنیا میں تیرے لئے، تن تنہا تیرے لئے، اے لعین و روسیاہ تیرے لئے، کونسی شے ہے جو عزت اور خوشی کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ کیا یہ ظالم رومی تیرے سر پر رومتہ الکبریٰ کے تخت کا تاج رکھ دینگے؟ پھر اگر وہ رکھ بھی دیں تو تیری تمام قوم کے مٹ جانے کے بعد وہ تاج تجھ کو کیا خوشی دے سکتا ہے؟ ہزار تف ہو تجھ پر اے مسٹر روبال، کہ تیری زندگی تیری قوم کے کام نہ آئی!! اور قیامت تک کے لئے پھٹکار ہو ہر اس زندگی پر، جو تیرے نقش قدم پر چلے، اور حیات دنیویہ کی فانی لذتوں اور نفس و جان کے آرام و راحت کے لئے اپنی قوم اور اپنے ملک سے بے وفائی کرے"!

شدتِ غیظ و غضب سے اس کا تمام جسم کانپنے لگا، اور جب اپنی قوم کی یکسر بربادی و ہلاکت یاد آئی تو درد و غم کے وفور سے اس کی آواز بند ہو گئی۔

چند لمحوں تک اُس نے سکوتِ قہر کے ساتھ اپنے بدبخت شوہر کو دیکھا، پھر ایک نگاہِ اشک آلود اپنے اُن بچوں پر ڈالی، جو اس کے ارادے سے بے خبر، اور کئی دنوں کے متصل فاقے سے زار و نزار ہو کر اس کے منہ کو مظلومانہ تک رہے تھے۔

وہ کسی مخفی ارادے کا فیصلہ کر کے استقلالِ آہنیں کے ساتھ آگے بڑھی، بچوں کو گود سے اتار کر اپنے سامنے کھڑا کیا اور اپنے جنسی ضعف و صوتِ نسائی کے خلاف،

Marfat.com

شہنشاہوں اور فاتحوں کی آواز میں گرج کر بولی۔

"تیری اصلی سزا کا وقت دور نہیں ہے جب کہ قرطاجنہ کا مقدس دیوتا اپنی عدالت میں تجھے کھڑا کرے گا! لیکن اس وقت بھی تیرے لئے ایک عذاب الیم در پیش ہے۔ پھر بتلا کہ جب تو مجھے، اور اپنے ان بچوں کو آگ میں جلتا ہوا اور موت کے احتضار سے تڑپتا ہوا دیکھے گا، تو تیرے پاس کیا عذر ہوگا؟ کون ہے جو تجھ کو اس معائنۂ تعذیب اور اس نظارۂ الیم سے بچائے گا؟ یہ تیرا معبود رومی جس کے قدموں کی ٹھوکر کھانے کا تجھے فخر ہے، تجھ کو روٹی دے سکتا ہے، پر اس عذاب سے تو نہیں بچا سکتا"!

رُومی سپہ سالار، ہزاروں افسرانِ جنگ، اور قشونِ محاصرہ، اس طرح ساکت و صامت تھے، گویا ان کے ظالم دلوں کی طرح آج ان کے اجسام بھی پتھر کے بت بن گئے ہیں! اسڈروبال کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، مگر کانوں میں سمندروں کی روانی، جنگلوں کی سنسناہٹ اور درندوں کی مہیب بولیوں کی سی متوحش صدائیں آرہی تھیں۔ وہ اپنی بیوی کو، جس کا پیکرِ حسن اس وقت ایک فرشتۂ عذاب کی طرح اس کے سامنے تھا، دیکھ رہا تھا، لیکن نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ کیا ہے؟

شہدائے ملت کی یاد میں آخری قطرۂ اشک اس کی بیوی نے ایک مرتبہ قرطاجنہ کے جلے ہوئے کھنڈر کو جی بھر کے دیکھا، پھر اپنی قوم اور اپنے ملک کی یاد میں ایک آخرین قطرۂ اشک بہایا، اس کے بعد اپنے دونوں بچوں کا گلا گھونٹ کر آگ میں ڈال دیا اور ان کے بعد خود بھی آگ میں کود کر، اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں روپوش ہوگئی!!

اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان

Marfat.com

اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان

۱۵ جولائی، ۲۲ جولائی سنہ ۱۹۱۴ء

Marfat.com

اَوْلِيَآءُ اللّٰهِ و اَوْلِيَآءُ الشَّيْطٰنِ

قرآنِ حکیم کے تدبر و مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق و باطل، ایمان و کفر، نور و ظلمت، تعلق علوی و رشتۂ سفلی اور اعمالِ صالحہ و کاروبارِ مفسدہ و سیئہ کے اختلاف کے اعتبار سے دو بالکل متضاد اور باہمدگر مخالف گروہ دنیا میں ہمیشہ سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور جب کبھی حق و باطل کا معرکہ گرم ہوتا ہے تو انہیں دو جماعتوں کی قطاریں ایک دوسرے کے مقابل میں صف آرا ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم نے مختلف ناموں سے ان دونوں جماعتوں کا ذکر کیا ہے۔ اور جا بجا ان کے آثار و علائم اور خواص و اعمال کی تشریح کی ہے۔ مثلاً ۲۲ سے زیادہ مقامات میں ایک ایسی جماعت کا ذکر کیا ہے جس نے اپنے دلوں کو حق کے قبول کے لئے مستعد کر لیا ہے۔ اور جو اپنی تمام قوتوں اور تمام جذبوں سے اللہ اور اس کی صداقت کو چاہنے والی اور پیار کرنے والی ہے۔ اور اس لئے اللہ نے بھی اسے اپنا دوست بنا لیا ہے۔

اس جماعت کو "اولیا اللہ" کے لقب سے پکارا گیا ہے یعنی وہ خدا کے دوست ہیں۔ اور اس کے چاہنے والوں کے گروہ میں داخل ہیں۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں فرمایا:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ	اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی (دوست) ہے
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ	وہ انہیں تاریکی سے نکال کر روشنی میں
(۲ - ۲۵۷)	لاتا ہے۔

Marfat.com

وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (۳-۶۸) اور اللہ مومنوں کا ولی یعنی دوست ہے۔

سورۂ جاثیہ میں متقین کہا:۔

وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ اللہ متقی انسانوں کا ولی ہے۔

سورۂ اعراف میں صالحین کہا:۔

وَهُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ (۵-۱۹۵) اللہ صالح انسانوں کا دوست ہے۔

اولیاء اللہ کی پہچان سورہ جمعہ میں اس گروہ کی ایک آزمائش بتلائی جس میں پڑھ کر معلوم ہو جائے گا کہ کون اولیاء اللہ میں سے ہے اور کون اولیاء الشیطان میں سے۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۶۲-۶)

اے پیغمبر یہودیوں سے کہہ دو کہ اگر تم کو اس بات کا دعویٰ ہے کہ تمام بندوں میں سے تم ہی اللہ کے ولی اور دوست ہو تو اس کی آزمائش یہ ہے کہ خدا کی راہ میں موت کی آرزو کرو۔ اگر تم سچے ہو گے تو ضرور ایسا ہی کرو گے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کے دوستوں کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے۔ کہ جب انہیں جان دینے اور زندگی اور اس کی لذتوں سے دست بردار ہو جانے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ لبیک کہتے ہوئے اس طرح دوڑتے ہیں۔ گویا بھوکوں کو غذا کی اور پیاسوں کو پانی کی پکار سنائی دی۔ پر جو جھوٹے ہیں وہ اللہ کی ولایت سے محروم، وہ انکار کر دیتے ہیں۔ اور یہ اُن کے جھوٹے ہونے کی مُہر ہے جو خود انہوں نے اپنے اوپر لگا دی ہے۔

وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ

اور یہ اللہ اور اس کی صداقت کی دوستی کا جھوٹا دم بھرنے والے کبھی بھی موت کی تمنا کرنے والے نہیں۔ کیونکہ انہوں نے ایسے کام کئے ہیں جو انہیں موت کے تصور سے ڈراتے ہیں اور زندگی کی مہلت کو غنیمت سمجھے ہوئے ہیں۔

موت کی تمنا سے مقصود ہرگز یہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی موت کو پکارے اور اس کے لئے التجا کرے۔ اللہ کا مقصود اس سے یہ تھا کہ سچے اور جھوٹے آدمی کی پہچان کے لئے ایک کسوٹی دیدے۔ پس فرمایا کہ اگر خدا کے دوست ہو تو موت کی تمنا کرو۔ یعنی اس کے لئے اور اس کے کلمۂ حق کے لئے ایسے کاموں میں پڑو جن میں جان دینے، اپنا خون بہانے، اپنے جسم کو طرح طرح کی مہلک مشقتوں میں ڈالنے اور زندگی کے عیش و نشاط سے محروم ہونے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد پھر خود ہی فیصلہ کیا کہ یہ کام اولیاء اللہ کا ہے۔ اولیاء الشیطان کبھی کبھی ایسا نہیں کرینگے۔ کیونکہ یہ موت کے نام سے ڈرتے اور کانپتے ہیں۔ اور زندگی کے عیش میں پاگل ہو گئے ہیں۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۶۲-۸)	ان سے کہدو کہ اے نفس پرستو جس موت سے کہ تم اس قدر بھاگتے ہو، وہ کچھ تمہیں چھوڑ نہ دے گی۔ ایک دن ضرور ہی آئیگی۔ پھر تم اسی خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے

لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ | سورۂ یونس میں ان کی ایک بہت بڑی علامت یہ تبلائی کہ اُن کے لئے خوف اور غم نہ تو دنیا میں ہوتا ہے اور نہ آخرت میں۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۚ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۚ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (۱۰-۶۲)	یاد رکھو کہ اولیاء اللہ پر نہ تو کسی طرح کا ڈر اور خوف طاری ہوگا۔ اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ پر سچی روحوں کی طرح ایمان لائے اور اپنے اعمال میں اس کا خوف پیدا کیا۔ پس اُن کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ یہ اللہ کا

Marfat.com

قانون ہے اور اللہ کے کلمات میں ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ انسان کے لئے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

دار السلام | سورۂ انعام میں ان ارباب حق کا ذکر کیا جن کے دلوں کو خدا نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ اور جو ان لوگوں کے مقابلے میں ہیں جن کے دل فشار کفر و ضلالت سے اس قدر تنگ ہو گئے ہیں کہ اب ان کا انشراح روحانی ہو ہی نہیں سکتا۔ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا اس کے بعد اول الذکر جماعت کے لئے بشارت دی۔

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ	اُن کے پروردگار کے پاس ان کے لئے امن
وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	اور سلامتی کا گھر ہے۔ اور ان کے نیک عملوں
(۶-۱۲۷)	کے صلے میں وہی ان کا ولی ہے۔

قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ | سورہ حٰم سجدہ میں ان مومنین کاملین کا حال بیان کیا ہے جنہوں نے پہلے مقام عبودیت و اعتراف ربوبیت حاصل کیا۔ پھر مقام استقامت و ثبات عمل و ایمان تک مرتفع ہوئے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اُن کی نسبت فرمایا کہ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یعنی ایسے صاحبانِ استقامت و کاملین پر نزولِ ملائکہ ہوتا ہے۔ جو طمانیت اور سکینت و بے خوفی و بے غمی کا مقام اُن پر طاری کر دیتے ہیں جس نعمت جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی انہیں بشارت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	ہم تمہارے مددگار ہیں دُنیا میں بھی اور آخرت
وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا	میں بھی اور تمہیں اس حیاتِ بہشتی میں
تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا	ہر طرح کا اختیار اور حکم بخش دیا گیا ہے جس
تَدَّعُوْنَ ۞ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ	چیز کو تمہارا جی چاہے تمہارے لئے مہیا ہے

Marfat.com

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝	اور جو نعمت اللہ سے مانگو گے تمہیں عطا ہوگی یہ مقام تمہیں خدائے غفور الرحیم کی طرف سے عطا ہُوا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر

اور کس کی بات ہو سکتی ہے۔ جو اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دے اور اعمال صالحہ اختیار کرے نیز کہے کہ میں مسلم ہوں۔

اَوْلِيَاۗءُ الشَّيْطٰنِ لیکن اس جماعت کے مقابلے میں ایک دوسری جماعت ہے۔ جو اپنے خواص و اعمال میں بالکل اس کی ضد اور مخالف واقع ہوتی ہے۔ قرآن کریم اسے "اولیاء الشیطان" سے تعبیر کرتا ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام قوتیں جو تعلق الٰہی اور رشتۂ حق و صداقت کے مخالف ہیں۔ شیطانی قوت ہیں۔ اور ان میں ہر قوت اور ہر عمل شیطان لعین کا ایک مظہر خبیث ہے۔ پس جو لوگ حق و عدالت کی راہ روشن سے ہٹ کر اعمال باطلہ کی تاریکی میں گم ہو گئے ہیں۔ اور اللہ کا رشتہ اُن کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ وہ خواہ کسی حال اور کسی شکل میں ہوں لیکن درحقیقت شیطان کے ولی، اُس کے پرستار، اُس کی نسل کے چاکر، اور اس کی بادشاہت کے غلام ہیں۔ یہی وہ شیطان کی ولایت اور پرستش ہے جس کے متعلق بنی آدم سے ربوبیت الالٰہیہ نے عہد لیا تھا۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (۳۶-۵۹)	اے اولاد آدم۔ کیا ہم نے تمہیں تاکید نہیں کر دی تھی کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ صرف ہماری ہی بندگی کرنا۔ یہی انسان کے لئے سیدھا راستہ ہے۔

چنانچہ سورۂ اعراف میں صاف صاف اس کی تصریح کی:۔

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ	خدا نے دو فرقوں میں سعادت و شقاوت کو تقسیم کر دیا۔ اُس نے ایک جماعت کو ہدایت دی ہے۔ اور ایک فریق ہے کہ گمراہی اس پر

Marfat.com

أَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ (۷ - ۲۸) چھا گئی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں (یعنی دوسری جماعت کے گمراہ) کہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا ولی بنا لیا ہے۔ اور بایں ہمہ اس زعم باطل میں گرفتار ہیں کہ وہی راہِ راست پر چل رہے ہیں۔

اسی سورت میں اس سے کچھ پہلے ایمان و مومنین کے مقابلہ میں "اولیاء الشیطان" کا ذکر کیا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۷ - ۲۷) ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا ولی یعنی آشنا و ہمدم بنا دیا ہے۔ جو ایمان سے محروم ہیں۔

معرکۂ قتال و جدال | پس اِس آیت سے صاف صاف ہمارا استدلال واضح ہو گیا یعنی دو فرقے ہیں۔ جن میں سے ایک کو خدا نے اولیاء اللہ کے نام سے پکارا اور دوسرے کی نسبت تصریح کی کہ اُس نے شیطان کو اپنا ولی بنا لیا ہے۔

سورۂ کہف میں شیطان کا ذکر کر کے فرمایا:۔

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا (۱۸ - ۵۰) آیا تم ہم کو چھوڑ کر شیطان کو اور اس کی نسل کو اپنا ولی بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارا دشمن ہے۔ ظالموں کیلئے یہ کیا ہی برا بدلہ ہے۔ کہ وہ خدا کی جگہ نسلِ شیطانی کے ماتحت آ گئے۔

پس ایک طرف تو اولیاء اللہ ہیں اور دُوسری طرف اولیاء الشیطان۔ اولیاء الشیطان کے بھی مثل اولیاء اللہ کے مختلف مدارج و مراتب ہیں۔ آخری مرتبہ درجۂ "کفر" ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا اضل و اشقی گروہ "الکافرین" کا ہوتا ہے۔ یہ دونوں جماعتیں ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا رہتی ہیں۔ اور باہم معرکۂ جنگ و قتال گرم رہتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ پس جو لوگ مومن اور اللہ کے ولی ہیں، وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ مگر جن لوگوں

سَبِيلِ الطَّاغُوتِ | نے "کفر" اختیار کیا وہ "طاغوت" کی راہ میں
(۴-۷۶) | لڑنے کے لئے نکلتے ہیں۔

طاغوت "طاغوت" سے مراد بھی قوتِ ابلیسی و شیطانی اور اس کے مختلف مظاہر ہیں۔ خواہ وہ پتھر کے بت ہوں یا بولنے والے انسان اسی لئے سورہ بقر کی آیت کریمہ میں اولیاء اللہ کا ذکر کرکے اولیاء الشیطان کی نسبت فرمایا کہ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ جن لوگوں نے حق سے انکار کیا، ان کا دوست اور ولی خدا نہیں ہے طاغوت ہیں۔

حکمِ قتال غرض کہ پہلی جماعت اللہ کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنے کے لئے نکلتی ہے۔ اور دوسری جماعت شیطان کی راہ میں جنگ و قتال کرنے کے لئے:

فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ	پس اولیاء الشیطان کو قتل کرو۔ تاکہ دنیا
كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ٥	ظلم و فساد سے نجات پائے اور صرف اللہ
(۴-۷۶)	کے لئے ہو جائے۔ شیطان کے مکر و فریب

خواہ کتنے ہی مہیب و ڈراونے نظر آئیں تاہم یقین کرو کہ اولیاء اللہ کے مقابلے میں بالکل کمزور و ضعیف ہیں"۔

اگر ان تمام آیتوں کو جمع کیا جائے جن میں ان متضاد اور مخالف دو جماعتوں کے خواص و اعمال کا اور ان کی پہچان کی نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ تو مضمون اس قدر بڑھ جائے کہ اصل مطلب کی گذارش کی نہیں معلوم کتنی اشاعتوں کے بعد نوبت آئے پس میں نہایت اختصار سے کام لوں گا اور صرف اشاراتِ موجزہ پر اکتفا کروں گا۔

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ازانجملہ اس جماعت کا ایک خاصہ یہ ہے۔ کہ جب کبھی اولیاء اللہ اسے برائیوں اور معصیتوں سے روکتے ہیں۔ تو وہ کہتی ہے کہ

وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا	ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا۔ اور
بِهَا ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۖ	اسی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ان کے جواب
أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ٥ (۷-۲۸)	میں ان سے کہہ دو کہ خدا نے کبھی

Marfat.com

بھی اپنے بندوں کو برائیوں اور فواحش کا حکم نہیں دیا۔ کیا تم اللہ کی نسبت وہ باتیں کہتے ہو جنہیں نہیں جانتے۔

خسرانِ عاقبت | اولیاء الشیطان کی ایک بہت بڑی علامت یہ بھی ہے کہ کامیابی و فلاح انہیں نصیب نہ ہوگی۔ اور عاقبت کار گھاٹے ہی میں رہیں گے۔

وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ۔ یَعِدُھُمْ وَیُمَنِّیْھِمْ وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (۴-۱۸)	اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنایا۔ تو یقیناً برے ہی سخت گھاٹے میں پڑا۔ شیطان اپنے دوستوں اور پجاریوں سے طرح طرح کے وعدے کرتا اور بڑی بڑی امیدیں دلاتا ہے لیکن یاد رکھو کہ شیطان جو کچھ وعدے کرتا ہے اُن میں دھوکے اور فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔

تخویفِ شیطانی | شیطان اپنے ولیوں اور پجاریوں کے ذریعہ اللہ کے ولیوں اور پرستاروں کو ہمیشہ ڈراتا اور دھمکاتا رہتا ہے۔ مگر مومنوں کے لئے کوئی خوف نہیں۔

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَہٗ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۰ (۳-۱۷۵)	بے شک یہ شیطان تھا جس کا قاعدہ ہے کہ اللہ کے دوستوں کو اپنے دوستوں کی جماعت کا ڈراوا دکھلاتا ہے۔ مگر اے مسلمانو! تم اس سے ذرا بھی نہ ڈرنا۔ اگر تم سچے مسلمان ہو تو بس ہماری ہی حکومت کا خوف کرو۔

یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ | ایک بہت بڑا فرق حالت یہ بھی ہے۔ کہ اولیاء اللہ ایسے عہد میں ہوتے ہیں جب کہ حق اور سچائی محدود، مگر باطل اور فساد عام ہوتا ہے اور گمراہی کی تاریکی اس طرح پھیل جاتی ہے کہ کوئی گوشہ بھی پوری طرح روشن اور منور نہیں ہوتا۔ ایسی ہی سوسائٹی اور اسی طرح کے گرد و پیش میں وہ پرورش پاتے ہیں۔ اور انہیں خیال کو آنکھیں کھول کر ہر طرف دیکھتے ہیں۔ ان کے سامنے جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی یکسر گمراہی ہوتا

Marfat.com

ہے ان کے کان جو کچھ سنتے ہیں اُس میں بھی ضلالت ہی کی صدا اٹھتی ہے۔ اور دماغ فکر جو کچھ سوچتا ہے اس کا سامان بھی سرتاسر گمراہی و باطل ہی کے واسطے سے میسر آتا ہے۔

لیکن جب کہ وہ اس طرح چاروں طرف پھیلی ہوئی اندھیاری میں گھرے ہوتے ہیں تو یکایک خدا کا ہاتھ چمکتا ہے۔ اور انہیں گمراہی سے نکال کر حق و ہدایت کے اجالے میں لے آتا ہے۔ ان کی ہدایت کی مثال بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی معذور آدمی اندھیری رات میں ٹھوکروں سے قریب اور غاروں کے کنارے کھڑا ہو اور اندھوں کی طرح دیکھنے اور چلنے سے معذور ہو گیا ہو۔ اتنے میں ایک واقف راہ اور باخبر ناگہاں ظاہر ہو کر اس کا ہاتھ تھام لے اور ٹھوکروں سے بچاتے ہوئے اور گڑھوں اور غاروں سے نگرانی کرتے ہوئے ایک سیدھے اور محفوظ شاہراہ سے منزل مقصود تک پہنچا دے۔ یا یُوں سمجھنا چاہیئے کہ جب کہ گمراہی اور باطل پرستی کی رات آنکھوں کو اندھا اور بصارت کو بے فائدہ کر دیتی ہے تو اس وقت خدا تعالیٰ اپنے دوستوں کے لئے ہدایت کا سورج چمکا دیتا ہے۔ اور ان کے دلوں کا اس کی روشنی کے اخذ و انعکاس کے لئے انشراح کر دیتا ہے!

لیکن جو لوگ قوائے الہیہ کی جگہ قوائے شیطانیہ کو اپنا مولیٰ اور آقا بناتے ہیں اور شیطان کے عاشقوں اور پیار کرنے والوں کے جرگے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ سو ان کی حالت ان لوگوں کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ پہلی جماعت تاریکی سے نکل کر روشنی میں آتی ہے۔ پر یہ جماعت روشنی سے نکال کر تاریکی میں ڈالی جاتی ہے۔ پہلی جماعت کی اصلی اور ابتدائی حالت تاریک ہوتی ہے۔ مگر اللہ انہیں سعادت و ہدایت کی نورانیت میں نکال لاتا ہے۔ دوسری جماعت کے لئے ابتدا میں تو ہدایت و سعادت موجود ہوتی ہے لیکن بعد کو شیطان سعادت سے نکال کر شقاوت میں دھکیل دیتا ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرکی آیت کریمہ اوپر گذر چکی ہے اُس کے لفظوں پر غور کرو:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ　　　اللہ مومنوں کا دوست اور ولی ہے۔ وہ انہیں

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ يُخۡرِجُوۡنَهُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ

تاریکی سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ مگر جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی انکے دوست طاغوت ہیں۔ جو انہیں اللہ کی روشنی سے نکال کر شیطان کی اندھیاری میں ڈالتے ہیں

اولیاء اللہ کی نسبت کہا کہ یُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ اور اولیاء الشیطان کے لئے کہا:۔ يُخۡرِجُوۡنَهُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ

وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ | ایک علامت ان کی یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے زعم باطل میں اپنے تئیں حق و ہدایت پر سمجھتے ہیں۔ اس کا انہیں بڑا دعویٰ ہے اور بڑا ہی گھمنڈ۔ حالانکہ وہ ہدایت سے اس قدر دور ہوتے ہیں جس قدر باوجود اتصال کے روشنی سے تاریکی:

اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ (۷-۳۰)

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانی قوتوں کو اپنا دوست بنالیا ہے۔ بایں ہمہ اس زعم باطل میں گرفتار ہیں کہ وہی راہ ہدایت پر ہیں۔

وحی شیطانی | شیاطین ہمیشہ اپنے اولیا پر وحی کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ خدا کے دوستوں سے شیطانی الہامات کے مطابق بحث و جدل کر سکیں۔ اور انہیں اللہ کی بادشاہت سے نکال کر شیطانی حکومتوں میں داخل ہونے کی ترغیب دیں۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ لَيُوۡحُوۡنَ اِلٰٓى اَوۡلِيٰٓـئِهِمۡ لِيُجَادِلُوۡكُمۡ ۚ وَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ اِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُوۡنَ ۝ (۶-۱۲۱)

اور شیاطین اپنے ولیوں کی طرف وحی کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ وہ تمہارے ساتھ شیطانی القا کے بموجب بحث و جدل کریں۔ لیکن اگر تم نے ان کی باتوں کی اطاعت کر لی تو جان رکھو۔ کہ پھر تمہارا شمار بھی مشرکوں میں ہوگا!

حزب اللہ و حزب الشیطان | قرآن کریم ان دو جماعتوں کو ایک دوسری اصطلاح سے

Marfat.com

بھی موسوم کرتا ہے۔ سورۂ مائدہ میں مسلمانوں کو اس سے منع کیا ہے کہ اللہ اور اس کی شریعت کے مقابلے میں یہود و نصاریٰ کو اپنا ولی بنائیں لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ اس کے بعد فرمایا کہ اگر لوگ اللہ کی دوستی کی راہ چھوڑ کر الگ ہو جائیں تو اسلام کے کاموں کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔ خدا ایک دوسری جماعت سچے مومنوں اور اپنے دوستوں کی پیدا کرے گا۔ جن کی ولایت الٰہی اور محبت ربانی یہاں تک بڑھی ہوگی کہ وہ اللہ کے چاہنے والے ہونگے اور اللہ ان سے پیار کرے گا يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ پھر کہا کہ

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ	مسلمانو! تمہارا دوست اللہ اور اس کا رسول
آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ	ہے۔ اور وہ مومن جو ایمان لا چکے ہیں۔ جو
وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ	صلوٰۃ الٰہی کو دنیا میں قائم کرتے ہیں۔ جو خدا
وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ	کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اور جو
آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ	ہر وقت اللہ اور اس کے حکموں کے آگے
الْغَالِبُونَ ٥ (۵-۵۶)	جھکے رہتے ہیں۔ پس جو شخص اللہ، اس کے

رسول اور مومنوں کا دوست و ولی ہو کر رہے گا۔ وہ "حزب اللہ" میں سے ہے۔ اور یقین کرو کہ "حزب اللہ" ہی کے لوگ غالب ہونے والے ہیں"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ کے ولی اور اس کے دوست ہیں! ان کا ایک نام لسان اللہ الحکیم میں "حزب اللہ" بھی ہے۔ حزب کہتے ہیں گروہ اور جماعت کو حزب اللہ سے مقصود وہ لوگ ہوئے جو اللہ کی جماعت ہیں۔

چنانچہ سورۂ حشر میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی محبت کی راہ میں دنیا کے تمام رشتوں کی کچھ پروا نہ کریں۔ حتیٰ کہ ماں باپ اور عزیز و اقربا کی محبت اور دامن گیری کو بھی ہیچ سمجھیں، اور خدا کی پکار جب اُن کے کانوں میں پڑ جائے تو سب کو چھوڑ چھاڑ کر اسی کی طرف دوڑ جائیں تو ایسے لوگ "حزب اللہ" ہیں۔

Marfat.com

أُولَٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (۵۸-۲۲)

یہی لوگ حزب اللہ ہیں۔ سُن رکھو کہ یقیناً حزب اللہ ہی کے افراد فلاح پانے والے ہیں۔

جس طرح اولیاء اللہ کا ایک نام یا ایک درجہ "حزب اللہ" اسی طرح اولیاء الشیطان کا بھی دوسرا نام "حزب الشیطان" ہے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَأَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۚ أُولَٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝ (۵۸-۱۹)

شیطان اور اس کی قوتیں ان پر مسلط ہو گئی ہیں پس انہوں نے خدا کے ذکر اور رشتے کو فراموش کر دیا ہے۔ یہی لوگ حزب الشیطان ہیں۔ اور جان رکھو کہ حزب الشیطان کے لئے آخر کار نقصان اور خسران ہی ہے

اصحاب النار و اصحاب الجنة | اور یہی وہ دو جماعتیں ہیں جن کو صدہا مقامات میں "اصحاب النار" اور "اصحاب الجنة" کے لقب سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ اور ان کے اعمال و خواص کی جا بجا توضیح کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ والی آیت کو ایک بار اور پڑھو۔ اور اس کے بقیہ ٹکڑے کے الفاظ پر غور کرو:

وَالَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمٰتِ ۗ أُولَٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝ (۲-۲۵۷)

اور جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی۔ سو اُن کے اولیاء طاغوت ہیں۔ جو انہیں نور و ہدایت سے نکال کر ظلمات ضلالت میں مبتلا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اصحاب النار ہیں۔ اور ہمیشہ دوزخی عذابوں میں رہیں گے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے اولیاء و سردار "طاغوت" ہوں (طاغوت سے مراد بھی شیطان اور اس کے خلفاء و مظاہر ہی ہیں) تو ایسے لوگ "اصحاب النار" ہیں۔ کیونکہ ان کی زندگی ہمیشہ آگ میں جلتے رہنے کی اور سوختنی ہوگی۔ رُوح کی راحت اور دل کا سکھ

اُنہیں نصیب نہ ہوگا۔ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○

اس آیتِ کریمہ میں خاص طور پر اولیاء اللہ کو جنّت کی بشارت دی گئی ہے۔ پس فی الحقیقت وہی اصحاب الجنہ بھی ہیں کیونکہ ان کی حیاتِ دنیوی و دینی، جسمی و روحی، ظاہری و معنوی ہر حال اور عہد و دَور میں کامیابیوں، فتحمندیوں، آرام و راحت، نعائم و لذائذ اور عیش و نشاط کی زندگی ہوگی۔

اعمال و خصائص سورۂ یونس میں اصحاب الجنہ و اصحاب النار کی تعریف پوری وضاحت کے ساتھ بتلادی ہے۔ اور یہ بھی واضح کردیا ہے کہ دونوں جماعتوں کے اعمال کیسے ہیں۔ اور کن نتائج کی بنا پر ایک کو جنت والوں کی اور ایک کو نار والوں کی زندگی ملتی ہے

اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○	اور جن لوگوں نے دنیا میں اچھے اور بھلائی کے کام کئے انہیں نیک کاموں کے بدلے میں ویسی ہی بھلائی اور فلاح ملے گی۔ بلکہ انکے حق سے بھی زیادہ ملے گی۔ ان کو کبھی بھی

ناکامی کا غم، شکست کی رسوائی اور نامرادی و ذلیل کی ذلت پیش نہ آئے گی۔ یہی لوگ اصحاب الجنہ ہیں۔ جو ہمیشہ بہشتی زندگی میں رہیں گے۔

اس کے بعد دوسرے گروہ کی حالت بتلائی:۔

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ط مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓئِكَ	اور جن لوگوں نے دنیا کے کاموں میں برائی حاصل کی۔ اور بدی کا راستہ اختیار کیا۔ تو بہ ظاہر ہے کہ فطرت الٰہی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی سے دے گی۔ ذلت اور نامرادی سے اُن کے چہرے ایسے کالے پڑجائیں گے گویا

Marfat.com

اَصۡحٰبُ النَّارِ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ○   رات کی چادر ظلمت کا ایک ٹکڑہ پھاڑ کر اُن کے چہروں پر ڈال دیا گیا ہے۔ اللہ کے اس عذاب سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ یہی لوگ اصحاب النار ہیں جن کے لئے ہمیشہ دوزخی زندگی ہوگی۔

اِن دو آیتوں کی اگر اپنے مذاق کے مطابق تفسیر کروں تو ایک مستقل کتاب ہو جائے اسلامی تعلیم کی حقیقت اور قرآنِ حکیم کے اصولِ درس حقائق و معارف کا ایک بحرِ ذخار ہے۔ جو اِن دو چار جملوں کے اندر بند کر دیا گیا ہے۔ ختامه مسك و في ذٰلك فليتنافس المتنافسون۔

ثواب و عذاب کی حقیقت، نتائج افعال و مکافاتِ عمل کے فطری اور طبیعی اصول کی تشریح، مذہب و اخلاق کی اساسات اصلیہ اور امتیازاتِ عملیہ، قانونِ تعالی و تسفلِ بشری کے مبادی حقائق، اصحابِ جنت و اربابِ نار کی قدرتی تقسیم، فطرت کا قانون عمل بالمثل، اور انسان کے لئے راہِ معاد و ہدایت کی کلی اور اصولی تعلیم، غرضیکہ شریعت و اخلاق اور حکمت و تعلیم کی کوئی اصولی بحث ایسی نہیں ہے جو ان دو آیتوں پر متفرع نہ ہوتی ہو، اور ان کی طرف ایک واضح اور بیّن اشارہ ان میں نہ کر دیا گیا ہو۔ تاوقتیکہ تفسیر القرآن کی تحریر... کا مستقل انتظام نہ ہو ضمنی طور پر یہ چیزیں بیان میں نہیں آسکتیں۔

(۲)

مندرجہ بالا آیات کے درج کرنے سے مقصود یہ تھا۔ کہ "اصحاب الجنۃ" اور "اصحاب النار" کی کھلی کھلی تقسیم کر کے ان کے کاموں اور کاموں کے نتائج کو صاف صاف بتلا دیا ہے۔ پس یہ دو آیتیں میری بحث و استدلال کی اصل و اساس ہیں۔ ان سے واضح ہوگیا کہ دونوں گروہ بالمقابل اور بالضد واقع ہوئے ہیں۔ ایک کے لئے کامیابی، فتح و مراد اور فوز و فلاح ہے۔ اور ذلت و رسوائی سے ہمیشہ محفوظ ہے۔ دوسرے کے لئے شرمندگی خجالت، ناکامی اور ہمیشہ آگ میں سوکھی لکڑی اور خشک پتوں کی طرح جلنے کا عذاب الیم ہے۔

دونوں جماعتوں کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ "اصحاب الجنۃ" ہمیشہ کامیاب و فتحمند ہونگے اور اصحاب النار کے حصے میں ہمیشہ عاقبت کا اور انجام امور کا خسران و نقصان آئے گا۔

لَا يَسْتَوِيٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ	اصحاب الجنۃ اور اصحاب النار اپنے کاموں
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	اور ان کے نتیجوں میں ایک طرح نہیں ہو
هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ (۵۹ : ۲۰)	سکتے۔ اصحاب الجنۃ ہی کامیاب ہونے والے ہیں

موقع تفصیل کا نہیں تقریباً ۸۰ مقامات پر اصحاب النار اور اصحاب الجنۃ کے اعمال و علائم و آثار و نتائج بتفصیل بیان کئے گئے ہیں۔ پھر ان جماعتوں کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ اور اسی بنا پر اصحاب النار کو "اصحاب الجحیم" اور "اصحاب السعیر" بھی کہا گیا ہے۔ مگر میں بحث کو طول نہ دوں گا۔

تمام آیتوں کے جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نفوس مومنہ و صالحہ جو اعتقاد حق اور عمل صالح کے ساتھ متصف ہیں۔ اور جنہوں نے اللہ کے رشتے اور اللہ کے تعلق کے آگے تمام باطل اور خبیث قوتوں کے رشتوں کو توڑ ڈالا ہے۔ اور اس کی بخشی ہوئی قوتوں کو اسی کے بتلائے ہوئے صالح اور صحیح کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ سو ایسے تمام لوگ اصحاب الجنۃ میں داخل ہیں هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ہمیشہ ہر طرح کی کامیابیاں اور خوبیاں انہیں کے لئے ہیں لیکن جو لوگ اعتقاد حق اور عمل صالح سے محروم ہیں۔ اور اللہ کے تاج و تخت قدوس سے باغی ہو گئے ہیں، خواہ کسی بھیس اور کیسے ہی روپ میں ہوں لیکن وہ سب کے سب اصحاب النار میں داخل ہیں۔ اُن کے تمام کاموں کے لئے آگ کی تپش اور سوختنی کے سوا اور کچھ نہیں ہے جنگل کی سوکھی لکڑی اور درختوں کے خشک پتے جس طرح بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جلتے ہیں۔ ٹھیک ٹھیک اسی طرح وہ بھی جلیں گے۔

اصحاب المیمنہ و اصحاب المشئمہ پھر ایک اور تقسیم بھی ہے جو ان دو جماعتوں کے متعلق

قرآنِ حکیم میں نظر آتی ہے بعض خاص حالات وخصائص کی بناپر انہیں اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ کے ناموں سے بھی موسوم کیا گیا ہے یعنی دہنی جانب کی جماعت اور بائیں جانب کا گروہ

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ

اصحاب المیمنہ اور اصحاب المیمنہ کے مدارج کا کیا کہنا کہ بڑے ہی عالی مرتبہ ہیں اور اصحاب المشئمہ اور اصحاب المشئمہ کی بدبختیوں کو کیا کہئے کہ ان کی کوئی حد وانتہا ہی نہیں اور پھر سابقون السابقون کہ درگاہِ الٰہی کے وہی مقرب بندے ہیں

یہاں تین جماعتوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلی دو جماعتیں اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ ہیں اور تیسری "السابقون السابقون" چنانچہ اس سے پہلے کہہ دیا ہے کہ: وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً۔

"سابقون السابقون" سے وہی لوگ مراد ہیں جن کی نسبت سورہ انبیاء میں فرمایا ہے:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لیکن اس جماعت کا حال میں یہاں نہیں لکھوں گا۔ مقصود صرف پہلی دو جماعتیں ہیں۔ ان جماعتوں کے اعمال وخصائص کی تشریح یہاں تو نہیں کی گئی۔ لیکن سورۂ بلد میں صاف صاف بتلا دیا ہے:۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ (۹۰: ۱۲)

تم سمجھے کہ ہم نے جو یہاں "عقبہ" کا لفظ کہا ہے سو اس سے کیا مقصود ہے؟ عقبہ سے مراد یہ ہے کہ انسان کی گردن کو غلامی کے پھندے سے چھڑا دینا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور یتیم کی (علی الخصوص جب کہ اپنے قریبی لوگوں میں سے ہو) اور محتاج ومسکین کی مدد کرنا۔ پس جو انسان کہ اپنی بڑائی کا مدعی ہے

اُسے چاہئے تھا کہ آزمائشی گھاٹی کی منزل سے گذرتا اور اس کے علاوہ اس جماعت کے لوگوں میں ہوتا جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر و برداشت کرنے کی اور باہم رحمت کی وصیت کرتے ہیں۔ یہی لوگ "اصحاب المیمنۃ" ہیں۔

اس کے بعد دوسرے گروہ کے کاموں اور نتائج کی تعریف بیان کی۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ؕ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۟ (۹۰: ۱۷)

مگر جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو ہماری تعلیمات کو ہمارے احکام کو، اور ہماری بھیجی ہوئی ہدایت کو قول سے اور عمل سے جھٹلایا تو وہ لوگ "اصحاب المشئمۃ" ہیں۔

ان آیات سے پہلے انسان کی خلقت کے ضعف اور پھر نفسِ دعویٰ کی ابلہانہ گمراہی کا ذکر کرکے غافل انسانوں کو ملامت کی ہے اور کہا ہے کہ خدا نے انسان کے آگے ہدایت و ضلالت دونوں راہیں کھول دی ہیں۔ اُسے دیکھنے، سوچنے، امتیاز کرنے کے لئے عقل و تمیز بھی دے دی ہے۔ پس باوجود اس کے کہ یہ کیسی شقاوت ہے، کہ ہدایت کی راہ چھوڑ کر ضلالت کا راستہ اختیار کیا جائے۔ اور اللہ کی آیات و بصائر سے بالکل آنکھیں بند کر لی جائیں۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ اس گمراہ انسان کو دیکھو، جو بڑے بڑے دعوے اور گھمنڈ کی باتیں کرتا ہے پر آزمائش کی اس گھاٹی تک کو طے نہ کر سکا جو انسان کی ہدایت کی پہلی منزل ہے۔ یہاں اصلی لفظ "عقبہ" کا آیا ہے۔ اس کے معنی دشوار گذار کام یا گھاٹی کے ہیں۔ کیونکہ اصحاب المیمنہ کے کاموں میں دشوار اور مشکل امتحانات میں ہیں اس لئے انہیں "عقبہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ "اصحاب المیمنہ" کے کاموں کے دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ جو اس سفر میں بطور آزمائش کی ایک گھاٹی (عقبہ) کے ہے۔ کہ بندگانِ الٰہی کو غلامی و محکومی سے نکالنے کے لئے سعی کرنا۔ اور ان کی گردنوں کو انسانوں کے تسلط و حکومت کے

Marfat.com

بوجھ سے آزاد کرانا۔ نیز اپنے مال کو مسکینوں، محتاجوں اور یتیموں کے لئے خرچ کرنا اور بھوکوں کو افلاس وفقر کے زمانے میں کھانا کھلانا ہے۔ جب اس منزل سے گزر جائیں تو اس کے بعد دوسری منزل آتی ہے جسے تواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہی مقام ہے جسے سورۂ عصر میں وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کہا ہے تمام وہ فضائل واعمال جن کے لئے ضرف قوی وتحمل مصائب، ونظارۂ آلام وثبات واستقامت کی ضرورت ہے۔ مفہوم "صبر" میں داخل ہیں۔ "مرحمہ" سے مقصود تمام اعمال حسنہ وفاضلہ ہیں والقصہ بطولہا "اصحاب المشئمہ" ان دونوں مقاموں سے محروم ہوتے ہیں۔ یہی ان کی علامت ہے۔

"اصحاب المیمنہ" کو اصحاب الیمین بھی کہا ہے۔ اور اصحاب المشئمہ کو اصحاب الشمال کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ چنانچہ سورہ واقعہ میں اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ کا ذکر آگے چل کر یوں کیا گیا:

وَاَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ؕ فِیۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ ۙ وَّ طَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ۙ وَّ ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ۙ وَّ مَآءٍ مَّسۡکُوۡبٍ ۙ وَّ فَاکِہَۃٍ کَثِیۡرَۃٍ ۙ لَّا مَقۡطُوۡعَۃٍ وَّ لَا مَمۡنُوۡعَۃٍ ۙ

اصحاب الیمین کے لئے باغ وبہار کی دائمی خوشیاں اور نظارے ہیں جو نہ تو کبھی روکے جاسکیں گے اور نہ کبھی اُن کا سلسلہ ٹوٹے گا۔

اور پھر کہا کہ:۔

اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ؕ فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ ۙ وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ۙ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیۡمٍ ۙ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ

یعنی اصحاب الشمال وہ ہیں کہ اُن کے لئے تپش وسوزش اور کھولتے ہوئے پانی کی سی گرمی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ پہلے بڑے آسودہ حال تھے مگر پاداشِ عمل میں اُن کا یہ حال

Marfat.com

ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ؕ ہوگیا۔

پہلی آیت میں لا مقطوعۃ ولا ممنوعۃ اور دوسرے میں انہم کانوا من قبل ذلک مترفین قابل غور ہے۔

دعوۃ الی اللہ و دعوۃ الی الشیطان | ایک اہم موضوع بحث ان دونوں جماعتوں کے خصائص واعمال، آثار ونتائج اور عوائد وعواقب کا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں جماعتیں باہم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس لئے ان کے تمام کام بھی ایک دوسرے سے بالکل متضاد ومخالف واقع ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم نے اس کثرت سے اُن کے متضاد ومتبائن خصائص واعمال کا جابجا ذکر کیا ہے کہ اگر اُن سب کو یکجا کیا جائے تو اقلاً سو آیتیں ضرور ہو جائیں۔ اور انسان کے اعمال ہدایت وضلالت عجیب عجیب اسرار ومعارف منکشف ہوں۔ مگر چونکہ اس مضمون میں یہ تمام تذکرہ ضمناً وتبعاً ہے نہ کہ اصلاً، اس لئے صرف سرسری نظر سے کام لے رہا ہُوں۔

ازاں جملہ ایک سب سے بڑا نمایاں اور بنیادی اختلاف جو ان دونوں جماعتوں کے کاموں میں ہوتا ہے اور جس کو قرآن کریم نے ان کا امتیازی نشان قرار دیا ہے یہ ہے کہ یہ دونوں جماعتیں دنیا کو اپنے اپنے دوستوں اور محبوبوں کی طرف بلاتی اور دعوت دیتی ہیں "اولیاء اللہ" اللہ کے دوست اور ساتھی ہیں۔ اس لئے وہ اپنی تمام قوتوں کو اللہ کی پکار بلند کرنے اور اس کی طرف انسانوں کو بلانے میں صرف کر دیتے ہیں۔ پر اولیاء الشیطان قوائے شیطانیہ کے پجاری اور والہ وشیفتہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا جہاد خدا کی جگہ شیطان کی راہ میں ہوتا ہے۔ اور اسی کی طرف خدا کے بندوں کو دعوت دیتے اور پکارتے ہیں۔ اولیاء اللہ اور اصحاب الجنۃ کا مقصد دعوت خدا کی بادشاہت اور اس کا کلمہ علیا ہوتا ہے پس وہ خدا کے حکموں کو بیان کرتے اور اس کے پاک اور مقدس اوامر کے ترجمان ہوتے ہیں۔ اولیاء الشیطان کی چیخ پکار اور جد وجہد کا مقصد شیطانی حکومت ہوتا ہے۔ پس وہ شیطان کے احکام مفسدہ

Marfat.com

کی اشاعت کرتے اور اس کے اوامر خبیثہ کے سفیر ہوتے ہیں۔ اسی لئے اولیاء اللہ کی دعوت دنیا کی اصلاح و فلاح اور قیام انسانیت کاملہ و مدنیہ صحیحہ کا سرچشمہ ہے۔ اور اولیاء اللہ کی دعوت شرو فساد، عدوان و طغیان، معاصی و فسوق، تخریب انسانیت و مدنیت مفسدہ و ردیہ کا منبع!

اب دیکھو کہ اللہ کے احکام کیا ہیں۔ اور شیطان کیا حکم دیتا ہے؟ اللہ کا حکم یہ ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاۗءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْکَرِ

اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل کرو اور تمام نیک باتوں اور ہر طرح کی راست بازیوں کو اختیار کرو۔ اور اسی طرح روکتا ہے۔ کہ ہر طرح کے فواحش اور ظلم و معصیت سے بچو۔

لیکن شیطان کا حکم اس کے بالکل متضاد و مخالف ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ۭ فَاِنَّہٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْکَرِ ۭ (۲۴ : ۲۱)

شیطانی وسوسوں کی پیروی مت کرو۔ کیونکہ وہ فواحش اور ظلم و عصیان کے کرنے کا حکم دیتا ہے۔

پس اللہ کا دوست اور ولی وہی ہو سکتا ہے جو اس کے حکم کا پیرو اور داعی ہو۔ اور اسی طرح شیطان کا ولی وہ ہے جو اس کے حکموں کی منادی کرے۔ اللہ کا حکم یہ ہے کہ "یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ" اس لئے اولیاء اللہ کی پہچان بھی یہی ہے کہ وہ آمر بالمعروف و ناہی عن المنکر" ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ کے دوست، اس کے سفیر، اور اس کی حکومت کے خلیفہ ہیں۔ اور سفیر وہی ہے جو اپنے بادشاہ کے حکموں کا ترجمان ہو۔ یہی سبب ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر جا بجا زور دیا گیا۔ اور اسے مومنوں کے تمام اعمال حسنہ کی بنیاد و اساس بتلایا۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ۭ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ

وہ مسلمان کہ اگر ہم انہیں دنیا میں قائم کردیں تو ان کا کام یہ ہوگا کہ وہ صلوٰۃ الٰہی کو قائم کریں گے۔ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں گے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کی

Marfat.com

دعوت ہو گی۔ اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اور یہی سبب ہے کہ سُورۂ اعراف میں جہاں یہود و نصاریٰ کو خاص طور پر اسلام کی دعوت دی ہے۔ وہاں حضرت ختم المرسلین کی دعوت کے اہم اور نمایاں کام یہ بتلاتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۠ (۷:۱۵۶)

وہ لوگ کہ انہوں نے اللہ کے رسول نبی امی کی پیروی کی، جن کی بشارت اُن کے پاس توریت و انجیل میں لکھی ہوئی موجود ہے وہ رسول اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتا اور خبائث کو ان پر حرام کرتا ہے۔ اور سخت حکموں کے جو بوجھ ان کے سروں پر تھے اُن سے رہائی بخشتا، اور غلامی و استبداد اور تقلید اشخاص کے جو پھندے اُن کے گلوں میں پڑے تھے اُن سے نجات دیتا ہے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اس کی حمایت کی اور اس کی نصرت کی راہ میں نکلے اور جو نور صداقت اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے (یعنی قرآن و اسلام) اس کی متابعت کی تو یہی لوگ ہیں جو ہر طرح کی فلاح اور فتح و کامیابی پائیں گے۔

یہ آیت کریمہ تمام تعلیمات اسلامیہ کا جامع و مانع خلاصہ ہے جو خود قرآن حکیم نے پیش کر دیا ہے۔ اور دین الٰہی و شریعتِ فطریہ کا کوئی رکن ایسا نہیں ہے۔ جو اس کے اندر بیان نہ کر دیا گیا ہو۔ اس میں داعی اسلام کا اولین کام امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرمایا۔ کیونکہ اس کی دعوت اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کا حکم یہی ہے۔

امر بالمنکر لیکن شیطان ایک قوتِ خبیثہ ہے۔ جو سعادتِ عالم کی دشمن اور ہدایت انسانی کو روکنے والی ہے۔ پس وہ اپنے گھرانے کو اور اپنی نسل کے چاکروں کو حکم دیتی ہے کہ اولیاء اللہ کی منادی کی مخالفت کریں اور عدل واحسان کی جگہ ظلم وعدوان کی طرف لوگوں کو بلائیں فانہ یامر بالفحشاء والمنکر اس لئے جو لوگ شیطانی حکموں کے سامنے گرجاتے ہیں۔ اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی سفارت وخلافت اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کا کام امر بالمعروف کی جگہ امر بالمنکر اور نہی عن المنکر کی جگہ نہی عن المعروف ہوتا ہے۔ یعنی اولیاء اللہ تو نیکیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں لیکن وہ برائیوں کا حکم دیتے اور نیکیوں سے روکتے ہیں۔ قرآن کریم نے صاف صاف لفظوں میں اس کی تصریح کر دی ہے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (۹ : ۶۷)	منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی قسم کی ہیں۔ برائی کا حکم دیں۔ نیکیوں سے روکیں۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا وقت آئے تو مٹھیاں بھینچ لیں حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو بھلایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔ کچھ

شک نہیں کہ یہ منافق ہی ہیں جو سخت فاسق ہیں۔

حالانکہ مومنوں کا حال یہ ہے: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ	برخلاف منافقوں کے مومن مرد اور مومن عورتوں کا حال یہ ہے کہ نیک کاموں میں ایک کا ساتھی ایک ہے نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ برائی سے روکتے ہیں۔ صلوٰت الٰہی کو قائم کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔ غرضیکہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر

مَّيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝ (۹:۷۱)

چلتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ ان پر عنقریب اللہ رحم کرے گا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ عزیز و حکیم ہے۔

پہلی آیت میں منافق کا لفظ فرمایا، نفاق ایمان کے مقابلے میں اور کفر اسلام کے مقابلے میں قرآن کی اصطلاح ہے پس یہ اُن لوگوں کا حال ہے جو مومنوں کے ضد و مخالف ہیں۔ اور مومنوں کا دوسرا نام "اولیاء اللہ" ہے

فرمایا کہ "نسوا اللہ فنسیہم" اُنھوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے اس لئے وہ بھی بھلا دیئے گئے۔

اللہ اور اُس کے ذکر کو بھلانا ایک حقیقی شیطانی عمل ہے۔ ہر جگہ قرآن حکیم میں نسیان و ذہول کو شیطان کی طرف نسبت دی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بحری معلم کی تلاش میں جب نکلے اور دو دریاؤں کے جمع ہونے کی جگہ پر مچھلی بھول آئے تو ان کے ساتھی نے کہا وما انسانیہ الا الشیطان یعنی شیطان نے مجھ پر نسیان طاری کر دیا حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قید خانے کے ساتھی سے کہا تھا "اذکرنی عند ربک" عزیز مصر سے میرا ذکر کر دینا۔ اگر وہ عزیز مصر سے ذکر کر دیتا تو عجب نہیں کہ حضرت یوسف کو جلد رہائی مل جاتی، لیکن شیطان نے بھلا دیا اور اُسے یاد نہ رہا۔

فَاَنۡسٰهُ الشَّيۡطٰنُ ذِكۡرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِى السِّجۡنِ بِضۡعَ سِنِيۡنَ ۝

شیطان نے اس پر نسیان طاری کر دیا۔ اور وہ اپنے آقا سے حضرت یوسف کا تذکرہ کرنا بھول گیا

اسی طرح سورہ انعام میں فرمایا: وَاِمَّا يُنۡسِيَنَّكَ الشَّيۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰى مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ (۶:۶۸)

اصل یہ ہے کہ نیکی کا سرچشمہ اللہ کی یاد اور اس کا ذکر ہے۔ قوت شیطانی اس ذکر کو بھلا دیتی ہے۔ اور ہر کام جو نیک و صالح ہوتا ہے اُس کے لئے [illegible]ن و ذہول طاری ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

گذشتہ صحبت میں "حزب الشیطان" کا ذکر آچکا ہے۔ جو اولیاء الشیطان کی جماعت کا نام ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے خدا نے فرمایا کہ: استحوذ علیھم الشیطٰن فانسٰھم ذکراللہ اولٰیک حزب الشیطٰن (شیطان ان پر مسلط ہوگیا ہے پس انہوں نے خدا کے ذکر کو بھلا دیا ہے یہی لوگ حزب الشیطان ہیں) آیت بالا میں بھی نسیان شیطانی کا ذکر کیا ہے۔ اور اس آیت میں بھی حزب الشیطان کے لئے "نسیانِ ذکر" کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جن منافقین و منافقات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، وہ ہی حزب الشیطان ہے اولٰیک ھم الخٰسرون ٥

عود الی المقصود غرض کہ اولیاء الشیطان اور حزب ابلیس کا کام دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ امر بالمعروف، والعدل کے مقابلے میں امر بالمنکر والافساد کریں۔ اور نہی عن المنکر کی جگہ امر بالمنکر کے لئے پکاریں:

ھَلْ یَسْتَوِیْ ھُوَ وَمَنْ یَّامُرُ بِالْعَدْلِ وَھُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ	کیا ایسا شخص اور وہ مومن مخلص اپنے کاموں میں برابر ہو سکتے ہیں۔ جو دنیا کو عدل کا حکم دیتا ہے اور خود بھی صراطِ مستقیم پر چل رہا ہے؟

اور چونکہ دونوں جماعتوں کی تعلیم اور دعوت ایک دوسرے کے ضد اور مخالفت میں ہوتی ہے۔ پس ہر اعلانِ صداقت و دعوت الی اللہ کے موقعہ پر دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہو جاتی ہیں۔ ایک صف کے ہاتھ میں امر بالعدل والمعروف کا علمِ صلح و اصلاح ہوتا ہے۔ دوسری صف کے اوپر مکر و فساد اور فواحش و منکرات کا جھنڈا لہراتا ہے۔ ایک سے امر بالمعروف و دعوت الی اللہ کی صدا اٹھتی ہے۔ دوسرے سے امر بالمنکر و دعوت الی الشیطان کی منادی بلند ہوتی ہے۔ ایک اللہ کی راہ میں اپنا خون بہاتا اور حق کے لئے جہاد کرتا ہے۔ دوسرا شیطان کی راہ میں لڑتا اور ظلم کے لئے قتال کرتا ہے۔

Marfat.com

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ الطَّاغُوۡتِ

مومن اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں اور صاحبانِ کفر شیطان اور اس کے خلفاء مظاہر کی راہ میں۔

پس مومن اور اللہ کا ولی وہی ہے جو شیطان کے ولیوں کو قتل کرے اور ان کے فساد وطغیان سے ارضِ الٰہی کو پاک کردے۔ کیونکہ اسکے ایک ہی آقا اور خداوند نے حکم دیا ہے:۔

فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِیَآءَ الشَّیۡطٰنِ ۚ اِنَّ کَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ کَانَ ضَعِیۡفًا ۝ (۴ : ۷۶)

شیطان کے دوستوں اور پجاریوں کو قتل کرو شیطان کے مکروفساد خواہ کتنے ہی قوی اور مہیب نظر آئیں لیکن اللہ کے ولیوں کے سامنے بالکل ہی ضعیف و بے طاقت ہیں۔

اور ایسا کرنا قتل وخونریزی نہیں بلکہ عین صلح واصلاح اور امن ونظام ہے۔ کیونکہ فساد وظلم کے روکنے کے لئے جو شخص خون بہاتا ہے وہ دنیا کا حقیقی مصلح اور محسن ہے کیونکہ اُس نے ایک جماعت کا خون بہاکر تمام عالم کو زندگی بخش دی اور جو شخص ظلم و فساد کو زندگی بخشتا ہے وہی دنیا کا دشمن اور انسانیت کا عدو ہے۔ کیونکہ چند انسانوں کی خاطر تمام انسانوں سے دشمنی کررہا ہے۔

وَلَکُمۡ فِی الۡقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ

اور قتل کے بدلے قتل کرنے میں اے صاحبانِ عقل تمہارے لئے زندگی ہے کیونکہ ایک کو قتل کرکے اس کے شر وظلم سے تم نے تمام دنیا کو نجات دلا دی۔

نیز فرمایا کہ:۔

وَقَاتِلُوۡہُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ وَّیَکُوۡنَ الدِّیۡنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ۚ

اور اولیاء الشیطان کو قتل کرو۔ یہاں تک کہ دنیا میں فتنہ وفساد باقی نہ رہے۔ اور دین صرف اللہ ہی کا قائم ہوجائے۔

Marfat.com

اولیاء الشیطان کا بھی کام یہی ہوتا ہے، کہ وہ ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ جو عدل ومعروف کا وعظ کرتے اور اسکی منادی بلند کرتے ہیں۔

وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ — یعنی وہ ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو عدل و انصاف کا حکم دیتے ہیں۔ پس ضرور ہے کہ داعیان حق وعدل کے ہاتھوں وہ بھی قتل کئے جائیں۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ — "جو تم پر زیادتی کرے، تم بھی اسی طرح اور اسی قدر اس پر زیادتی کرو تاکہ ظلم اور عدوان اللہ کے بندوں کو نیست ونابود نہ کردے۔

اولیاء اللہ سے مقصود لیکن واضح رہے کہ اولیاء اللہ سے قرآن کریم کا مقصود کوئی مصطلحہ جماعت اولیاء اللہ کی نہیں ہے۔ بلکہ ہر مومن صادق جس نے شیطانی قوٰی سے اپنے تئیں الگ کرلیا ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ اللہ کے اولیاء اور دوستوں میں شامل ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کا ان آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

البتہ اولیاء اللہ کے مقامات ومدارج کے خاص خاص حالات ضرور ہیں۔ اور کتاب وسنت سے ایسے مقامات کا پتہ چلتا ہے۔ جو ایمان الٰہی اور ذہاب الی اللہ کے انتہائی مراتب ہیں۔ احادیث صحیحہ علی الخصوص صحیح بخاری کے کتاب التواضع کی حدیث "ولی" میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نیز حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو "محدث" فرمانا اسی کے ایک مرتبہ اعلٰی کی صراحت تھی۔ لیکن اس کی تشریح کا یہاں موقع نہیں۔ اولیاء اللہ کے مدارج اس مشہور آیت شریف میں بیان کردیئے گئے ہیں کہ: وَمَن يطع الله والرسول فاولٰئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصٰلحين وحسن اُولٰئك رفيقًا

Marfat.com

عمر خیام اور غالب

Marfat.com

رُباعیاتِ عمر خیام

۲۳-جُون، یکم جولائی ۱۹۱۴ء

غالب کا غیر مطبوعہ کلام

۱۷-جُون ۱۹۱۴ء

Marfat.com

رُباعیاتِ عُمر خیام

پچھلے دنوں بعض اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ رباعیاتِ عمر الخیام کا ایک نیا ایڈیشن امریکہ میں مرتب ہُوا ہے اور عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ ولایت کی پچھلی ڈاک میں اس کے تفصیلی حالات آگئے ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ نیویارک کی بہت بڑی پبلشر کمپنی جان مارٹن اس ایڈیشن کو چھاپ رہی ہے۔ اور متعدد خصوصیات اس میں ایسی جمع کی گئی ہیں جن کی وجہ سے یورپ اور امریکہ کے "ادبا عمر بین" اس کی اشاعت کا نہایت دلچسپی سے انتظار کر رہے ہیں۔

مرقعات و رسوم اس ایڈیشن کی ایک بڑی خصوصیت انتہا درجہ کا جمالِ طباعت اور حسنِ صُورت ہے۔ عمر خیام کے اس وقت تک بے شمار پرتکلف ایڈیشن مختلف ملکوں میں نکل چکے ہیں، لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ اس نئے ایڈیشن کے تکلفات کے آگے تمام پچھلے ساز و سامان ہیچ نظر آئیں گے۔ علی الخصوص اس کے مرقعات اور تصاویر و رسوم جو دلدادگانِ خیام کی نظر افروزی کے لئے ہر تیسرے چوتھے صفحہ کے بعد لگائے گئے ہیں ؎

مشاطہ را بگو کہ براسبابِ حسن دوست
چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسد

یہ خیالی تصویریں جو آج کل پُرتکلف ادبی تصنیفات کے ساتھ چھاپی جاتی ہیں،

Marfat.com

غالباً عام قارئین کرام کو ان کی قدر و قیمت کی صحیح اطلاع نہ ہو گی۔ مشاہیر گذشتہ کی تصنیفات کے متعلق خیالی تصاویر بنانا ایک مستقل فن ہے جس کے بڑے بڑے ماہرین و مشاہیر ہیں، جب کبھی کوئی نادر کتاب چھپتی ہے تو اس کے لئے ان کی خدمات محفوظ کر لی جاتی ہیں۔ وہ ایک ایک تصویر کے لئے سو سو پاؤنڈ اجرت پیشگی لیتے ہیں۔

پچھلے دنوں انگلستان کے ایک کلب نے الف لیلہ کے ترجمہ برٹن کا نہایت پُر تکلّف ایڈیشن دس جلدوں میں طبع کیا تھا، اور اس کے بڑے بڑے مناظر حسن و عشق و خلافت و سلطنت کی تصویریں یورپ کے مشہور ماہرین فن رسوم خیالیہ سے بنوا کر شامل کتاب کی تھیں، مَیں نے یہ نسخہ دیکھا ہے، پوری کتاب میں اقلاً پچاس مرقع ضرور ہونگے، لیکن فی مرقع ۳۰ پونڈ سے لے کر دو سو پونڈ تک اجرت دی گئی تھی۔

"رباعیات عمر خیام" بھی پچھلی چوتھائی صدی سے بڑے بڑے مصوران مشہور کے فکر و تخیل کا ایک معرکۃ الآرا موضوع رہا ہے، عمر خیام کی صُورت کا موزوں تصور کرنے اور اس کی رباعیات کے مطالب کو تماثیل مصورہ کی اشکال میں پیش کرنے کے لئے بڑے بڑے مصوروں نے اپنے جوہر کمال دکھلائے۔ علی الخصوص موجُودہ یورپ کے مشہور ترین مصوّر مسٹر گلبرٹ جیمس کی تصویریں عدیم النظیر تسلیم کی گئیں۔ جن میں سے بعض کو فیٹز جیرالڈ کے ترجمہ میں آپ نے جابجا دیکھا ہو گا۔

لیکن امریکن ایڈیشن کے شائع کرنے والوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے تمام پچھلے نسخوں سے بہتر مرقعات کا اہتمام کیا ہے۔ اب تک اس قدر روپیہ اور دماغ خیام کی تصویروں پر کسی نے صرف نہیں کیا۔ یورپ کے مشہور مصوروں کی خدمات کئی سال پیشتر سے حاصل کر لی گئی تھیں، اور فارسی شاعری کی ادبی تاریخ اور اس عہد کے عجمی حکما و شعرا کے لباس و اشکال کا تاریخی مواد اس غرض سے بہم پہنچایا تھا۔ کہ مصوروں کو بہتر سے بہتر اور اقرب سے اقرب تصور قائم کرنے میں اُن سے مدد ملے۔

Marfat.com

ان تصویروں میں خود خیام کی تصویریں نہایت اعلیٰ درجہ کی کھینچی ہیں، اور کامل الفن اشخاص معترف ہیں کہ تمام پچھلی تصویروں سے زیادہ مشرقی اور خیام کے خیالات کے لحاظ سے کامل ترقیافتہ کے مطابق ہیں، ان کے علاوہ سو سے زائد رباعیوں کے بھی مرقع کھینچے ہیں اور رنگین اور مطلا ومذہب طبع کیا ہے!

ان مرقعات میں سے چار تصویریں "اسفیر" لندن نے شائع کر دی ہیں، ان کی نقل ہم بھی شائع کرتے ہیں، ان کے نیچے انگریزی میں رباعیات کا ترجمہ بھی درج تھا۔ تین ترجموں کی اصل رباعیاں یاد آگئیں اور درج کر دی گئیں، لیکن ایک ترجمہ اس درجہ مبہم، مختصر اور کسی بہت ہی غیر معروف رباعی سے تعلق رکھتا ہے جس کی اصل رباعی کا سرسری طور سے پتہ نہ لگ سکا، اور صرف اتنی سی بات کے لئے رباعیات کی ورق گردانی کون کرتا؟

مکمل ترجمہ ایک بہت بڑی خصوصیت اس ایڈیشن کی یہ ہے کہ اس میں عمر خیام کی تمام رباعیات کا مکمل انگریزی ترجمہ دیا گیا ہے، وہ مشہور فیز جیرالڈ کے ترجمہ کی طرح نظم میں ہے۔ اور کوشش کی گئی ہے کہ فارسی شاعری کے اس سب سے بڑے قادر الکلام مترجم کا نسق و انداز اور اسلوب خاص ہر رباعی کے ترجمہ میں ملحوظ رہے حتیٰ کہ اس کی جمع و ترتیب کرنے والوں کا خیال ہے کہ ایک ناواقف شخص فیز جیرالڈ کی نظم اور اس کے ترجمہ میں بمشکل فرق کر سکے گا۔

ہم نے بعض اردو جرائد میں دیکھا کہ اس نسخہ کی اشاعت و تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے اسے پہلا مکمل ترجمہ خیال کیا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس سے پیشتر ایک بڑی تعداد میں ایسے ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جن میں فیز جیرالڈ کی ترجمہ کردہ رباعیات کے علاوہ کئی سو اور رباعیوں کا ترجمہ بھی نظم و نثر میں دیا گیا ہے، اور بعض میں تو یہ التزام کیا ہے کہ رباعیات کے جس نسخہ کو اصل قرار دیا، اس کی تمام رباعیوں کا ترجمہ بھی ساتھ

ساتھ درج کر دیا۔ اس قسم کے مترجموں میں گارزو ہنری دے فرنان، نیکولس، اور علی الخصوص پروفیسر والنیٹن ژوکوفسکی کا نام قابلِ ذکر ہے۔ جس نے نسخۂ کلکتہ اور نسخہ سینٹ پیٹرز برگ کی تمام رباعیات کا ترجمہ کر دیا ہے۔

ان میں سے آخر الذکر مستشرق کا نسخہ میرے پاس موجود ہے، اس نئے امریکن ایڈیشن سے پہلے یہی ایڈیشن سب سے آخری ایڈیشن سمجھا جاتا تھا۔ اسمیں سینٹ پیٹرز برگ کے نسخہ کی ۴۶۴ رباعیوں کا مکمل ترجمہ شامل کیا گیا ہے، دیگر نسخوں کی مترجمہ رباعیوں کو شامل کر لیا جائے تو انگریزی ترجمہ شدہ رباعیوں کی تعداد پانچ سو تک پہنچ جاتی ہے

اسی طرح فرانسیسی، دنمارکی، المانی (جرمن) اور روسی زبان میں بھی ۷۵ سے ۴۰۰ تک رباعیوں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

لیکن یہ ترجمے وہ قبولیت حاصل نہ کر سکے جو "مغربی خیام" یعنی فیز جیرالڈ کی ۷۵ رباعیوں کے لئے قدرت نے مخصوص کر دی تھی، اس کی انگریزی رباعیوں میں جو سلاست و عذوبت اور حسنِ ترکیب و تاثیرِ بیان پایا جاتا ہے اس کے سامنے یہ تمام ترجمے اس طرح نظر آتے ہیں جیسے کسی اصل فارسی نظم کے مقابلے میں اس کا بے اثر لفظی ترجمہ، فارسی شاعری اور مغربی ادبیات اصولاً اس درجہ باہم مختلف ہیں کہ دونوں میں تباین و تضاد کا ایک اطلانٹک بہ رہا ہے۔ اسے عبور کرنے میں صرف فیز جیرالڈ ہی کی ہمت کام کر گئی اور وقت و حالات، جدت و حداثت، اتحادِ خیالات و مشرب، نیز جماعت کے وقتی انفعال و تاثر نے ایک مرتبہ اس کا ساتھ دے دیا۔ یہ باتیں ہمیشہ اور ہر شخص کے حصہ میں نہیں آسکتیں۔

یہی سبب ہے کہ یہ تراجم ایک ادبی یا حکیمانہ مترجمہ ذخیرہ سے زیادہ وقعت حاصل نہ کر سکے، ان سے یہ کام لیا گیا کہ غیر فارسی داں ادباء عرئیین نے ان کے ذریعہ بقیہ رباعیوں سے بھی واقفیت حاصل کر لی، ان سب میں مسز بورین اور ہانفیلڈ کے بعض

تراجم نسبتاً زیادہ فصیح و دل نشین تھے، کیمبرج کے نسخہ کی بعض رباعیات کا ترجمہ ۱۸۹۰ء میں کیا گیا تھا، اور "مجلس عمر خیام" لندن نے ۱۸۹۲ء میں شائع کیا۔ تاہم نہ تو وہ فیز جیرالڈ کی طرح عشاقِ خیام کے وسیع حلقہ میں کوئی ادبی محبوبیت حاصل کر سکیں اور نہ انگریزی ادبیات میں ایک داخلی جزوِ شعری کی طرح انہیں قبولیت ہوئی۔ ان کا شمار بھی ترجمہ نہیں ہے، البتہ اعلیٰ قسم کے تراجم ہیں،

پس یہ کہنا تو صحیح نہیں کہ نیا امریکن ایڈیشن رباعیات کا پہلا مکمل ترجمہ ہے، البتہ اس کی خصوصیت یہ بتلائی جاتی ہے کہ ان کے تراجم میں فیز جیرالڈ کے اتباع بلکہ ہمسری کی پوری کوشش کی گئی ہے، فیز جیرالڈ کا اصل کارنامہ "سوئن برن" کے الفاظ میں یہ ہے:

"وہ یورپ کا خیام ہے اُس نے ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ انگریزی میں خیام کی رُوح شعری کو متشکل و متمثل کر دیا ہے۔ اگر خیام انیسویں صدی کے اندر انگلستان میں پیدا ہوتا اور فردوسی کی جگہ چوسر کی زبان میں (یعنی انگریزی میں) رباعیات کہتا تو یقیناً وہ ایسی ہی ہوتیں جیسی کہ اس مغربی خیام کے دل پر شرق فیض لاہوتی سے القا ہوئی ہیں"۔

اس ایڈیشن کے مرتب کرنے والوں کا دعویٰ ہے کہ فیز جیرالڈ نے ایسا ترجمہ صرف ۷۵ رباعیوں کا کیا ہے، لیکن یہ خیام کی تمام رباعیوں کا ویسا ہی مکمل ترجمہ ہوگا۔

ادبا و شعرا عمر نیین کی ایک بہت بڑی امریکن و انگریزی جماعت نے ترجمہ کا نیا کام باہم بانٹ لیا تھا، چند اصول مقرر کر لئے تھے، جن کی پابندی کی ہر مترجم کو کوشش کرنا تھا، ان میں سے اکثر مترجم ایسے ہیں جنہوں نے ایک ایک رباعی کا ترجمہ ایک ایک ششماہی میں کیا ہے۔ پہلے ترجمہ کیا جاتا، پھر تصحیح ہوتی، پھر قدیم ترجموں سے مقابلہ ہوتا، اس کے بعد نظم کیا جاتا، پھر عرصے تک خود ناظم اپنے مختلف خیالات و اثرات میں کمال استغراق شعریہ و شرفیہ کے ساتھ پڑھتا: خاص خاص نغمات مخصوصۂ خیام میں

Marfat.com

گاتا، اور دوسروں سے نَے میں پڑھواکر سنتا، جب اس طرح اس کی کیفیت و وجدان کے ذوق و تاثیر کی طرف پورا پورا اطمینان ہوجاتا اور کئی کئی مرتبہ ترمیم و اضافہ ہوچکتا، تو پھر تمام مترجمین کی صحبت میں پیش کیا جاتا اور کئی کئی دن تک محافل و مجالس شعرائے عمر ثیین میں اس پر بحث و مذاکرہ ہوتا جو لوگ باہر کے شریک کار ہیں اُس کے پاس لکھ کر بھیج دیا جاتا، اور اس طرح تمام رائیں جمع کی جاتیں۔

ان تمام مراحل کے بعد مترجمہ رباعی داخل کتاب کی جاتی، اس وقت بھی کہ کتاب چھپ رہی ہے اور عنقریب نکلنے والی ہے، تغیر و تبدل اور اصلاح و نقد کا سلسلہ برابر جاری ہے ؎

ہر نظم گوھریں کہ بیاد تو گفتہ ام
دل رخنہ کردہ و جگر خویش سفتہ ام

رباعیات کی تعداد | رباعیات عمر خیام کی اصل تعداد کا مسئلہ اب تک مختلف اور ایک حد تک مشتبہ ہے، مختلف نسخے جو یورپ اور مشرق میں پائے جاتے ہیں باہم تعداد میں مختلف ہیں، مصنفین یورپ نے ان کی تحقیقات و کشف حقیقت کے لئے بڑی بڑی کوششیں کی ہیں، سب سے زیادہ قدیم نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا ہے، جو آٹھویں صدی ہجری تک کے اواخر کا لکھا ہؤا ہے، یعنی عمر خیام کی وفات سے تقریباً تین سو برس بعد کا، اس میں ۴۰۲ رباعیاں ہیں، مَیں نے یہ نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی میں ممبر ہونے سے پہلے دیکھا تھا، اس کے بعد ایک مرتبہ نکلوانا چاہا تو معلوم ہؤا کہ لندن گیا ہے، اور غالباً مسٹر براؤن نے منگوایا ہے، اب عرصے سے بالکل مفقود الخبر ہے، کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کہاں گیا؟ اس کے ساتھ گلستان کا وہ قیمتی نسخہ بھی مفقود الخبر ہے جو عالمگیر اورنگ زیب نے نہایت اہتمام سے نقل کرایا تھا، اور اس نسخہ کی نقل تھا جو خود شیخ سعدی کے لڑکے کے ہاتھ کا لکھا ہؤا تھا، ڈاکٹر بروکلین اور سر جان گلکرسٹ نے گلستان کے ایڈیشن اسی نسخہ سے نقل کرکے شائع کئے تھے۔

Marfat.com

میں نے کئی بار سکرٹری کو توجہ دلائی کہ برٹش میوزیم سے خط و کتابت کر کے تحقیق کیا جاوے۔ وہیں یہ نسخے گئے ہیں اور رکھ لئے گئے ہیں۔ لیکن غریب ایشیاٹک سوسائٹی کو اس کی جرأت کب ہو سکتی ہے کہ انڈیا آفس کے زیر اثر کتب خانے سے کسی طرح کا مطالبہ کرے۔

اس کے بعد سر گور اوسلی کا نسخہ ہے وہ ایران سے لائے تھے اور اب آکسفورڈ کے کتب خانہ بولڈن میں محفوظ ہے۔ اس کا سال کتابت ۱۴۶۱ء مسیحی ہے۔ یعنی مصنف سے ساڑھے تین سو برس بعد کا نسخہ ہے، انگریزی مترجمین و مولفین نے زیادہ تر اس نسخہ پر اعتماد کیا ہے مگر اس میں صرف ۱۵۸ رباعیاں ہیں۔

تیسرا قدیمی نسخہ سینٹ پیٹرزبرگ کے کتب خانے کا ہے، جس کا عکس پروفیسر والنٹین ژوکوفسکی نے باعانت بیرن وکیٹر روزین معلم السنہ شرقیہ پیٹرزبرگ یونیورسٹی شائع کیا ہے، اور جو نہایت اعلیٰ ترین خط نستعلیق میں فی صفحہ ایک رباعی کی ترتیب سے لکھا گیا ہے، اس کے کاتب نے اپنا نام "سید علی الحسینی" لکھا ہے۔ سالِ کتابت ۱۴۹۹ء مسیحی ہے۔ یعنی سر گور اوسلی کے نسخہ سے تقریباً چالیس برس بعد اس میں ۳۴۰ رباعیاں ہیں۔

چوتھا نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ کا ہے۔ پانچواں نسخہ کیمرج یونیورسٹی کا جو کسی قدیم طہرانی نسخہ کی نقل ہے۔ اول الذکر میں ۶۰۴ رباعیاں ہیں، دوسرے نسخہ میں آٹھ سو، ان کے علاوہ بے شمار حدیث العہد قلمی نسخے یورپ کے مختلف کتب خانوں میں ہیں جن میں سے بعض کی مندرجہ رباعیات پندرہ پندرہ سو تک شمار کی گئی ہیں۔ پروفیسر براؤن نے ایک قدیم نسخہ طہران میں دیکھا تھا جس میں ۷۰۰ رباعیاں تھیں اور عہدِ صفویہ کے درمیانی زمانے کا نوشتہ تھا، مگر جو نسخہ طہران میں چھپا ہے اس میں صرف ۲۳۰ رباعیاں ہیں اس کی نقل بمبئی میں بار بار چھپ چکی ہے۔

Marfat.com

ایک اور نسخہ پرانا رباعیات کا ہے جس کا ذکر مجھ سے آج کل کے ایک روسی سیاح اور مستشرق موسیوا موانو وسے نے کیا ہے جو انہوں نے اصفہان میں دیکھا تھا اور اس کی نقل لے لی تھی۔

یہ نقل آج کل میرے ہی پاس ہے، اس میں ۸۱۴ رباعیاں ہیں اور عام ترتیب ابجدی کی جگہ ابتدا میں حمد و نعت کی تمام رباعیاں جمع کر دی ہیں، اس کے بعد بغیر کسی ترتیب کے باقی رباعیاں درج کی ہیں، سیاح موصوف کا بیان ہے کہ اصل نسخہ ۸۶۵ ہجری کا نوشتہ ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو یہ نسخہ سب سے زیادہ قیمتی ہے اور سر گور اوسلی کے نسخہ سے بھی زیادہ اس کو قیمتی سمجھنا چاہیئے۔ اسی خیال سے میں دیگر نسخوں سے اس کا مقابلہ کر رہا ہوں، چند رباعیاں اس کی بالکل نئی ہیں۔

(۲)

ان رباعیوں کی تعداد اختلاف نے یہ مسئلہ پیدا کر دیا کہ اصلی رباعیوں کی تعداد کتنی ہے؟ اور یہ جو زیادہ سے زیادہ تعداد تک رباعیاں موجود ہیں یہ سب کی سب عمر خیام ہی کی ہیں یا نہیں؟

مستشرقین عمرئیین کا عرصہ تک یہی خیال رہا کہ جس قدر زیادہ رباعیاں نکلتی آتی ہیں وہ سب کی سب عمر خیام ہی کی ہیں، اور جن نسخوں میں تعداد کم ہے وہ یا تو ناقص ہیں یا کسی شخص نے اپنے مذاق کے مطابق اصل دیوان رباعیات کا انتخاب کر لیا ہے چنانچہ جب کبھی کسی زیادہ تعداد والے نسخہ کی ان میں سے کسی کو اطلاع ملی تو وہ اس درجہ خوش ہوا گو یا علوم و حکمت قدما کا کوئی گمشدہ ذخیرہ ہاتھ آگیا۔ یا برباد شدہ مدرسہ اسکندریہ کے کتب خانہ کا سراغ مل گیا!

غالباً سب سے پہلے مستشرق بزرگ و شہیر پروفیسر والنٹین ژوکوفسکی (Valentin Zhukovski) نے اس غلطی کو محسوس کیا اور ایک محققانہ رسالہ عمر خیام پر لکھ کر

Marfat.com

ثابت کیا کہ بڑی تعداد رباعیات منسوبہ خیام کی الحاقی ہے اور بعد کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے خیام کی جانب منسوب ہوگئی ہے۔

یہ رسالہ ۱۸۹۷ء میں "المظفریہ" کے رسائل کے ساتھ سینٹ پیٹرزبرگ سے چھپ کر شائع ہوا، اس وقت سے یورپ اور امریکہ کے عمریین و خیامیین کے حلقہ میں الحاقی رباعیات کی تحقیق و تجسس کی ایک نئی کاوش پیدا ہوگئی ہے۔

پروفیسر ژوکوفسکی نے اپنے دعوے کے ثبوت میں ۸۲ رباعیاں پیش کی ہیں جو مختلف معروف و متداول نسخوں میں خیام کی طرف منسوب ہیں، حالانکہ خیام سے انہیں کوئی تعلق نہیں۔ وہ دراصل شیخ عطار، خواجہ حافظ، شیخ عبداللہ انصاری، مولانائے روم اور انوری وغیرہ متوسطین شعرائے ایران کی ہیں۔ اس مضمون کو پڑھ کر مستشرقین فرنگ نے ۱۲ رباعیوں کا اور ثبوت بہم پہنچایا ہے، ان کے بیان کے مطابق اس وقت تک کل ۱۰۱ رباعیاں الحاقی ثابت ہو چکی ہیں (ان نئی الحاقی رباعیوں کی تفصیل کے لئے پروفیسر براؤن کی تاریخ ادبیات ایران (Literary History of Persia) باب ۱۲ صفحہ ۲۴۶ سے ۲۵۹ تک دیکھئے)

اس میں شک نہیں کہ پروفیسر والنٹین ژوکوفسکی کی تلاش و جستجو قابلِ تحسین ہے، لیکن افسوس کہ مستشرقین کے بعض دیگر مباحث خیامیہ کی طرح یہ بحث ہمارے لئے چنداں قیمتی نہیں ہو سکتی، اور نہ اس بارے میں پروفیسر مذکور کی تحقیقات کے ہم محتاج تھے۔

اگر وہ مشرق کے کسی ایسے شخص کی اعانت بہم پہنچا لیتے جو فارسی شاعری کا تھوڑا سا بھی ذوق رکھتا ہے اور عام تذکروں اور دیوانوں کا مطالعہ کر چکا ہے تو اس مشکل کی قیمت چند سرسری لمحوں کی نظر سے زیادہ نہ نکلتی اور بغیر کسی زحمت و تلاش کے اس سوال کا حل مل جاتا بلکہ جس حد تک وہ حل کر سکے ہیں اس سے کہیں زیادہ وسیع

Marfat.com

دلشفی بخش ہوتا۔

اصل یہ ہے کہ الحاقی کلام کا سوال صرف خیام ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ ایک حد تک عام ہے، الحاقی منسوبات کی عام بلا سے شاید ہی کوئی مشہور شاعر بچا ہو۔ اس درجہ سے بھی نظر بلند تر کیجئے اور عام طبقہ مشاہیر واعاظم مصنفین متقدمین و متوسطین کو دیکھئے تو ہر علم و فن کے ارباب کمال اس مصیبت سے دوچار نظر آئیں گے، آج کتنی ہی تصنیفات ہیں جو امام ابو حنیفہ، جابر طوطوسی، ابن قیتبہ، امام غزالی، ابو معشر فلکی فخر الدین رازی، بوعلی سینا، معلم ثانی، ابن عربی، محقق طوسی وغیرہ سے منسوب ہیں۔ جن کی مصنفات ہر عہد اور ہر حصۂ عالم میں معروف و متداول رہیں۔ لیکن نظر دقت سے دیکھا جائے تو از سرتاپا الحاقی ہیں،

ناصر خسرو، فردوسی، خواجہ حافظ، جلال الدین رومی، حکیم سنائی، سب کے دیوانوں کا یہی حال ہے لیکن جن لوگوں کو ایک ادنیٰ ذوق بھی فارسی شاعری اور مختلف اعصار ادب وعلوم کے متعلق حاصل ہے اور ہر شاعر کے اندازِ مخصوص اور افکار مختصہ کے متعلق نظر و بصیرت رکھتے ہیں، وہ بغیر کسی محنت و کاوش کے بادل نظر اندازہ کر لیتے ہیں کہ کس قدر کلام اصل ہے اور کس قدر بعد کو اغلاط روایت و کاتبین اور سہو و التباس ناقلین یا بعض دسائس و اغراض شخصیہ و دینیہ سے ملا دیا گیا۔

علی الخصوص عمر خیام کے متعلق تو یہ مسئلہ کچھ بھی دشوار نہ تھا، اس کا اندازِ بیان و نظم ایک خاص طرز کا ہے۔ وہ اپنے افکار شعریہ و حکمیہ میں بعض ایسی خصوصیات رکھتا ہے جو چند رباعیوں کے مطالعہ کے بعد ہی نمایاں ہو جاتی ہیں، کسی دوسرے کا کلام سامنے آکر دھوکا نہیں دے سکتا۔ تصوف و اخلاق سنائی اور عطار دونوں کہتے ہیں، رزم و جنگ فردوسی اور نظامی دونوں نے لکھا ہے، خمریات اور جام و صراحی حافظ کی طرح سب کے ہاتھ میں ہے، تغزل اور راز و نیاز عشق سے سعدی، خسرو اور نظیری کی طرح

Marfat.com

عرفی کی کائنات شعر بھی معمور ہے لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟ گو ان سب کا لباس اور شکل و صورت ایک ہو لیکن ادائیں تو خاص خاص ہیں، جو کسی طرح صاحبانِ نظر سے چھپ نہیں سکتیں

من اندازِ قدت را می شناسم

مَیں تو کہتا ہوں اس شخص کے لئے فارسی شاعری کے ذوق و مطالعہ کا دعویٰ حرام ہے جس میں اتنی اداشناسی بھی نہ ہو کہ صرف کلام سن کر ایک شاعر کو دُوسرے ہمرنگ و ہم فکر شاعر سے تمیز کر لے:

ہر کہ خواہد میل دیدن، در سخن بیند مرا

علاوہ بریں جو رباعیات عمر خیام کے نام سے منسوب کی گئی ہیں اُن کا بڑا حصّہ [illegible]ی کے تذکروں اور دیوانوں میں دیگر شعرا کے نام سے موجود ہے، جس کے لئے کسی بڑے [illegible]ی تجسس کی ضرورت نہیں، تذکرہ دولت شاہ، مراۃ الخیال، آتشکدہ، مجمع الفصحا، [illegible]داغستانی، اس درجہ کی مشہور کتابیں ہیں کہ معمولی درجہ کے فارسی دانوں نے بھی [illegible]ہیں ضرور دیکھا ہوگا، ان میں وہ رباعیات دوسروں کے کلام میں ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ شیخ بوعلی سینا کی یہ رباعی ہمارے یہاں بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔

در دہر چو یک منی و آں ہم کافر

پس در ہمہ دہر یک مسلمان نبود

لیکن بعض نسخوں میں اسے عمر خیام کے نام سے لکھ دیا ہے، ہمارے یورپین [illegible]قوں کو یہ ثابت کرنے کے لئے بڑی ہی جانکاہ محنتیں گوارا کرنی پڑیں کہ یہ رُباعی [illegible]ام کی نہیں بلکہ شیخ کی ہے، اسی طرح شیخ جامی کو لوائح، لمعات، شرح ابن فرض وغیرہ [illegible]سائل میں جو رباعیات وحدۃ الوجود وغیرہ کے متعلق بکثرت کی گئی ہیں، ان کو بھی ناقلین [illegible] خیام کی طرف منسوب کر دیا۔ پروفیسر ژوکوفسکی نے ان کی تحقیقات میں کئی سال بسر

Marfat.com

کر دیے اور سینٹ پیٹرز برگ کے کتب خانے کی ایک ایک کتاب دیکھ ڈالی، حالانکہ شیخ جامی کے یہ رسائل نہایت عام اور کثیر الاشاعت ہیں اور بمشکل کوئی فارسی دان شخص ایسا ہوگا جس نے انہیں نہ پڑھا ہو۔

شیخ جامی کے بعد سب سے زیادہ التباس شیخ الاسلام انصاری کی بعض رباعیات میں ہؤا۔ شیخ کی مناجاتوں کا عام انداز یہ ہے کہ وہ پہلے نثر مسجع میں ایک دعا مانگتے ہیں یا رحمت و رافت الہیہ سے مخاطبہ کرتے ہیں، اس کے بعد ایک قطعہ یا رباعی مناسب مقام ایزاد کر کے دوسرا مخاطبہ شروع کرتے ہیں، یہ رباعیات اکثر خود انہی کی ہوتی ہیں۔ کہیں کہیں دوسروں کی بھی لے لیتے ہیں، سوز و گداز، والہانہ طلب و سوال، عاشقانہ شکوہ و شکایت اور عارفانہ و حکیمانہ حکم و مقابلہ شیخ الاسلام کی نظم و نثر کی خصوصیات ہیں مگر یہی باتیں ایک دوسرے فلسفیانہ رنگ میں خیام کے ہاں بھی ہوتی ہیں۔ عوام کو اس میں دھوکا ہؤا اور شیخ کی بہت سی رباعیاں خیام کے نام سے نسخوں میں لکھ دیں رباعیاتِ خیام کا جو نسخہ آج کل ایران اور ہندوستان میں رائج ہے اس میں شیخ کی متعدد رباعیات مل گئی ہیں۔

یہاں تک تو ہم نے ان الحاقی رباعیات کے متعلق لکھا ہے جن کی تعداد ایک سو سے متجاوز اور جن کا بڑا حصہ پروفیسر والنٹین ژوکوفسکی نے تحقیق کیا ہے۔ مگر اب ہم مستشرقینِ یورپ کی تحقیقات سے الگ ہو کر خود نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ خیام کی مسلمہ رباعیات میں سے جن کو تمام ناقدین و محققین و عمریین نے خیام کے مخصوص نوادرِ فکر و شعر میں سے شمار کیا ہے، ایک رباعی یہ ہے:-

من بندۂ عاصیم، رضائے تو کجاست؟
تاریک دلم نور و صفائے تو کجاست؟

Marfat.com

ما را تو بہشت اگر بطاعت بخشی
آں بیع بود لطف و عطائے تو کجاست؟

اکثر تذکرہ نویسوں نے بھی اس رباعی کو خیام کے ترجمہ میں لکھا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ایک نہایت ہی بلند ترین مقامِ عبودیت و تذلل و اعتراف ہے جو بہتر سے بہتر طریقے اور مؤثر سے مؤثر انداز میں شاعر نے اس میں بیان کیا ہے اس کا حقیقی لطف صرف انہی صاحبانِ حال و کیفیت کو حاصل ہو سکتا ہے جو اس مقام تک پہنچ چکے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں برادرانِ یوسف علیٰ نبینا و علیہ السلام کا عزیزِ مصر سے یہ کہنا اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے:

جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ	ہم ایک ناقص پونجی لے کر تیرے سامنے حاضر ہوئے ہیں، لیکن تو اس کے نقص اور کمی کو نہ دیکھ بلکہ اپنے لطف و کرم پر نظر رکھ کر ہمیں بھرپور غلہ دیدے۔ یہ

خرید و فروخت اور برابر کا معاوضہ نہیں ہے، تجھ سے بطور صدقہ و عطیہ کے طلبگار ہیں، خدا صدقہ دینے والوں کو اس کا بدلہ ضرور ہی دیتا ہے۔

"بدریوزہ گری آمدہ ایم نہ بہ تجارت"

وقال المتنبی:

وهبت على مقدار كفي زماننا
ونفسي على مقدار كفك يطلب

لیکن خیام کے مطالعہ کرنے والے تعجب سے سنیں گے کہ یہ رباعی خیام کی نہیں بلکہ عارف مشہور و جلیل سلطان ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ کی ہے!

Marfat.com

سلطان ابوسعید کا کلام نظم غالباً ایک جگہ جمع نہیں کیا گیا۔ صرف تذکروں میں چند رباعیات مل جاتی ہیں، ان مشہور رباعیات میں یہ رباعی نہیں ہے، اس لئے کسی شخص کو اس کی نسبت شبہ پیدا نہیں ہؤا۔ لیکن شیخ کے حالات و مقامات میں ایک نہایت ضخیم کتاب ان کے پوتے شیخ محمد بن المنور بن ابوسعید نے لکھی ہے جس کا نام "اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید" ہے اس کا مطالعہ کرتے ہوئے یکایک اس رباعی پر میری نظر پڑ گئی، اس کے مصنف نے تصریح کر دی ہے کہ ایک خاص وجدانی حالت میں یہ دو بیتی شیخ کی زبان پر جاری ہوئی تھی۔

اگر مزید تلاش کی جائے تو عجب نہیں کہ اسی طرح الحاقی رباعیات کے متعلق غیر متوقع معلومات جمع ہو جائیں۔

Marfat.com

مرزا غالب مرحوم کا غیر مطبوعہ کلام

مصائبِ غدر، قلعۂ معلیٰ کی تباہی

وفاداری و بغاوت کی ایک قدیمی حکایت

مرزا غالب مرحوم کا سالِ وفات "آہ غالب بمرد" ہے، یعنی ۱۲۸۵ھ ہجری اس لحاظ سے فی الحقیقت ان کا شمار موجودہ عصر جدید کے عہد میں ہونا چاہئے، ہندوستان میں پریس سترھویں صدی عیسوی کے اواخر میں رائج ہو چکا تھا اور غدر سے پہلے خود دہلی میں حاجی قطب الدین وغیرہ تجار کتب نے بعض پریس قائم کر دیئے تھے، پس ان کو اپنی تصنیف و تالیف کے لئے ابتدا ہی سے پریس موجود ملا، اور اپنے حاصلِ عمر کو اشاعت و طباعت کے لئے غیروں پر چھوڑ کر چلے جانے کی مصیبت سے دوچار ہونا نہ پڑا۔ جو فی الحقیقت کسی صاحب کمال کے لئے زمانۂ گذشتہ کی سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑا جانکاہ صدمہ رہا ہے۔

ان کی کلیاتِ نظم و نثر اور مکاتیب و رسائل اردو و فارسی کی تمام کتابیں باستثنائے اردوئے معلیٰ (جو اُن کے انتقال کے بعد مرتب ہوئی) ان کی زندگی میں خود انہیں کی زیر نگرانی شائع ہو چکی تھیں۔ دیوان فارسی غالبؔ سب سے پہلے مطبع اودھ اخبار لکھنؤ (نولکشوری پریس) میں خود چھپوایا۔ اس طرح پہلے مہر نیمروز، پھر مع دستنبو و مکاتیبِ فارسیہ باسم

پنج آہنگ شائع کی، قاطع برہان، درفش کاویانی، نامۂ غالب، تیغ تیز وغیرہ دہلی میں چھپوائیں دیوان اردو بھی غالباً پہلے مطبع اودھ اخبار میں اور پھر مکرر سہ کرر دہلی و لکھنؤ میں چھپوا کر شائع کیا۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانے میں جس قدر اردو کلام کہا گیا وہ نئے اڈیشنوں میں داخل نہیں ہوا۔ جو پہلا اڈیشن غدر سے پہلے دہلی میں چھپا تھا، اُس کی نقلیں چھپتی رہیں، بخلاف کلیات نظم فارسی کے جس کا پہلا اڈیشن اور موجودہ اڈیشن دونوں میرے پاس موجود ہیں۔ مگر دونوں کے قصائد و غزلیات و قطعات وغیرہ کی تعداد میں بہت بڑا فرق ہے، پہلے اڈیشن میں ملکۂ وکٹوریہ کی مدح کا قصیدہ:

در روزگار تو اندشمـــار یافت

خود روزگار آنچہ دریں روزگار یافت

اور ۳۳ واں قصیدہ سرآک لینڈ کالون والا:

بہر کس شیوۂ خامع در ایثار ست ارزانی

زمن مدح وزلارڈ ایلن برا گنجینہ افشانی

اور لارڈ کیننگ کے دربار آگرہ اور عطائے خطابات کی تبریک:

زسال نو دگر   بروئے کار آمد

وغیرہ قصائد ہیں۔ اسی طرح سرسالار جنگ اعظم کی مدح کا مشہور قصیدہ:

شرطست کہ داستاں نہ گویم

بھی نہیں ہے کہ یہ غدر کے بعد لکھا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی کلیات نظم کے ہر اڈیشن میں نیا کلام شامل کردیا جاتا تھا۔

مگر افسوس کہ اردو دیوان کی قسمت اس بارے میں نارسا رہی اور نیا کلام اس میں شامل نہ ہوتا رہا، اس کا ثبوت وہ متعدد غزلیں، قطعات، رباعیاں، اور بعض اردو قصائد

Marfat.com

ہیں جو بعض حضرات کے پاس قلمی موجود ہیں اور مطبوعہ دیوان میں ان کا پتہ نہیں۔

اس قسم کے غیر مطبوعہ اردو کلام میں دو مطبوعہ رباعیاں مَیں نے اس مطبوعہ نسخہ کے حاشیہ پر خود میرزا صاحب کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں، جو انہوں نے خواجہ فخرالدین حسین دہلوی مصنف سروشِ سخن کو دیا تھا۔ اور دو قصیدے، دو قطعے، ایک قطعۂ تاریخ، تین غزلیں دیوان اردو کے اس قلمی نسخہ میں ہیں جو نواب سعیدالدین احمد خاں صاحب طالب رئیس دہلی کے پاس موجود ہے۔ اس مرتبہ دہلی میں وہ نسخہ چند روز تک میرے پاس رہا اور مَیں نے تمام مطبوعہ کلام کی نقل لے لی، اس کے لئے میں نواب صاحب موصوف کا شکر گذار ہوں،

ان نظموں میں ایک اردو کا مختصر قصیدہ ہے۔ یہ بالکل نئی چیز ہے اور علاوہ غیر مطبوعہ ہونے کے اس سے مرزا مرحوم کے حالات و سوانح پر بھی مزید روشنی پڑتی ہے۔

قصیدہ

کرتا ہے چرخ روز بصد گونہ احترام — فرمانروائے کشورِ پنجاب کو سلام
حق گو و حق پرست و حق اندیش و حق شناس — نواب مستطاب امیر شہ احتشام
جم رتبہ منٹگمری بہادر کہ وقت رزم — ترک فلک کے ہاتھ سے وہ چھین لیں حسام
جس بزم میں کہ ہو انہیں آئینِ میکشی — واں آسمان شیشہ بنے، آفتاب جام

قطعہ

چاہا تھا میں نے تم کو مہ چاردہ کہوں — دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیالِ خام
دو رات میں تمام ہے ہنگامہ ماہ کا — حضرت کا عز و جاہ رہے گا علی الدوام
سچ ہے تم آفتاب ہو جس کے فروغ سے — دریائے نور ہے فلک آبگینہ فام
میری سنو کہ آج تم اس سرزمین پر — حق کے تفضلات سے ہو مرجع انام
اخبار لودھیانہ میں میری نظر پڑی — تحریر ایک جس سے ہوا بندہ تلخ کام

Marfat.com

ٹکڑے ہوا ہے دیکھ کے تحریر کو جگر — کاتب کی آستیں ہے مگر تیغ بے نیام
وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط لکھا — جب یاد آگئی ہے کلیجہ لیا ہے تھام
سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ یک قلم — نمبر رہا نہ نذر نہ خلعت کا انتظام
ستر برس کی عمر میں یہ داغ جاں گداز — جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا تمام
تھی جنوری مہینے کی تاریخ تیرھویں — استادہ ہوگئے لب دریا پہ جب خیام
اس بزم پُر فروغ میں اس تیرہ بخت کو — نمبر ملا نشست میں از روئے اہتمام
سمجھا اسے گر آب ہوا پاش پاش دل — دربار میں جو مجھ پہ چلی چشمک عوام
عزت پہ اہل نام کے ہستی کی ہے بنا — عزت جہاں گئی تو نہ ہستی رہی نہ نام
تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کلام پر — اس ناز کا فلک نے لیا مجھ سے انتقام
آیا تھا وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب — تھا بارگاہ خاص میں خلقت کا ازدحام
اس کشمکش میں آپ کا مداح دردمند — آقائے نامور سے نہ کچھ کر سکا کلام
جو واں نہ کر سکا وہ لکھا حضور کو — دیں آپ میری داد کہ ہوں فائز المرام
ملک و سپہ نہ ہو تو نہ ہو کچھ ضرر نہیں — سلطان بر و بحر کے در کا میں ہوں غلام
وکٹوریہ کا دہر میں جو مدح خواں ہو — شاہان عصر چاہییں لیں عزت اس سے وام
خود ہے تدارک اس کا گورنمنٹ کو ضرور — بے وجہ کیوں ذلیل ہو غالب ہے جس کا نام
امر جدید کا تو نہیں ہے مجھے سوال — بارے قدیم قاعدے کا چاہیے قیام
ہے بندہ کو اعادۂ عزت کی آرزو — چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام
دستور فن شعر یہی ہے قدیم سے — یعنی دعا یہ مدح کا کرتے ہیں اختتام
ہے یہ دعا کہ زیر نگیں آپ کے رہے — اقلیم ہند و سندھ سے تا ملک روم و شام

اس قصیدے کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کوئی سرکاری دربار ۱۳ جنوری کو منعقد ہوا تھا، جس میں حسب معمول مرزا صاحب کو بھی مدعو کیا گیا لیکن

Marfat.com

جب وہاں پہنچے تو اُن کی عزّت قدیمانہ کے مطابق نشست و ترتیب کا کوئی انتظام نہ تھا، حتیٰ کہ انہیں نہایت ہی ادنیٰ صف میں کُرسی ملی، یہ دیکھ کر سخت متاسف ہُوئے کہ قدیمی باتیں خواب و خیال ہوگئی ہیں۔

اس بزمِ پُر فروغ میں اس تیرہ بخت کو
نمبر ملا نشست میں از رُوئے اہتمام

"از روئے اہتمام" یعنی از رُوئے قاعدہ و ترتیب دربار جس میں یہ بہت پیچھے اور عام صفوں میں بٹھائے گئے ہونگے، اس حالت کو دوسروں نے بھی محسوس کیا اور اشارے ہونے لگے۔

دربار میں جو مجھ پہ چلی چشمکِ عوام

دربار کے بعد انہوں نے چاہا کہ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب سے ملیں اور عرض حال کریں لیکن ریل کا وقت کم رہ گیا تھا اور درباریوں کا ہجوم بھی بہت تھا، ملاقات کا موقعہ نہ ملا۔

آیا تھا وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب | تھا بارگاہِ خاص میں خلقت کا اژدحام
اس کشمکش میں آپ کا مداحِ دردمند | آقائے نامور سے نہ کچھ کر سکا کلام

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دربار دہلی سے علاوہ کسی دوسری جگہ ہُوا ہو گا۔ کیونکہ ریل کے وقت کا ذکر ہے "آپ کا مداحِ نامور" میں پنجاب کے "لیفٹیننٹ گورنر سے خطاب ہے، معلوم نہیں کہ آقائے نامور سے بھی خود وہی مراد ہیں یا کوئی اور ہم تخاطب کے بعد اس طرح کے ضمیر نما وصف سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی دوسرا شخص ہو

اس زمانہ میں لودھیانہ سے کوئی اخبار نکلتا تھا، اُس نے دربار کی روئداد چھاپتے ہُوئے یہ تمام باتیں لکھ دیں، اس پر مزید ستم یہ کیا کہ ان کا نام اور لقب لکھنے میں کچھ ایسی غلطیاں کردیں جسے دیکھ کر ان کا رنج اور دُگنا ہوگیا۔

اخبار لودھیانہ میں میری نظر پڑی | تحریر ایک، بندہ ہُوا جس سے تلخ کام

محرّرِ ٹے ہوا ہے دیکھ کے تحریر کو جگر　　کاتب کی آستیں ہے مگر تیغ بے نیام
وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط لکھا　　جب یاد آگئی ہے کلیجا لیا ہے تھام

معلوم ہوتا ہے کہ دربار میں انہیں معمولی خلعت بھی نہیں دیا گیا اور نہ نذر دینے والوں میں شمار کئے گئے۔

سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ یک قلم
نمبر رہا، نہ نذر، نہ خلعت کا انتظام

لیکن قصیدے سے ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کہ کس زمانے کا یہ واقعہ ہے اور کس دربار کا ذکر کر رہے ہیں؟ صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ غدر کے بعد کا دربار ہے، کیونکہ لفٹیننٹ گورنر پنجاب کی مدح کی ہے، نیز اس وقت ان کی عمر ستر برس کی تھی، مَیں نے اس وقت مولانا حالی کی یادگارِ غالب دیکھنا چاہی مگر کتابوں میں ملی نہیں، غالباً اس واقعہ کے متعلق اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ شاید یہ قصیدہ غدر کے بعد کے اس سہ سالہ عہد سے تعلق رکھتا ہے جب کہ قیامِ دہلی، تعلقِ قلعہ اور فتح کے بعد عدم حاضری کی وجہ سے ان کا سرکاری وظیفہ بند ہو گیا تھا، ان کی وفاداری مشتبہ سمجھی گئی تھی اور بڑی ہی تکلیف و شدائد کی زندگی بسر کرتے تھے۔

مصائبِ غدر اور مرزا غالب | غدر میں مرزا گھر سے باہر نہیں نکلے اور آخر تک بند رہے۔ مہاراجہ پٹیالہ کی سرکار سے سپاہی متعین ہو گئے تھے جو غفراں مآب حکیم محمود خاں مرحوم اور مرزا غالب دونوں کے مکانوں کی حفاظت کرتے تھے[1]

[1] بلیماروں میں حکیم صاحب کے مکان کے سامنے مسجد ہے بالکل اس سے متصل مرزا مرحوم کا کوٹھا تھا، جہاں غدر سے پیشتر آ رہے تھے، آج کل ہندوستانی دواخانہ جس مکان میں ہے ٹھیک اس کے مقابل مرزا صاحب رہتے تھے۔ مَیں جب کبھی وہاں سے گذرتا ہوں تو شوق و عقیدت کی ایک نظر ڈال لیتا ہوں اسی مسجد کے قرب کی نسبت کہا تھا ؎
مسجد کے زیرِ سایہ اک گھر بنا لیا ہے　　یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

Marfat.com

غدر کی تمام بربادیاں اور قلعۂ دہلی کی تمام خونریزیاں ایک ایک کر کے انکی آنکھوں کے سامنے گذریں، جو ہندوستان میں شش صد سالہ حکومتِ اسلامی کا آخری نقش قدم تھا، اور گو بہادر شاہ (رحمۃ اللہ علیہ) خود کچھ نہ تھا لیکن اس کی بقا سے عظمت وجبروت اسلامی کی ایک بہت بڑی رُوح زندہ تھی۔ اُس کے مٹنے سے اکبر و شاہجہان کا گھر بے چراغ ہوگیا۔ اس کا مٹنا درحقیقت سلسلۂ تیمور و آل بابر کا مٹنا تھا، معتصم عباسی خود کچھ نہ تھا لیکن جب فتنۂ تاتار میں بغداد کے محل لوٹے گئے تو معتصم کی جگہ ہارون و مامون کی عظمت لٹ رہی تھی۔

ما کان قیس ھلکہ ھلک واحدٍ
ولکنہ بنیان قومٍ تھدما

مرزا غالب نے عمر بھر بہادر شاہ کی لاحاصل مداحی کی تھی اور وہ قصیدے جو عرفی اور نظیری کے قصائد سے مقابلہ کا دم رکھتے تھے، ایک ایسے مخاطب کے سامنے ضائع کئے تھے جس کے سر پر جہانگیر و شاہجہان کا تاج تو ضرور تھا، پر نہ تو عرفی ونظیری کی قدرشناسی کا ہاتھ تھا، اور نہ کلیم کو زرِ خالص سے تلوا کر بخشش کرنے والا خزانہ۔ تاہم وہ جو کچھ لکھتا تھا، اس کا تخاطب بہادر شاہ سے نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اس تختِ اعظم کی رُوح صولت و عظمت اس کے سامنے ہوتی تھی جس پر کبھی بیٹھ کر اکبر نے فیضی سے جہانگیر نے عرفی وطالب سے اور شاہجہان نے کلیم سے مدحیہ قصائد سنے تھے، اور جو اب بھی جشنِ نوروز و عید کے دن اس زرد زرد دھوپ کی طرح جو غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے اونچی دیواروں اور محرابوں پر دکھائی دیتی ہے، دیوانِ عام و خاص کے طلائی ستونوں کے نیچے چند لمحوں کے لئے نظر آجاتی تھی۔

کہ باوجودِ خزاں بوئے یاسمن باقیست

چنانچہ ان کے اکثر قصائد مدحیہ کی تشبیہوں میں اور علی الخصوص اس مدحیہ

Marfat.com

نثر میں جو مہر نیم روز کے دیباچہ میں حضرت بہادر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے لکھی ہے، اس سوزِ دروں اور اس آتشِ پنہانی کی گرمی صاف محسوس ہوتی ہے جس کا شعلہ کاروانِ غفلت کے اس آخری مسافر کو دیکھ کر بے اختیار اُن کے دل میں بھڑک اُٹھتا تھا، اور جس کو وقت کی نزاکت اور انگریزی حکومت کے ذریعہ وظیفہ حاصل کرنے کے تعلق، نیز ایک حد تک طبیعت کی شاعرانہ طماعی و وارستگی نے غالب اگر بظاہر پوشیدہ و افسردہ کر دیا تھا۔

فتح دہلی کے بعد جو عالمگیر اور عدیم النظیر مصیبت اشراف و اعیانِ شہر پر نازل ہوئی اور جس طرح شاہجہان آباد کی ان سڑکوں پر جہاں کبھی صاحبقرانِ اعظم کی سواری کے لئے جمنا کے پانی کا چھڑکاؤ کیا جاتا تھا مسلمانوں کے خون کے فوارے بہے، مرزا غالب نے دہلی میں رہ کر اس کے تمام مناظر خونیں اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اُن چیخوں کو اپنے کانوں سے سُنا جو عرصے تک دارالخلافہ کی گلیوں اور کوچوں سے بلند ہوتی رہی تھیں۔

فلا تسألن عما جرى يوم حصرهم
وذلك مما ليس يدخل في حصر

علی الخصوص قلعۂ معلی کی بربادیاں جن کے لئے اگر تمام حیواناتِ ارض کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور جن کے غم میں اگر آسمان سے پانی کی جگہ خون برستا جب بھی ان کے ماتم کا حق ادا نہ ہوتا۔ وہ اجسادِ محترمہ و رفیعہ، جو تیمور و بابر کی یادگار اور اکبر اعظم و صاحبقران ثانی کے خون عظمت و جبروت کے حامل تھے، جنہوں نے چھ صدیوں سے متصل شہنشاہی اور فرمانروائی کی گود میں پرورش پائی تھی، جنہیں حکم و سلطنت کے عیش و جلال کے سوا کسی مصیبت کا کبھی تصور بھی نہیں ہوا تھا، اور جو ہمیشہ ان کروڑوں انسانوں کو جن کی آبادیاں کابل کے کوہستان سے لیکر آسام کے جنگلوں تک

Marfat.com

پھیلی ہوئی تھیں اپنے سامنے سربسجود پاتے تھے، کون تھا جو سنگ و آہن کا دل و جگر پیدا کر کے بھی یہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح گلیوں میں مارے جائیں، اور ان کی لاشیں اس عظمتِ رفتہ کا افسانۂ ماتم سنائیں جو چند روز پیشتر تک دنیا میں صرف انہی کیلئے تھی۔

غدًا اسمرًا بین الانام حدیثہم
وذا اسمر یدی المسامع کالسمر
تحیۃ مشتاق والف ترحم
علی الشہداء الطاہرین من الوزر

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝ (۲۷-۳۴)

لیکن یہ سب کچھ دیکھنے اور سننے کے لئے مرزا غالب دہلی میں زندہ تھے اور دیکھتے رہے تھے۔ یہ حوادث ہیں جن پر غیروں کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آتے ہیں، ممکن نہ تھا کہ مرزا غالب جیسے غم دوست شاعر نے یہ سب کچھ دیکھا ہو اور اس کے دل و جگر کے ٹکڑے نہ ہو گئے ہوں۔

گو ضرورت و احتیاج نے انہیں انگریز حکام اور گورنروں کی چوکھٹوں پر گرا دیا تھا، اور مدحیہ قصائد لکھواتے تھے، تاہم مرزا صاحب "مشفق و مہربان" کے خطابات اور ساٹھ ستر روپیہ کا خلعت اس زخم کاری کا مرہم تو نہیں ہو سکتا تھا، جو حوادث غدر سے ان کے دل پر لگا ہوگا؟ ایک ضعیف الارادہ انسان وقت و احتیاج سے مجبور ہو کر صد ہا باتیں اوپرے دل سے کر بیٹھتا ہے مگر کچھ اس سے دل کے اصلی محسوسات و جذبات مٹ نہیں سکتے۔ علی الخصوص ایسے حادثۂ کبریٰ اور مصیبت عظمیٰ کے موقعہ پر جس کو دیکھ کر بڑے بڑے غدار و ملت فروش دلوں سے بھی آہیں نکل گئی ہونگی!

الزام بغاوت چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سب باتوں کا جو اثر ایک مسلمان ہندوستانی

Marfat.com

کے قلب پر پڑتا تھا مرزا مرحوم کے دل پر بھی پڑا، اور ان کی غیرت و حمیت نے یہ گوارا نہ کیا کہ فتح دہلی کے بعد فاتح حکام کے سامنے جاکر خوشامد و عاجزی کریں اور عیش و نشاط تازہ کا تماشا دیکھیں جو دہلی مرحوم کی بربادی و تباہی کے غم و ماتم سے کی گئی ہے، وہ خود ہی کہہ چکے تھے۔

ہر جادہ کہ از نقش پئے تست بہ گلشن

چاکیست بجیب ہوس انداختۂ ما

ان کے تعلقات حکام انگریزی کے ساتھ ابتدا سے خوشامدانہ رہے تھے، ان کا وظیفہ انہی کے ہاتھ میں تھا، اس کمبخت وظیفہ کے واگزار کرنے کے لئے انہیں بیسیوں قصیدے انگریزوں کی مدح و ثنا میں اس جوش سے لکھنے پڑے، گویا اکبر و جہانگیر کی مداحی ہو رہی ہے۔ پھر وقت بھی ایسا پر آشوب تھا کہ مارشل لا جاری تھا اور سولی کے تختے اور درختوں کی ٹہنیاں ہمیشہ لاشوں سے بھری رہتی تھیں، ان حالات کی وجہ سے وہ بڑی ہی مجبوریوں میں پھنس گئے تھے، تاہم ان کی طبیعت کچھ اس طرح بیزار ہوئی کہ فتح کے بعد قلعہ میں وفادارانِ سرکاری جمع ہوئے، انعامات و سندات ملیں۔ ان تمام لوگوں نے بڑی بڑی کوششیں کر کے اپنے تئیں نمایاں کیا، جنہوں نے غدر میں حصہ نہیں لیا تھا اور اس کے صلہ و اکرام سے مالا مال ہوئے، مگر مرزا غالب اپنے بیت الحزن سے نہ نکلے اور کسی حاکم کے آگے جاکر اس کا منتقم و قاہر چہرہ نہ دیکھا! بعد کو اپنی بریت کے لئے انہوں نے عدم حاضری کے بہت سے وجوہ بیان کئے تھے مگر اصل حقیقت یہی تھی کہ دلِ دردمند کے ہاتھوں پاؤں بندھ گئے اور مصلحت و ضرورت کی عاقبت اندیشیوں کی بھی کچھ نہ چلی۔ بعد کو ہوش آیا تو عذر بنا کر پیش کرنے پڑے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ سرکاری حلقوں میں عام طور پر اس ہندوستان کے سب سے بڑے شاعر کی نسبت ٹھیک اس طرح غیر وفاداری کا یقین ہو گیا جس طرح آج کل بہت سے

نثر نویسوں کی نسبت یقین کیا جاتا ہے جو اپنے دلی جذبات و حسیات کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ ان کی وہ پنشن بھی بند ہو گئی جو ان کی زندگی کا اصل آذوقہ تھی، اور چند جامہائے "فرنچ"[۱] گلاب آمیز کا وسیلہ تھی، انگریزی درباروں میں پرسش و طلب اور عام تعلقات لطف و نوازش بھی یک قلم موقوف ہو گئے اور پوری طرح نیم باغیوں میں شمار ہونے لگا!

مرزا مرحوم کے لئے یہ حالت بڑی ہی سخت مصیبت تھی۔ ایک شاعران کرہ کی منزلوں کا مرد نہیں ہو سکتا۔ انوری نے صاف کہہ دیا ہے:

حکیم و شاعر و ملا چگونہ کنند

قلعہ کے برباد ہونے سے وہ چند روپے بھی جاتے رہے جو بہ تعلق تاریخ نویسی و شاعری ملا کرتے تھے، اس پر سرکاری وظیفہ کا بند ہو جانا قیامت تھا، شام کی سرشاری اور صبوحی کی خمار شکنی دونوں سے محروم ہو گئے، ساری زندگی آزادانہ داد و ستد اور ایک گونہ فارغ البالی میں بسر ہوتی تھی اب فاقہ مستی تک نوبت پہنچ گئی، اور صرف دوستوں اور شاگردوں کی خدمت گذاری پر دن کٹنے لگے، اس زمانے کے خطوط اردوئے معلیٰ میں موجود ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی سے تنگ آ گئے تھے اور سرکاری وظیفہ کی واگزاری اور الزام بغاوت سے بریت کے لئے بڑی بڑی کوششیں کرتے تھے۔

---

[۱] مرزا مرحوم اپنے فارسی خطوں میں ولایتی شراب کو فرنچ لکھا کرتے ہیں۔ فرانس اور اسپین شراب سازی کا مرکز ہیں، کوئی فرانسیسی شراب لی ہوگی جس کو ساختۂ فرانس ہونے کی وجہ سے "فرنچ" کہہ دیا ہوگا، انہوں نے عالم وارستگی میں یہی نام رکھ لیا۔ قاعدہ تھا کہ اس کی تیزی کم کرنے کے لئے گاہ گاہ عرق گلاب ملا لیا کرتے تھے، چنانچہ ایک غزل کے مقطع میں کہتے ہیں ؎

آسودہ باد خاطرِ غالب کہ خوئے اوست
آمیختن بہ بادۂ صافی گلاب را

Marfat.com

غیر مطبوعہ قصیدہ | یہ زمانہ تین سال تک رہا اور صفائی کی کوئی کوشش سودمند نہ ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ اردو کا یہ غیر مطبوعہ قصیدہ بھی اسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے، دربار و خلعت کا نہ ملنا، نذر وغیرہ کا سلسلہ بند ہو جانا، قدیمی عزت و احترام کی یاد، اپنی بے آبروئی و بے عزتی پر حسرت و افسوس یہ تمام باتیں جو اس میں پائی جاتی ہیں، صرف اس زمانے کی شکایتیں ہو سکتی ہیں۔ غالباً لارڈ کیننگ نے جنوری ۱۸۶۰ء میں جو دربار آگرہ میں لبِ دریائے جمنا کیا تھا اس طرف اس میں اشارہ کیا گیا ہے، دھلی سے اس میں شریک ہونے کے لئے شاید آگرہ گئے ہونگے، "لبِ دریا" خیموں کے لگنے اور ریل کا وقت کم ہونے کے ذکر سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق ان کے بعض فارسی قصائد و قطعات سے بھی ہوتی ہے جو اس زمانے میں لکھے گئے تھے، اور جو بالکل اس اردو قصیدے کے ہم معنی و ہم مطلب ہیں۔ مثلاً غدر کے بعد جو فارسی قطعہ مسٹر ایڈمنسٹن بہادر لیفٹیننٹ گورنر صوبۂ شمال و مغربی کو مخاطب کر کے لکھا ہے، اور جس کا پہلا شعر

فرزانۂ یگانہ ایڈمنسٹن بہادر
کاموختت دانش از وے آئین کاردانی

ہے، اس میں اپنی مصیبتوں کا افسانہ سنا کر الزام شرکت بغاوت سے اپنی بریت کی ہے اور کہا ہے کہ حکام کے دل میری جانب سے پھر گئے ہیں، آپ مدد کیجئے اور میری صفائی کرا دیجئے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ میرے تعلقات انگریزی حکومت سے نہایت قدیمی ہیں۔ میں ہمیشہ حکام کی مدح میں قصائد وغیرہ لکھتا رہا اور صلہ و انعام سے شادکام ہوا۔

از حضرت شہنشاہ خاطر نشانِ من بود
در مزدِ مدح سنجی صد گونہ کامرانی

یہی حالت تھی کہ:

Marfat.com

ناگاہ تند بادے کال خواست در قلمرو
برہم زد آں بنا را نیرنگ آسمانی

یعنی غدر کا ظہور ہوا۔

در وقتِ فتنہ بودم غمگین و بود با من	زاری و بے نوائی پیری و ناتوانی
حاشا کہ بودہ باشم باغی بآشکارا	حاشا کہ کردہ باشم ترکِ فانہانی
از تہمتے کہ برمن بستند بد سگالاں	حکام راست بامن یک گونہ سرگرانی

یعنی غدر کے زمانے میں پیری و ناتوانی کی وجہ سے کہیں آجا نہ سکا اور اظہار وفاداری نہ کر سکا، باغیوں سے مجھے کوئی تعلق ظاہر و باطن نہ تھا محض تہمت تراشی سے حکام مجھ سے بدظن ہو گئے ہیں، اسی طرح ۱۸۶۰ء میں جب لارڈ کیننگ گورنر جنرل نے دربار کیا ہے تو دو مطلعوں کا ایک پرزور قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔

زسالِ نو دگر آبے بروئے کار آمد
ہزار و ہست صد و شست در شمار آمد

اس قصیدے کے آخر میں وہ سب شکایتیں ایک ایک کر کے لکھی ہیں جن کے لئے اس غیر مطبوعہ اردو قصیدے میں لیفٹیننٹ گورنر پنجاب سے فریادی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیک ایک ہی وقت کی لکھی ہوئی دونوں چیزیں ہیں۔ فارسی قصیدہ وائسرائے کے پاس بھیجا ہو گا اور یہ اردو کا غیر مطبوعہ قصیدہ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کے پاس اردو قصیدے میں نمبر کرسی، خلعت و نذر، وظیفہ و انعام، تین چیزوں کے بند ہو جانے پر افسوس کیا ہے۔

یہی دکھڑا اس فارسی قصیدے میں بھی رویا ہے، اپنی قدیمی مداحی و وظیفہ خواری کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

Marfat.com

به ناگرفت چناں صرصرے دزید بدہر   کزاں بہ آئینۂ آسماں غبار آمد
شرارہ بار شعبالے زمغز خاک انگیخت   سیاہ روسپہے کاندریں دیار آمد
دریں جگر گسل آشوب کز صعوبت آں   سپہدار سپہرے بہ زینہار آمد
گواہ دعوی غالب لغرض بے گنہی   ہمیں بس است کہ ہر گونہ رستگار آمد

یعنی غدر کی بادِ صرصر سے مصائب کا غبار چھا گیا، اس زمانے میں میری بے گناہی کا بڑا ثبوت یہی ہے کہ میرے خلاف کوئی ثبوت نہ ملا، اور اس لئے کوئی مخالفانہ کارروائی میرے خلاف حکام نہ کر سکے، اس کے بعد کہتے ہیں کہ اب آپ سے طالبِ لطف و کرم و تلافیٔ مافات ہوں:

کنوں کہ شد ز تو زینت فزائے روئے زمیں   سوادِ ہند کہ چوں زلف و تار و مار آمد
خطاب و خلعت و پنشن ز شاہ می خواہم   ہم از نخست دریں ورزیہ ام قرار آمد
پس از سہ سال کہ در رنج و پیچ و تاب گذشت   سر گزارش اندوہ انتظار آمد

یہاں بھی انہی چیزوں کو طلب کیا ہے اور لکھا ہے کہ تین سال اس حالت میں گزر چکے ہیں۔

غالباً اس قصیدے کے گذارنے کے بعد شملہ سے تحقیقات کی گئی اور جب ان کی بے گناہی ثابت ہوگئی تو بدستور پنشن جاری کر دی گئی۔ تین سال کی پچھلی مجموعی رقم بھی دے دی گئی تھی، اس سے مرزا صاحب بہت خوش ہوئے تھے، چنانچہ اردوئے معلی میں اس کا ذکر موجود ہے۔

جن لوگوں نے مرزا مرحوم کی صفائی کے لئے خاص طور پر کوشش کی تھی، مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ان میں سر سید مرحوم بھی تھے، اس واقعہ سے سید صاحب اور مرزا مرحوم میں صفائی بھی ہوگئی، جن کے باہمی تعلقات قدیمانہ آئینِ اکبری کی تقریظ کے قصہ سے کچھ مکدر ہو گئے تھے۔

Marfat.com

بہر حال اس غیر مطبوعہ قصیدے کے متعلق میرا خیال ہے کہ یہ ۱۸۶۰ء میں لکھا گیا ہے اور ۱۳ جنوری کے دربار سے مقصود دربار آگرہ ہے۔ امید ہے کہ مرزا مرحوم کے ان عقیدتمندانِ کمال کے لئے جن کی تعداد اب ملک میں روز افزوں ہو رہی ہے، یہ غیر مطبوعہ قصیدہ بہت دلچسپ ہوگا، گو شاعری کے اعتبار سے چنداں اہم نہ ہو رحمۃ اللہ علیہ وغفر اللہ ذنوبہ

غالب کا غیر مطبوعہ کلام

شبِ وصال میں مونس گیا ہے بن تکیہ — ہُوا ہے موجبِ آرامِ جان و تن تکیہ
خراج بادشہِ چیں سے کیوں نہ مانگوں آج — کہ بن گیا ہے خمِ جعدِ پرشکن تکیہ
بنا ہے تختۂ گلہائے یاسمیں بستر — ہُوا ہے دستۂ نسرین و نسترن تکیہ
فروغِ حسن سے روشن ہے خوابگاہ تمام — جو رختِ خواب ہے پرویں تو ہے پرن تکیہ

قطعہ

مزا ملے کہو کیا خاک ساتھ سونے کا — رکھے جو بیچ میں وہ شوخ سیم تن تکیہ
اگرچہ تھا یہ ارادہ مگر خدا کا شکر — اٹھا سکا نہ نزاکت سے گلبدن تکیہ
ہُوا ہے کاٹ کے چادر کو ناگہاں غائب — اگرچہ زانوئے نل پر رکھے دمن تکیہ
بضربِ تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہُوا — کہ ضربِ تیشہ پہ رکھتا تھا کوہکن تکیہ
یہ رات بھر کا ہے ہنگامہ صبح ہونے تک — رکھو نہ شمع پر اے اہلِ انجمن تکیہ
اگرچہ پھینک دیا تم نے دور سے لیکن — اُٹھائے کیونکہ یہ رنجورِ خستہ تن تکیہ
غش آگیا جو پس از قتل میرے قاتل کو — ہوئی ہے اس کو مری نعشِ بے کفن تکیہ
شبِ فراق میں یہ حال ہے اذیت کا — کہ سانپ فرش ہے اور سانپ کا ہے من تکیہ

Marfat.com

روا رکھو نہ رکھو تھا جو لفظ "تکیہ کلام" — اب اس کو کہتے ہیں اہلِ سخن "سخن تکیہ"

ہم اور تم فلکِ پیر جس کو کہتے ہیں
فقیر غالبِ مسکیں کا ہے کہن تکیہ

Marfat.com

اسلامی نظامِ حکومت

Marfat.com

الحرّیۃ فی الاسلام

یعنی

نظامِ حکومتِ اسلامیہ

۲-جولائی، ۹-جولائی، ۱۶-جولائی،
۲۴-ستمبر، یکم اکتوبر، ۸-اکتوبر

سنہ ۱۹۱۳ء

الحریۃ فی الاسلام

یعنی

نظامِ حکومتِ اسلامیہ

تمام دنیا میں جمہوریت کے خیالات پھیل رہے ہیں، شخصی استبداد و مطلق الحکمی سے ہر جگہ نفرت کی جا رہی ہے اور اس حقیقت کا اعتراف پیہم ہے کہ قانونی و سیاسی آزادی میں تمام انسان مساوی الرتبہ ہیں، قوم کو اپنے ثمراتِ ملک سے تمتع کا حق حاصل ہے۔ وہ اس حق میں دوسروں پر مقدم ہے۔ دنیا کی تمام قومیں اس حقیقت پر ایمان لا چکی ہیں اور ہر ممکن ذریعہ و کوشش سے اس کے حصول کے لئے کوشاں ہیں، بعض کوششیں ہدفِ مقصود تک پہنچ چکی ہیں اور بعض پہنچنے کے قریب ہیں۔

لیکن مسلمان جو دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں اب تک اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور جو باخبر ہیں ان کے تصور میں اس کی صورت مہیب ہے، حالانکہ اس حق طلب اور داد خواہ جماعت میں سب کے آگے مسلمانوں کو ہونا چاہئے تھا، کیونکہ ان کا پیغمبر دنیا میں صرف اسی لئے آیا تاکہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلائے۔

یورپ کی قومیں دور سے کھڑی مسلمانوں کے اعمال و حرکات جہل عن الحقیقۃ کا تماشا دیکھ رہی ہیں، ہم کو از راہِ لطف و کرم اس راستے کے شدائد و خطرات سے مطلع کیا جاتا ہے

Marfat.com

اور وعید و تہدید کی کڑک میں یہ تنبیہ کرنے والی آواز سنائی دیتی ہے کہ دیکھنا اس زنجیر کو جس سختی سے کاٹنا چاہو گے اسی سختی سے یہ پاؤں میں اور زیادہ لپٹ جائیگی" اکثر واعظین سیاست از راہ شفقت و نصیحت دینی ہم کو یہ بھی تلقین کرتے ہیں کہ حریت حکومت کے لئے اس قسم کی کوششیں اور جد وجہد تعلیماتِ قرآنیہ کے خلاف اور تاریخ اسلام کے منافی ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ واقعات تازہ نے مسلمانوں کے حسّیات زندہ کر دیئے ہیں ان کو اپنا ازبا درفتہ خواب پھر یاد آگیا ہے۔ اتباع احکام ربانی کے لئے ان میں ایک نیا ولولہ پیدا ہو گیا ہے اور اسلام کی حریت و آزادی کے اسباق پر پھر انہوں نے نظر ڈالنی شروع کر دی ہے۔ اس لئے ان کے ناصحین و مشفقینِ سیاست کو ان کی ہدایت سے مایوس ہو جانا چاہئے کہ ان کا اب گمراہ ہی ہو جانا ان کے حق میں ہدایت سے بہتر ہے وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

نوبتِ زہد فروشان و ریا کار گزشت
وقت شادی و طرب کردنِ رنداں برخاست

اسلام خود اپنے بیان کے مطابق رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنیا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً دین و دنیا کی اصلاح کے لئے آیا تھا، اور اس لئے دونوں جہاں کی برکات اس کے ساتھ تھیں۔ پھر اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اسلام کے خزانۂ ہدایت میں حسنات سیات دنیاوی کا وجود نہیں تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ منصف خدمت انسانی کی انجام دہی سے مقصر رہا، جس کا تخیل بھی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ ہر مسلمان اسلام کے کارنامہ ہائے سیاسیہ اور طرق اصلاحِ حکومتِ دنیویہ سے آج واقفیت حاصل کرے۔

آج سے ۱۳۱۳ برس پہلے کا واقعہ ہے کہ دنیا استبداد و استعباد کے عذاب الیم

Marfat.com

میں مبتلا تھی۔ غلامی کی زنجیروں نے اس کا بند بند جکڑ رکھا تھا۔ فرمانروایانِ ملک، امرائے شہر، رؤسائے قبائل اپنے اپنے حلقۂ فرمانروائی میں "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ" تھے۔ اور ان کے ہاتھ میں ان کے اطاعت گذار اور پیرو بالکل مثل معدوم الارادت آلاتِ عمل کے تھے جن کی زندگی کا موضوع واحد صرف اپنے قادر وقابض کی تکمیل ہوائے نفس واتباع مرضات تھا۔ صداقتوں کی حقیقت اور امور وواقعات کی صداقت کا فیصلہ سلاطین وامرا کے چشم وابرو کا ایک اشارہ اور ملوک ورؤسا کے کام ودہن کی ایک جنبش کرتی تھی۔ مسیح سے سترہ سو برس پہلے ذات شاہی ہر تقدیس سے متصف، ہر احترام فوق العادت سے مقدس اور ہر نقص وعیب سے مبرا تھی۔ کیونکہ وہ خدا تھی خدا کا سایہ تھی یا کم از کم مرتبۂ انسانیت سے ایک بالاتر شے تھی۔

فراعنۂ مصر دیوتا تھے۔ اسی لئے مصر کے ایک فرعون نے مسیح سے سترہ سو برس پہلے اپنے درباریوں کو کہا تھا "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" یعنی موسیٰ کا خدا کون ہے؟ تمہارا بڑا خدا تو میں ہوں"۔ کلدانیوں کے ملک میں نمرود بابل کی پرستش کے لئے ہیکل بنتے تھے۔ ہندوستان کے راجہ دیوتاؤں کے اوتار بن کر زمین پر اترتے تھے۔ روما کا پوپ خدا کے فرزند کا جانشیں تھا، اور اس کا آستانۂ قدس سجدہ گاہ ملوک وسلاطین۔

روم کے قیصر اور فارس کے کسریٰ گو دیوتا نہ تھے لیکن فطرتِ بشریہ سے منزہ، اور مرتبۂ انسانیت سے بلند تر ہستی تھے۔ جن کے سامنے بیٹھنا ممنوع، جن کے سامنے ابتدائے کلام گناہ، جن کا نام لینا سوءِ ادب اور جن کی شان میں ادنیٰ سا اعتراض بھی موجب قتل تھا۔ بیت المال ملکی سامان مصرف رعایائے ملک غلامانِ درگہ شہنشاہی تھے۔

دنیا اسی تعبد وغلامی اور ذلت وتحقیر میں تھی کہ بحر احمر کے سواحل پر ریگستانی سرزمین میں ایک "عربی پادشاہ" کا ظہور ہوا جس نے اپنے معجزانہ زورِ دلوازی سے قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ دیئے، رومۃ الکبریٰ کے ایوانِ قدس کی بنیادیں ہلا دیں۔ تعبد

Marfat.com

غلامی کی زنجیریں اس کی شمشیر غیر آہنی کی ایک ضرب سے کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں اور استقلالِ ذات وفکر، حریت، خیال ورائے وشرف واحترامِ نفس، مساواتِ حقوق، اور ابطالِ شاہنشہی کی روشنی دنیائے قدیم[1] کے قلب سے نکل کر تمام دنیا میں پھیل گئی۔ شاہانِ عالم مرتبۂ قدوسیت ومعصومیت سے گر کر عام سطح انسانی پر آگئے۔ اور عام انسان سطح غلامی وحیوانیت سے بلند ہو کر مصر وبابل کے دیوتاؤں اور روم وایران کے قیصر وکسریٰ کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے۔ اور بقول گبن (مشہور مورخ) "قوائے عمل وزندہ دلی جو صومعوں اور خانقاہوں میں پڑی سوتی تھی، عسکر حجاز کی آواز دہل سے چونک پڑی اور اسلام کی اس نئی سوسائٹی کا ہر ممبر حسب استعداد فطرت وحوصلہ اپنے اپنے مرتبے پر پہنچ گیا۔"

یہ معجزانہ قوت وتوانائی کیا تھی؟ جلالِ روحانی سے بھری ہوئی ایک آواز تھی۔ جو بو قبیس کی پہاڑی سے بلند ہوئی اور جس سے گنبدِ عالم کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا کہ اے اہلِ عالم!

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳: ۵۷)	آؤ ایک بات جو اصولاً وعقلاً ہم میں تم میں متفق علیہ ہے۔ اسکو عملاً بھی تسلیم کر لیں یعنی خدا کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں نہ اسکی خدائی میں کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم خدا کے سوا ایک دوسرے کو اپنا خدا اور آقا بنائیں۔

اس ایک آواز سے انسانی جباری والوہیت کے بُت سرنگوں ہو کر گر پڑے شہنشاہیت کا پُر اسرار اور عجیب الخواص طلسم ٹوٹ گیا۔ پادشاہ، خادم رعایا، بیت المال، خزینۂ

---

[1] ملکِ عرب دنیائے قدیم کے قلب میں واقع ہے جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے اور جغرافیہ جدید سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

Marfat.com

عمومی اور تمام انسان مساوی الرتبہ قرار پا گئے۔ عرب کے بادشاہ نے نہ اپنے لئے قصر وایوان تیار کرایا نہ قاقم و دیبا کے فرش بچھائے، نہ سونے چاندی کی کرسیوں سے دربار سجایا اور نہ اُس نے اپنی ہستی کو انسانیت سے مافوق بتایا، بلکہ علی الاعلان کہدیا کہ

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ — میں بھی تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہوں

یہ تو عرب سے باہر کا حال تھا۔ خود عرب کا حال کیا تھا؟ اطرافِ عرب میں یمن، یمامہ، غسان، حیرہ، بحرین، عمان میں روم اور فرانس کے ماتحت جو ریاستیں تھیں وہ سرتاپا روم و ایران کے رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ لیکن وسطِ عرب کی بھی حالت یہ تھی کہ اسلام سے پہلے وہ بالکل مبتلائے فوضویت تھا۔ جس طرح قبیلے قبیلے کا خدا الگ تھا۔ اسی طرح ہر قبیلے کا شیخ بھی الگ تھا۔ آپس کی جنگ و جدال اور حرب و قتال نے تمام ملک کو کارزار بنا رکھا تھا۔ بے امنی و بے اطمینانی عرب کے گوشے گوشے میں موجود تھی۔ قبائل کا ایک دوسرے کے مملوکات پر غارت گری بہترین کسب معاش تھی۔ اس پر شعرائے قبائل فخریہ قصائد لکھتے تھے اور ہر شخص دوسرے کی عزت و مال کو اپنے لئے بہترین قرار دیتا ہے۔

غرض کہ دنیا کے اس خشک و بے آب ملک کا چپہ چپہ انسانوں کے خون سے سیراب کیا جا رہا تھا کہ دفعتہً سلطنتِ الٰہی کا ظہور ہوا اور وادیٔ مکہ میں عرب کے سب سے بڑے مجمع کے اندر اُس کے اس فرمان کا اعلان کیا گیا کہ اے اولادِ آدم:۔

الا ان دماءکم واولادکم حرمت	ہوشیار ہو جاؤ کہ آج جان اور مال کی حرمت
علیکم کحرمۃ یومکم ھذا، فی	قائم کی جاتی ہے جس طرح کہ آج کے دن
شھرکم ھذا، فی بلدکم ھذا	کی اس شہر مکہ میں اور ماہ حج میں حرمت ہے
الا کل شئ من امر الجاھلیہ	ہوشیار رہو کہ جاہلیت کی تمام باتیں آج میرے
تحت قدمی موضوع ودماء	پاؤں کے نیچے ہیں۔ ایامِ جاہلیت کی خونریزی
الجاھلیۃ موضوعۃ وان اول	اور اس کے انتقام کے تمام واقعات آج

دماء ضعہ من دمائنا دم ابن ربیعہ الحارث۔ سے فراموش ہوں سب سے پہلے میں خود اپنے عم زاد بھائی ابن ربیعہ بن حارث کا خون فراموش کرتا ہوں۔ (الحدیث صحاح)

یہ ایک آواز تھی جس سے عرب کی پُر شور وشر فضا میں سکوت طاری ہوگیا۔ امن عام کا ابر چھا گیا۔ حکومت الٰہی کے اُس داعی نے نصرانی شہزادہ طے سے فرمایا تھا کہ "عرب کی بے اطمینانی سے نہ گھبراؤ۔ وہ وقت آنے گا کہ ایک بڑھیا سونا اچھالتی ہوئی عرب کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے میں نکل جائیگی اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے گا" پس وہ وقت آگیا کہ بڑھیا سونا اچھالتی ہوئی ایک گوشے سے دوسرے گوشے میں نکل گئی اور کسی نے اُس سے تعرض نہ کیا۔

تاسیسِ اصلاحاتِ حکومت اس سلسلہ میں یہ عجیب بات ہے کہ اسلام نے حکومت اسلامی کا جو نظام قرار دیا وہ ایک ایسی چیز تھی جو اس کے گرد وپیش کے نظاماتِ حکومت میں کہیں بھی موجود نہ تھی۔ اُس نے ایک باقاعدہ قانونی وجمہوری حکومت کی بنا ڈالی۔ حقوقِ عامہ کی تشریح وتعیین کی۔ تعزیرات وحدود وجرائم کے مناصب قائم کئے۔ عدل وانصاف کی تعلیم دی۔ قانونی تسامح واستثناء شخصی کی ممانعت کی شخصی حکومت وذاتی امتیاز کو یک قلم مٹا دیا۔

یہ مجمل بیانات ہیں جن کی تفصیل واثبات کے لئے موجودہ اصول جمہوریت وعمومیت کی بنا پر متعدد مباحث طے کرنے چاہئیں۔

نظامِ جمہوریت ایک بہتر سے بہتر حکومت کے تخیل کے لوازم کیا ہیں۔ اس کے جواب میں ہمارا موجودہ سیاسی لٹریچر اُن دفعات سے بہتر کوئی شے نہیں پیش کرسکتا جو انقلاب فرانس کے شدائد ومصائب کے بعد اٹھارہویں صدی میں مرتب ہوئے اور جن پر آج جمہوری حکومتوں کا عمل ہے۔ یعنی:-

Marfat.com

۱- حکومت جمہور کی مِلک ہے۔ وہ ذاتی یا خاندانی مِلک نہیں۔

۲- تمام اہلِ ملک ہر قسم کے حقوق و قانون میں مساوی ہیں۔

۳- رئیسِ ملک (پریذیڈنٹ) جس کو اسلام کی اصطلاح میں امام یا خلیفہ کہتے ہیں۔ اس کا تقرر ملک کے انتخاب و اختیارِ عام سے ہو اور اس کو دیگر باشندگانِ ملک پر کوئی ترجیح نہ ہو۔

۴- تمام معاملاتِ ملکی اور امورِ انتظامی و قانونی ملک کے اہل الرائے اشخاص کے مشورہ سے انجام پائیں۔

۵- بیت المال یا خزانۂ ملکی عام ملک کی ملکیت ہو۔ رئیس کو بغیر مشورۂ ملک و اہلِ حل و عقد کے اُس پر تصرف کا کوئی حق نہ ہو۔

حکومت جمہور کی مِلک ہے، وہ ذاتی یا خاندانی مِلک نہیں

یہ بحث درحقیقت زبدۂ مباحث و خلاصۂ جمہوریت ہے۔ اور آئندہ کی تمام بحثیں درحقیقت اسی اصل کی فروع اور متعلقات ہیں۔ اس دعوے کے اثبات کے لئے کہ "اسلام میں حکومت جمہور کی ملک ہے اور کسی خاص شخص کی ذاتی یا خاندانی ملک نہیں" بہترین دلیل خود اسی کی زبان ہے۔ قرآن مجید کا یہ حکم ہر شخص کو معلوم ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ — امورِ حکومت میں اے نبی! مسلمانوں سے مشورہ لے لیا کرو (۳:۱۵۳)

دوسری جگہ حکومتِ اسلامیہ کی مدح میں ارشاد فرمایا۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (۴۲:۳۶) — اُن کی حکومت باہمی مشورہ سے ہے

اِن دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت میں حکومت کے لئے مشورۂ عام کا حکم دیا گیا ہے۔ اور دوسری آیت میں اس حکم کی تعمیل کی تصدیق کی گئی۔ ان دونوں آیتوں سے چند

Marfat.com

باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱) حکومتِ اسلامیہ میں مشورۂ عام شرط ہے۔

(۲) حکومت کی اضافت عام مسلمانوں کی طرف کی گئی ہے جس سے یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حکومت اسلامیہ کسی کی ذاتی ملک نہیں بلکہ جمہور اسلام کی ملک ہے۔

(۳) تیسری بات اُن سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا صدرِ اول میں اسی پر عمل تھا کیونکہ بغیر تاریخ سے مدد لئے ہوئے خود قرآن ہم کو تبلاتا ہے کہ "ان کی حکومت باہمی مشورے سے ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات میں ہم کو اپنے دعوٰی کے اثبات کے لئے کسی دوسری دلیل کی احتیاج نہیں لیکن واقعات کے سلسلۂ ترتیب اور اعدائے اسلام کی تبکیت کے لئے ہم کو چند دیگر واقعات کا بھی اضافہ کرنا ہے جس سے اس کا عملی رُخ اور زیادہ واضح ہو جائے۔

(۱) آنحضرت صلعم نے اور خلفائے راشدین نے اپنا جانشین کسی عزیز یا اپنے بیٹے کو نہیں بنایا۔

(۲) تمام معاملات ضروری میں آنحضرت اور خلفائے راشدین مہاجرین و انصار سے خصوصًا اور عام مسلمانوں سے عمومًا مشورہ لیتے تھے۔

(۳) خلفاء کا تقرر عمومًا مشورۂ عام سے ہوتا تھا۔

(۴) بیت المال عام مسلمانوں کا حق تھا کبھی ذاتی طور پر اس کو صرف میں نہیں لایا گیا۔ اور اسی لئے اس کا نام "بیت المال المسلمین" تھا۔ حالانکہ اگر اسلام شخصی حکومت کی بنیاد رکھتا تو ضرور تھا کہ امور مذکورہ بالکلیہ حکومت اسلامیہ میں مفقود ہوتے۔

الغرض آیاتِ مذکورہ کے علاوہ خلفاء کا عام مجمع میں انتخاب آزادی و حریت کے ساتھ اُن کے احکام و اعمال کا انتقاد، امورِ مہمہ میں خلفا کا اہل الرائے اور اربابِ حل و عقد سے استشارہ، بیت المال کی شخصی حرمت اور اس کا خزینہ عمومیہ میں ہونا اس امر کا

Marfat.com

محکم ترین ثبوت ہے کہ اسلام میں حکومت جمہورِ ملک کی طاقت کا نام ہے۔ وہ کوئی شخصی استبداد نہیں۔

تمام اہلِ ملک مراتب، حقوق، قانون، اور قواعدِ مملکت میں مساوی ہیں

درحقیقت یہ اسلام کی واضح ترین خصوصیت ہے، کہ اس کی نظر میں آقا اور غلام، معزز اور حقیر، چھوٹا اور بڑا، امیر اور فقیر سب برابر ہیں صہیب وبلال جو آزاد شدہ غلام تھے سردارانِ قریش کے پہلو بہ پہلو ان کا نام ہے۔ اسلام کے سامنے صرف ایک ہی چیز ہے جس سے انسانوں کے باہمی رتبے میں تفریق ہو سکتی ہے یعنی تقوےٰ اور حسنِ عمل۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۴۹:۱۳) تم میں زیادہ معزز وہی ہے جو زیادہ متقی ہے۔

رسول اللہ صلعم نے صرف ایک فقرے میں مراتب کی تفریق کر دی۔

الکرم التقویٰ (ترمذی باب مفاخرت) بزرگی اور بڑائی صرف تقویٰ و حسنِ عمل ہے۔

لیس لاحد علی احد فضل الا بدین وتقویٰ (مشکوٰۃ باب مفاخرت) ایک کو دوسرے پر فضیلت دینی اور تقویٰ کے سوا اور کوئی حق ترجیح و فضیلت نہیں ہے۔

الناس کلھم بنوا اٰدم، واٰدم من تراب (مشکوٰۃ) تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنا تھا۔ پس سب آپس میں برابر ہیں۔

مساواتِ قانونی کی اصلی تصویر صرف اسلام کے مرقع ہی میں مل سکتی ہے قانونِ اسلام کی نگاہ میں حاکم و محکوم اور امام و عامۂ ناس یکساں ہیں۔ کیا اسلام سے پہلے یہ ممکن تھا کہ بادشاہ اپنی رعایا کے مقابلہ میں ایک معمولی آدمی کی طرح عدالت میں حاضر ہو؟ حضرت عمر اور ابی ابن کعب میں ایک معاملہ کی نسبت نزاع ہوئی۔ زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمر جب اُن کے پاس گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "ابن ثابت یہ پہلی بے انصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں

Marfat.com

کی" یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے (کتاب الخراج)

اسی طرح حضرت امیر جب ایک مقدمہ میں مدعا علیہ بن کر آئے تو ان کو مدعی کے برابر کھڑا ہونا پڑا (عقد الفرید)

عہدِ عباسیہ میں حکومت اسلامی کی خصوصیات بہت کم باقی تھیں، لیکن پھر بھی جب مدینہ کے قلیوں نے خلیفہ منصور پر دار القضا میں دعویٰ کیا تو خلیفہ کو تنہا ان قلیوں کے دوش بدوش قاضی کے سامنے آنا پڑا۔ مامون کے دربار میں اس کے بیٹے عباس پر ایک بڑھیا نے نالش کی اور شہزادہ عباس کو بر سرِ دربار بڑھیا کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے مقدمہ کی سماعت کرنی پڑی۔

قانونِ اسلامی میں قریب و بعید کا بھی کوئی امتیاز نہیں۔ آنحضرت صلعم نے صاف فرما دیا۔

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلعم: اقیموا حدود الله علی القریب والبعید، ولا تاخذکم فی الله لومة لائم (ابن ماجہ کتاب الحدود)	خدا کے حدود (یعنی خدا کے مقرر کردہ قوانین و آئین) دور و قریب، رشتہ دار و غیر رشتہ دار سب پر یکساں جاری کرو اور خدا کے معاملہ میں تم ملامت کرنے والوں کی پروا نہ کرو۔

(۲)

جبلہ بن الیہم غسانی ایک عیسائی شہزادے نے عہدِ فاروقی میں اسلام قبول کیا تھا۔ طوافِ کعبہ کے موقع پر اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ کھینچ مارا۔ اُس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ غصّے سے بیتاب ہو گیا۔ اور حضرت عمر کے پاس آکر شکایت کی۔ آپ نے سن کر کہا کہ تم نے جیسا کیا تھا ویسی ہی اس کی سزا بھی پائی۔ اُس نے کہا "ہمارے ساتھ کوئی گستاخی

Marfat.com

کرے تو اس کی سزا قتل ہے" مگر حضرت عمر نے فرمایا "ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا۔ لیکن اسلام نے شریف و ذلیل اور پست و بلند کو ایک کر دیا" جبلہ اس ضد میں پھر عیسائی ہو گیا اور روم بھاگ گیا۔ لیکن خلیفۂ اسلام نے مساواتِ اسلامی کی قانون شکنی گوارا نہ کی۔

خود آنحضرت کا اسوۂ حسنہ مساواتِ قانونی کو چھوڑ کر اسلام کی عام طرزِ مساوات پر غور کرنا چاہئے۔ آنحضرت تمام مسلمانوں کے آقا اور سردار تھے۔ تاہم آپ نے عام مسلمانوں سے اپنے لئے کبھی کوئی امتیاز نہیں چاہا۔ ایک سفر میں کھانا پکانے کے لئے صحابہ نے کام تقسیم کر لئے تو جنگل سے لکڑیاں لانے کی خدمت سرورِ کائنات نے خود اپنے ذمہ لی۔

حضرت انس دس برس خدمتِ نبوی میں رہے لیکن اُن کا بیان ہے کہ اس مدت طویل میں مَیں نے جتنی خدمت آپ کی کی، اُس سے زیادہ آپ نے میری کی۔ مساوات کا یہ عالم تھا کہ "ما قال لی فی شی لم فعلت" یعنی تحکمانہ کام لینا یا جھڑکی دینا تو بڑی بات ہے، کبھی آپ نے اتنا بھی نہ کہا کہ فلاں کام یوں سے یوں کیوں کیا۔

غلام اور آقا ایک صحابی نے اپنے غلام کو مارا تو آپ نے فرمایا۔

"یہ تمہارے بھائی ہیں جن کو خدا نے تمہارے ہاتھ میں دیا ہے۔ جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ"

اسلام نے نہایت شدت کے ساتھ اس سے روکا کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو خواہ وہ کیسا ہی ادنیٰ درجہ کا کیوں نہ سمجھا جاتا ہو "غلام" اور "باندی" کہے۔ کیونکہ سب خدا ہی کے غلام ہیں۔ اسی طرح غلاموں کو فرمایا کہ اپنے مربیوں کو آقا نہ کہیں کہ مساوات اسلامی میں اس سے فرق آتا ہے۔

ایک بار ایک صحابی نے آنحضرت کو ان الفاظ سے خطاب کیا کہ "اے آقائے من" آپ نے فرمایا "مجھ کو آقا نہ کہو۔ آقا تو ایک ہی ہے یعنی خدا"

Marfat.com

صحابہ کا طرزِ عمل خلفائے راشدین جو تعلیم اسلامی کے زندہ پیکر تھے اُن کا بھی ہمیشہ یہی طرزِ عمل رہا۔ حضرت عمر اور ان کا غلام سفر بیت المقدس میں باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ بیت المقدس کے جب قریب پہنچے تو غلام کی باری تھی۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ سوار ہوں کہ شہر نزدیک آگیا۔ آپ نے نہ مانا اور آخر خلیفۂ اسلام بیت المقدس میں اس طرح داخل ہوا کہ اُس کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی اور اونٹ پر اس کا غلام سوار تھا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب کہ تمام شہر خلیفۂ اسلام کی شان و عظمت کا تماشا دیکھنے کے لئے امنڈ آیا تھا۔ یہ واقعہ مشہور ہے تفصیل کی ضرورت نہیں۔

واقعہ اجنادین میں رومی سپہ سالار نے ایک جاسوس مسلمانوں کے دریافتِ حال کے لئے لشکرِ اسلام میں بھیجا۔ جاسوس اسلام کے اُن سچے نمونوں کو دیکھ کر جب واپس آیا تو رومی سپہ سالار سے ایک تحیّر کے عالم میں بول اٹھا:۔

ھم باللیل رھبان وبالنھار	یہ لوگ راتوں کو استغراق عبادت میں راہب
فرسان لو سرق ابن ملکھم	ہوتے ہیں مگر دن کو شہسوار اگر ان کا شہزادہ
قطعوہ۔ واذا زنی رجموہ۔	بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالیں اور اگر
	زنا کرے تو اسے بھی رجم کریں۔

خصائص مسلم کی یہ اصلی تصویر تھی۔

مساواتِ قانونی کی ایک مثال وحید قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت چوری میں ماخوذ ہوئی قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرنے کے لئے حضرت اسامہ کو آمادہ کیا جن کو آپ بہت عزیز رکھتے تھے۔ لیکن جب اس واقعہ کے متعلق اسامہ نے آپ سے سفارش کی تو آپ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا۔

"اے لوگو! تم سے پہلے قومیں اس لئے ہلاک کی گئیں کہ جب اُن میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا (چوری کا ذکر صرف خصوصیت واقعہ کی بنا پر ہے ورنہ اس سے

Marfat.com

مراد عام جرائم ہیں) تو لوگ اس کو چھوڑ دیتے تھے، پھر جب کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے۔ لیکن خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ بھی ضرور کاٹے جاتے۔" (بخاری الشفاعۃ فی الحدود)

یہ ہے اسلام کی فرمانروائی کی اصلی تصویر اور یہ ہے وہ مساوات کی حقیقی تعلیم جس کے ساتھ اعمالِ نبوت کا اسوۂ حسنہ بھی پیش کر دیا گیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ انقلابِ فرانس نے یورپ کو استبداد و تسلط اور امتیازِ افراد سے نجات دلائی۔ اور اُس نے معلوم کیا کہ ہر انسان بلحاظ انسان ہونے کے انسان ہے۔ اگرچہ وہ سر پر تاج اور ہاتھ میں عصاء حکومت رکھتا ہو لیکن باایں ہمہ آج بھی جب کہ تمام یورپ سے شخصی فرمانروائی کا جنازہ اُٹھ چکا ہے جب کہ قانون کی عزت سب سے بالاتر سمجھی جاتی ہے جب کہ مساوات و آزادی کے حامیوں سے اس کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے ایک نظیر بھی ایسی پیش کی جا سکتی ہے جس میں فرمانروائے وقت نے ایسے صاف اور سچے لفظوں میں مساوات انسانی کا اعلان کیا ہو اور خود اپنے اوپر اس کا نمونہ پیش کرنے کے لئے آمادہ ہو؟

انگلستان میں بادشاہ قانون کے تابع بیان کیا جاتا ہے اور امریکہ و فرانس میں پریذیڈنٹ ایک عارضی مشدہ فرمائے حکومت سے زیادہ نہیں۔ لیکن اگر واقعات و نظائر کے جمع کرنے پر متوجہ ہوں تو صدہا واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قانون نے اس دورِ مدنیت و آزادی میں بھی اعلیٰ و ادنیٰ اور بادشاہ و رعایا کا ویسا ہی فرق قائم رکھا ہے جیسا کہ ہندوستان میں منو کے زمانے میں تھا۔ یا دورِ مظلمہ کی ان انسانی پرستش گاہوں کے عہد میں، جس کو آج تاریخ لعنت و نفرین کے ساتھ یاد کرتی ہے۔

ہم کو یورپ کی ان عدالتوں کا نشان دو جہاں بادشاہِ وقت ایک معمولی فردِ رعایا کے دعویٰ کی جواب دہی کے لئے آ کر کھڑا ہو۔ کیونکہ ہم نہ صرف مدینے کی اس سادہ عدالت کدۂ مسجد ہی میں نہیں بلکہ دمشق اور بغداد کے پُر شوکت عدالت خانوں میں بھی ایسا

Marfat.com

ہی دیکھ رہے ہیں۔ ہم کو وہ قانون بتلاؤ جس نے چوری کی سزا سپاہی کے لڑکے کی طرح پادشاہ کی لڑکی کو بھی دینی چاہی ہو۔ کیونکہ عرب کے اس قدوس پادشاہ کا اعلان ہم پڑھ رہے ہیں جو پادشاہوں کو مٹانے کے لئے آیا تھا۔

کیا آج بھی قانون عملاً ادنیٰ و اعلیٰ میں تمیز نہیں کرتا؟ کیا کل کی بات نہیں ہے کہ انگلستان میں ایک مدعی کے جواب میں پارلیمنٹ نے اعلان کر دیا تھا کہ پادشاہ عدالت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ عدالت اُس کے نام سمن جاری کر سکتی ہے۔ یہ اعلان ہی نہیں ہے بلکہ قانون ہے۔ کیونکہ قانون نے بایں ہمہ ادعاءِ مساوات پادشاہ کو عدالت کی حاضری سے بری اور مستثنےٰ کر دیا ہے

صدیوں کی جد و جہد کے بعد دنیا کا آج حاصل حریت اس سے زیادہ نہیں پھر وہ دعوت کیسی مقدس و محترم اور وہ مؤید من اللہ ہاتھ کیسا عظیم و جلیل تھا جس نے چھٹی صدی کی تاریکی میں حقیقی حریت و مساوات انسانی کا چراغ روشن کیا اور اعلان کر دیا:

"لو ان فاطمة بنت محمد سرقت، لقطعت یدیھا" صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم

خلیفۂ اوّل کا اعلان حق اور مساوات کا تخیل عمومی | حضرت ابوبکر نے جو پہلی تقریر کی تھی اُس کے حسب ذیل فقرے پڑھو۔

وان اقوئکم عندی الضعیف حتّٰی اخذ لہ بحقہ وان اضعفکم عندی القوی، حتّٰی اخذ منہ الحق	تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کروں اور جو ضعیف ہے وہ قوی ہے تاآنکہ میں اس کو اُس کا حق نہ دلوا دوں۔

(ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۲۹)

اس مساوات کی تعلیم نے پیروانِ اسلام کے قلب و دماغ کو حریت و مساوات

Marfat.com

کے تخیل سے لبریز کر دیا تھا۔ فارس کی لڑائی میں جب مغیرہ بن سعد ایرانی سپہ سالار کے پاس سفیر بن کر گئے اور تخت پر اُس کے برابر بیٹھ گئے تو درباریوں نے یہ سوء ادب دیکھ کر تخت سے اتار دیا تھا اس پر ان کے منہ سے کس بے ساختگی کے ساتھ یہ الفاظ نکلے ہیں۔

انا نحن معشر العرب لا یتعبد بعضنا بعضا (طبری صفحہ ۱۰۸)

ہم مسلمانوں میں تو ایک دوسرے کو غلام سمجھنے کا دستور نہیں ہے، یہ تمہارا کیا حال ہے؟

امتداد زمانہ نے خصوصیات اسلام بہت کچھ مٹا دیئے تاہم اس دفعہ سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آج مہذب ترین ممالک میں سیاہ سپید قومیں اپنی عبادت گاہوں میں ایک دوسرے کے ساتھ صف میں نہیں بیٹھ سکتیں لیکن مساجد اسلامیہ میں ایک ادنیٰ ترین مسلمان ایک امیر الامرا بلکہ شاہ افغانستان کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہوتا ہے۔ اور کوئی اس کو اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا۔ لیکن ان تعلیمات و واقعات کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں مساوات نہیں؟ اور اس بارے میں وہ آج یورپ سے درسِ حریت لینے کا محتاج ہے۔

نظامِ جمہوری کا تیسرا رکن

امام یا خلیفہ کا تقرر انتخاب عام سے ہو اور دوسروں پر حقوق میں اس کو کوئی ترجیح نہ ہو

اس مبحث کو ہم دو حصوں میں بیان کرینگے۔

(۱) تاریخ شاہد ہے کہ خلفائے راشدین میں سے کسی کا تقرر بحق وراثت یا باستبداد رائے نہیں ہؤا۔ بلکہ مجمع عام میں مہاجرین و انصار کی کثرت رائے سے (جو بمنزلۂ ارکانِ خاص تھے) اور عام مسلمانوں کے قبول سے ہؤا۔ (جو بمنزلۂ ارکانِ عام تھے) حضرت ابوبکر کا انتخاب نشست گاہ بنو ساعدہ میں حضرت عمر کی تحریک مہاجرین و انصار کی تائید اور عامۂ مسلمین کی پسندیدگی سے ہؤا۔ حضرت عمر کا انتخاب حضرت ابوبکر کی تحریک مہاجرین و انصار و عامۂ مسلمین کی تائید و قبول سے ہؤا حضرت عثمان

Marfat.com

کو عبدالرحمان بن عوف وغیرہ کی ایک نیابی مجلس کے انتخاب اور عام اہل مدینہ کے مشورہ سے خلیفہ بنایا گیا۔ اسی طرح حضرت امیر اہلِ مصر و اہلِ مدینہ کی تجویز و قبول سے خلیفہ منتخب ہُوئے۔

حضرت عمرؓ نے تو صاف فرما دیا "لا خلافۃ الا عن مشورۃ" (کنزالعمال صفحہ ۱۲۹۔ جلد ۳) یعنی خلافت صرف عام مشورہ سے طے ہو سکتی ہے۔ شریعت میں اس کے تعین کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔

واقعۂ تحکیم میں حضرت امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ کی معزولی میں بھی قوم ہی کی رائے سے مدد لینی پڑی۔ گو اس میں امیر معاویہ کے نائب نے مکر و خدع سے کام لیا تھا اور قوم کو دھوکا دینا چاہا تھا۔

حضرت امیر کی تصریح | امیر معاویہ نے حضرت امیر علیہ السّلام کو لکھا تھا کہ تم کو خلیفہ کس نے بنایا؟ حضرت جواب میں فرماتے ہیں۔

انه بایعنی القوم الذین بایعوا	"جس قوم نے ابوبکرؓ، عمرؓ و عثمانؓ کی بیعت
ابابکر وعمر وعثمان، وعلی ما	کی تھی اور جن شرائط پر بیعت کی تھی اسی
بایعوهم علیه، فلم یکن للشاهد	نے انہی شرائط پر میری بھی بیعت کی۔
ان یختار، ولا للغائب ان یرد	جو مجلس انتخاب میں موجود ہو اس کو حق
وانما الشوری للمهاجرین و	نہیں کہ اپنی رائے پر اڑا رہے اور جو
الانصار فان اجتمعوا علی رجل	غیر حاضر ہو اُس کو حق نہیں کہ اپنی غیر حاضری
وسموه اماماً، کان ذلك رضی	کی بنا پر انتخاب کو رد کر دے۔ حق مشورہ مہاجرین
فان خرج من امرهم خارج بطعن	و انصار کو ہے اگر وہ کسی ایک شخص پر متفق
او بدعة ردوه الی ما خرج منه	الرائے ہو جائیں اور اس کو امام مقرر کر دیں
فان ابی قاتلوه علی اتباعه	تو یہ ان کی رضائے عام پر دال ہے۔ پس

Marfat.com

غیر سبیل المومنین   اگر کوئی ان کی متفق علیہ رائے سے کسی
(نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۷)   طعن یا بدعت کے سبب سے علیحدہ
ہو تو ان پر واجب ہوگا کہ جس سے وہ علیحدہ ہؤا اس کے قبول پر وہ مجبور کیا جائے۔ اگر وہ اب بھی نہ مانے تو اجماع رائے مسلمین کی بنا پر اس سے جنگ کریں"

حقیقت یہ ہے کہ جناب امیر نے ان چند فقروں میں انتخاب خلافت و جمہوریت کے تمام ارکان کی بہترین تفصیل کر دی ہے اور ایسی تفصیل جس سے بہتر تفصیل آج بھی نہیں ہو سکتی۔

یزید کی خلافت سے انکار امیر معاویہ کے عامل نے جب یزید کی نسبت مدینے میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ خلافت کیلئے امیر المومنین یزید حسب سنت اسلام خلیفہ ہوتے ہیں تو ایک مسلمان نے کھڑے ہو کر علانیہ کہہ دیا کہ تم جھوٹے ہو۔ اسلام سے استبداد اور وراثت کو کیا تعلق؟ یوں کہو کہ وہ شاہان روم و فارس کی طرح بادشاہ ہوتا ہے۔ یہ واقعہ تمام تاریخوں میں موجود اور مشہور ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی رئیس کا تقرر اگر بشکل انتخاب نہ ہو تو وہ مسلمانوں کے نزدیک امام اسلام نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ قیصر و کسریٰ اسلام سمجھا جاتا تھا آنحضرت نے اپنی مشہور حدیث میں اسی قسم کی حکومت کو "ملک عضوض" فرمایا ہے۔ اسی لئے حضرت عمر نے انتقال کے وقت اعلان فرما دیا کہ میرے بیٹے عبداللہ کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں۔

بنو امیہ خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کا دور فتن و بدعات شروع ہوتا ہے جنہوں نے نظام حکومت اسلامی کی بنیادیں متزلزل کر دیں۔ تاہم جب انہی میں قامع بدعت، محی السنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے تو گو حسب سنت "ملک عضوض" سلیمان بن عبدالملک نے انہیں اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ تاہم چونکہ از روئے شریعت اسلام کسی امام کے نصب کے لئے اس قدر کافی نہ تھا اس لئے انہوں نے مسجد عام میں فرما دیا مسلمانو

چونکہ از روئے اسلام تمہارے انتخاب عام سے میرا تعین نہیں ہؤا - اس لئے میں خلیفہ نہیں ہوں تمہیں حق ہے کہ میرے سوا کسی اور کا انتخاب کر لو۔

اُن کے الفاظ یہ تھے :-

ایھا الناس انی ابتلیت بھذا	لوگو! میں اپنی رائے اور خواہش اور
الامر من غیر رای منی و	مسلمانوں کے عام مشورہ کے بغیر امارت
لا طلبة ولا مشورة من	کے عذاب میں مبتلا ہو گیا ہوں، اس لئے
المسلمین و انی قد خلعت	میں تم کو اپنی بیعت کے بارے سبکدوش
ما فی اعناقکم من بیعتی	کر دیتا ہوں - اب تم اپنی رائے میں بالکل
فاختاروا لانفسکم غیری	مختار ہو، میرے سوا جس کو چاہو اپنا امام

بنا لو۔

طریق بیعت بقیۂ شوریٰ ہے | جس طرح ارتقائے انسانی کے بعد بھی گذشتہ اعضائے اثر یہ کا وجود باقی رہ گیا ہے - بعینہ اسی طرح گو بعد کی اسلامی حکومتوں سے خصوصیات حکومت اسلامیہ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئیں - تاہم گذشتہ طرز حکومت کے بعض اعضائے اثر یہ کا وجود اب تک باقی ہے - میری مراد اس سے "بیعت" ہے - بیعت کے یہ معنی ہیں کہ تمام افرادِ ملک اپنے اپنے حکامِ شہر کے دربار میں جمع ہو کر بادشاہ کی حکومت تسلیم کر لینے کا اقرار کریں - اور دار الحکومت میں بھی عہدہ دارانِ کبار مثلاً وزرا، سردارانِ فوج، قضاۃ، امرا و حکام اور اعیانِ بلد بادشاہ کے حضور میں آ کر اعترافِ حکومت و وعدۂ اطاعت کریں - دولتِ عموریہ و دولت عباسیہ اور تمام اسلامی سلطنتوں میں ہمیشہ اس پر عمل رہا - ہندوستان کی دولت مغلیہ کی تاریخ اس پر شاہد ہے اور ٹرکی میں ہر نئے سلطان کی تخت نشینی کے بعد اولین دربار بیعت کا ہوتا ہے۔

فقہا و متکلمین اسلام نے "امامت و حکومت" کی جو شرطیں قرار دی ہیں اُن سے بھی

Marfat.com

مسئلہ انتخاب امام پر روشنی پڑتی ہے۔ گو انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف حضرت ابوبکر و عمر کے طریقِ انتخاب کو اصول قرار دے کر لکھا ہے۔ تاہم انتخاب اور شوریٰ کو اصولِ اسلامی تسلیم کرتے ہیں۔

قاضی "ماوردی" المتوفی ۴۰۵ھ لکھتے ہیں۔

الامامۃ تنعقد بوجھین:-	خلافت چند طریقوں سے منعقد ہوتی ہے
احدھما باختیار اھل الحل	ایک تو ملک کے اہل الرائے اشخاص کے
والعقد، والثانی بعھد الامام	انتخاب سے دوسرے اس سے کہ امام سابق خود
من قبل (الاحکام السلطانیہ)	کسی کا نام متعین کر دے۔

علامہ تفتازانی "شرح مقاصد" میں لکھتے ہیں۔

وتنعقد الامامۃ بطرق:-

احدھما بیعۃ اھل الحل و	خلافت چند طریقوں سے منعقد ہوتی ہے۔
العقد من العلماء والروساء و	ایک یہ کہ معززین قوم، رؤسا اور علما وغیرہ
وجوہ الناس (بحث امامت)	اہل الرائے اشخاص بیعت کریں۔

سید سند اور قاضی عضد الدین مواقف و شرح مواقف میں جو عقائد اہل سنت کی موثق ترین تصنیف ہے، لکھتے ہیں۔

وانھا (الامامۃ) تثبت بالنص	خلافت رسول اور امام سابق کی تعیین سے
من الرسول ومن الامام السابق	اجماعاً اور اہل حل و عقد ملک کی بیعت
بالاجماع وتثبت ایضاً۔	سے منعقد ہوتی ہے۔ اہل سنت و جماعت،
ببیعۃ اھل الحل والعقد عند	معتزلہ اور صالحیہ زیدیہ کے نزدیک ایسا
اھل السنۃ والجماعۃ والمعتزلۃ	ہی ہے۔
والصالحیۃ من الزیدیۃ (صفحہ ۶۰۶)	

Marfat.com

دوسری جگہ اسی کتاب میں مذکور ہے۔

وللامۃ خلع الامام وعزلہ	"قوم کو حق حاصل ہے کہ کسی سبب سے خلیفہ
بسبب یوجبہ مثل ان یوجد	کو معزول کر دے۔ مثلاً اس سبب سے کہ مسلمانوں
منہ مایوجب اختلال احوال	کے حالات اور امور دین کے انتظامات میں تباہیہ
المسلمین وانتکاس امور	اس کے باعث خلل پذیر ہو جائیں جس طرح
الدین کما کان لھم نصبہ و	کہ اس کو خلیفے کے تقرر و انتخاب کا حق امور
اقامۃ الانتظامھا واعلاءھا	اسلامیہ کے انتظام و ترقی کے لئے تھا اسی
وان ادی خلعہ الی الفتنۃ	طرح معزولی کا بھی ہے۔ اور اس کی معزولی
احتمل ادنی المضرتین	سے فتنہ برپا ہو تو پھر معزولی اور خلل احوال
(صفحہ ۲۰۷)	مسلمین ان دونوں میں سے جس کا ضرر کم ہو
	اس کو برداشت کر لیا جائیگا۔

عام کتب عقائد موجودہ اور نظام حکومت اسلامیہ | یہ موقع نہیں کہ ان تصریحات متکلمین و اصحاب عقائد کی نسبت زیادہ بحث کی جائے۔ تاہم چند اشارات ضروری ہیں

کتب کلام و عقائد میں اصل اصول شوریٰ و اجماع امت و انتخاب امام و عدم تشخص و تعین شخصی کو صاف طور پر لکھا ہے۔ اور گو اس سے اُن کا مقصد نظام حکومت اسلامیہ کی تعمیر نہ تھا۔ بلکہ زیادہ تر فریقانہ بحث وجدل اور خلافت راشدہ کا اثبات۔ تاہم اصول مشورہ و جمہوریت کے اکثر مباحث اس کے ضمن میں آگئے ہیں۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ جس اہمیت و وسعت کے ساتھ اس مسئلے کو کتب عقائد و کلام بل جمیع مدونات اسلامیہ میں ہونا چاہئے تھا اور ایک ایسے اصولی اور بنیادی مسئلہ کے لئے جس توجہ و اعتنا کی ضرورت تھی اگر اس کو پیش نظر رکھئے تو نہایت درد و افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے کافی نہیں اور جس نظر اہمیت کا وہ مستحق تھا۔

اس نظر سے عام طور پر ائمۂ اسغار و اساطین قوم نے اُسے نہ دیکھا۔

لیکن اس اغماض سے نفسِ مسئلہ کی اہمیت کی تضعیف صحیح نہ ہوگی۔ بلکہ در اصل یہ عادت بھی مثل اور بہت سی حالتوں کا نتیجہ ہے۔ بنی امیہ کے اس تسلط اور احاطۂ مستبدہ کا جس کے اثر سے ہمارے ہر فن کا لٹریچر متاثر ہؤا اور بد قسمتی سے عقائد و کلام کے تو بہت سے گوشے ہیں جن سے ان کی صدائے بازگشت آج تک آ رہی ہے۔ بنی امیہ کی سب سے پہلی بدعت، اور اسلام و مسلمین پر اُن کا اولین ظلم یہ تھا، کہ نظامِ حکومت اسلامیہ کا تختہ یکسر الٹ دیا۔ اور خلافتِ راشدہ جمہوریہ صحیحہ کی جگہ مستبدہ و ملک عضوض کی بنیاد ڈالی۔ یہ انقلاب بہت شدید تھا۔ اور بہت مشکل تھا کہ ملک کو اس پر راضی کیا جائے صحابۂ کرام ابھی موجود تھے اور خلافتِ راشدہ کے واقعات بچے بچے کی زبان پر تھے۔ اس لئے اس احساسِ اسلامی کو مٹانے کے لئے تلوار سے کام لیا گیا۔ اور جس نے قوت حق و معروف سے زبان کھولی اس کو زورِ خنجر و شمشیر سے چپ کرایا گیا۔ رفتہ رفتہ احساس منقلب اور خیالات پلٹنے لگے اور حقیقت روز بروز مستور و محجوب ہوتی گئی۔

ان کے بعد بنی عباس آئے۔ اس میدان میں یہ بھی ان کے دوش بدوش تھے۔ تصنیف و تالیف اور علوم اسلامیہ کا عروج ہؤا تو وہ اثر مخفی موجود تھا اور کام کر رہا تھا۔ یہ جو امام اور خلیفہ کے حق خلافت کے لئے فسق و معصیت کو بھی مضر نہیں سمجھتے تو یہ کتاب و سنت کا اثر تو نہیں ہو سکتا، جو "واجعلنا من المتقین اماما" کی دعا تلقین کرتا ہے۔ پھر اگر یزید اور ولید کی خلافت کی صحت منوانا اس سے مقصود نہ تھا تو اور کیا تھا؛

ان تمام تصریحات میں تم دیکھتے ہو کہ انتخابِ خلیفہ کے لئے انتخابِ عام و مشورہ اہلِ حل و عقد کے ساتھ خلیفۂ سابق کی تعیین کو بھی ایک شکل صحیح قرار دیا ہے۔ در اصل اس میں حضرت عمرؓ کے انتخاب کی مثال پیش نظر ہے لیکن غور کیجئے تو حضرت عمر کے لئے گو حضرت ابو بکر نے تحریک کی لیکن اس پر تمام اربابِ حل و عقد اور پھر عامۂ مسلمین نے

پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس لئے وہ بھی تعیین شخصی نہیں بلکہ بمنزلۂ انتخاب عام کے تھا۔
اس بنا پر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اسلام نے سوا انتخاب عام کے اور کوئی صورت تعیین خلفا یا ولی عہدی وغیرہ کی قرار نہیں دی ہے اور اس لئے کتب عقائد کی تقسیم و تعدد طرق نصب امام بالکل غیر ضروری ہے۔
حضرات امامیہ گو امامت و خلافت کے لئے اجماع امت نہیں تسلیم کرتے تاہم ان کا ایک فرقہ (جارودیہ زیدیہ) حق امامت کو آل حسن و حسین صلوٰۃ اللہ علیہما میں محدود قرار دینے کے باوجود بھی آل طاہرین میں سے ایک کا انتخاب حوالۂ شوریٰ کرتا ہے۔
ان تشریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام میں جمہوریت کا جز اعظم یعنی مسئلہ انتخاب مفقود ہے۔

(۲)

مساوات حقوق و مال | یہاں تک اس بحث کا پہلا ٹکڑا تھا۔ اب ہم دوسرے ٹکڑے پر نظر ڈالتے ہیں۔
اسلام میں خلفاء کو عزت و احترام دینی کے علاوہ حقوق انتظامی و مالی میں کوئی تفوق و ترجیح نہ تھی۔ تاریخ اسلام کا ایک مشہور و مسلم واقعہ ہے اور اس کے ثبوت کے لئے تواتر عمل کافی ہے۔ تاہم سلسلۂ بیان کے لئے چند اشارات کئے جائیں گے۔
گذشتہ صفحات میں ظاہر کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلعم کا عام مسلمانوں کے ساتھ طرز عمل کیا تھا۔ اور کس مساویانہ حیثیت سے وہ تمام مسلمانوں سے ملتے تھے۔ سیرت نبوی کے بے شمار واقعات میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو اس مساوات سے مستثنیٰ ہو۔ وہ ہمیشہ لوگوں میں اس قدر مل جل کر بیٹھتے تھے جیسے اس مجلس کا ایک عام ممبر اور ہمیشہ فرماتے: "خدایا میں غریب ہوں۔ مجھ کو غریبوں ہی میں زندہ رکھ اور غریبوں ہی کے زمرہ میں اٹھا"۔ کھانے کے وقت آپ اس طرح بیٹھتے جس طرح ایک معمولی غلام

Marfat.com

اور پھر فرطِ انکسار سے فرماتے "میں خدا کا غلام ہوں۔ اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک غلام کھاتا ہے۔" اللہ اکبر۔

اُدھر اللہ سے واصل، اِدھر مخلوق میں شامل
مقام اس برزخِ کبریٰ میں تھا حرفِ مشدد کا

خلیفۂ اسلام کے اختیارات حضرت ابوبکر نے اوّل خلافت میں جو سب سے پہلی تقریر کی اس کے بعض فقرے یہ ہیں۔

ایھا الناس! قد ولیت امرکم ولست بخیرکم۔ ایھا الناس انا متبع ولست بمبتدع، فان احسنت فاعینونی، وان زغت فقوموني (ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۲۹)

لوگو! میں تمہارا خلیفہ مقرر ہوا ہوں۔ گو میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ لوگو! میں پیروی کرنے والا ہوں، کوئی نئی بات کرنے والا نہیں ہوں۔ اگر میں ٹھیک کام کروں تو مجھے مدد دو۔ اور اگر میں کج ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔

فتح شام کے بعد ایک مجلسِ شوریٰ میں ایک مسئلہ کی نسبت جب اختلافِ آرا ہُوا تو حضرت عمر فاروق نے ایک طویل خطبہ دیا۔ اس کے چند الفاظ یہ ہیں:

فانی واحد کاحدکم ولست ارید ان تتبعوا ھذا الذی اھوی (کتاب الخراج)

کیونکہ میں بھی تم میں سے ایک کے برابر ہوں میرا منشا یہ نہیں کہ میں جو چاہتا ہوں اس کو تم بھی مان لو۔

"کاحدکم" کے لفظ پر غور کرو۔ آج کل اکثر موقعوں پر پریذیڈنٹ کی رائے دو دوٹوں کے برابر ہوتی ہے یا اس کو حقِ ویٹو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن حضرت فاروق نے صاف کہہ دیا کہ گو میں خلیفۂ وقت ہوں، تاہم میری رائے تمام اعضائے شوریٰ کی طرح صرف ایک ووٹ ہی کا حکم رکھتی ہے۔ اس سے زائد نہیں۔

Marfat.com

کیا آج یورپ کی بہتر سے بہتر جمہوریت میں کوئی اس کی نظیر مل سکتی ہے۔ فتدبروا وتفکروا یا اولی الالباب!

خلیفۂ وقت کے مصارف شخصی حکمرانی کا سب سے زیادہ ظالمانہ اور مکروہ منظر یہ ہے کہ قوم اور ملک کی دولت صرف ایک فردِ واحد کے آرام و تعیش کا ذریعہ ہوتی ہے اور جب کہ اللہ کے ہزاروں بندوں کو زندہ رہنے کے لئے بدتر سے بدتر غذا بھی میسر نہیں آتی تو وہ سونے کے تخت پر لعل و جواہر کے دانوں سے کھیلتا ہے۔

پس جمہوریتِ صحیحہ کا ایک اہم رکن یہ ہونا چاہئے کہ حصولِ عز و جاہ و خرجِ مال و دولت کے لحاظ سے عام رعایا اور والئ ملک کا درجہ ایک کردیا جائے۔ اور کوئی ممتاز اور فوق العادۃ حق اسے حصولِ مال و تسلّط خزینہ کا نہ دیا جائے۔

اگر یہ سچ ہے تو دنیا کو رونا چاہئے کہ اب تک اس کی بدبختی ختم نہیں ہوئی۔ وہ حریت و مساوات کے نعرے جو نئے تمدن کی فضا کو ہمیشہ طوفانی رکھتے ہیں۔ افسوس کہ ابھی اصلیت و حقیقت کے حصول کے محتاج ہیں۔ انسانی آزادی کا وہ فرشتہ جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ "انقلابِ فرانس" کے پروں سے زمین پر اترا گو بہت حسین ہے مگر پورا کامیاب نہیں۔ آج بھی یورپ کو حریت کا سبق لینے کی ضرورت ہے۔ آج بھی وہ درسِ مساوات کا محتاج ہے۔ آج بھی اُسے مضطرب ہونا چاہئے۔ تاکہ نوعِ انسانی کے احترام کے معمے کو حل کرے۔ اور خدا کے یکساں اور ہم درجہ بندوں کو تفریق و امتیازِ دنیوی کی لعنت سے چھڑانے کی معرفت حاصل کرے۔

یہ سب کچھ اسے اسلام ہی سکھا سکتا ہے وہ کل کی تاریکی کی طرح آج کی روشنی میں بھی اس کا محتاج ہے۔ کیونکہ "انسانی مسئلہ" کے حل کی روشنی صرف اسی کے پاس ہے۔

یورپ کہتا ہے کہ مساوات اور حریت کا وہ معلم ہے۔ ہم اس کو سچ مان لیتے ہیں لیکن پھر یہ کیا ہے۔ جواب تک پادشاہوں کے سروں پر نظر آتا ہے۔ یہ کس کی دولت ہے

جو تاج شاہی کے ہیروں میں دفن کی جاتی ہے۔

وہ سر بفلک عمارتیں، وہ عظیم الشان محل وایوان، وہ انسانی ترقی کے بہتر سے بہتر وسائل تعیش اور ذرائع آرام وراحت جو آج بھی اُس کے بادشاہوں اور پریذیڈنٹوں کے لئے لازمی سمجھے جاتے ہیں، کہاں سے آتے ہیں اور کن کا خون ہے۔ جن کے قطروں سے عظمت وکبریائی کی یہ چادر رنگی جاتی ہے؟

اگر یورپ نے مساوات انسانی کا راز پالیا ہے تو پھر اب تک بادشاہ و رعیت کے حقوق و امتیاز میں یہ فرق کیوں ہے؟

یورپ کی مساوات یہ ہے کہ بادشاہ کے ہاتھ سے مطلق العنانی کی باگ چھین لے مگر اسلام صرف اتنے ہی کو کافی نہیں سمجھتا، بلکہ وہ ان کے سروں پر سے تاج اور اُن کے نیچے سے تخت بھی کھینچ کر الٹ دینا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ کسی انسان کو محض خلیفۂ وقت ہونے کی بنا پر یہ حق دینا جائز نہیں رکھتا، کہ لاکھوں انسانوں کے سروں پر ٹوپیاں ہوں مگر اُس ایک کا سر ہیروں اور موتیوں سے لیا جائے

مدینے کا وہ قدوس بادشاہ چٹائی پر سوتا تھا۔ اور اس کے جسم مبارک پر داغ پڑ جاتے تھے۔ اُس کے جانشین عین اس وقت جب کہ روم و عجم کے تخت الٹنے کے لئے حکم دینے والے تھے۔ پھٹے کمبلوں کو جسم پر رکھتے تھے اور پتوں کی جھونپڑی کے نیچے سوتے تھے۔

آج یورپ کے بادشاہوں کی اس تنخواہ پر نظر ڈالو جو ملک کا خزانہ بے دریغ اُن پر لٹا رہا ہے۔

شاہ انگلستان کی تنخواہ

جیب خرچ	۱۱۰۰۰۰ پونڈ ماہوار	گھر کا خرچ	۱۹۳۰۰۰ پونڈ ماہوار
ملازموں کی تنخواہ	۱۲۵۸۰۰ ” ”	شاہی محلات کی آرائش کیلئے	۲۰۱۰۰۰ ” ”

Marfat.com

انعامات و خیرات کے لئے	۳۲۰۰ پونڈ ماہوار	میزان کل	۴۷۰۰۰ پونڈ ماہوار
متفرق اخراجات	۸۰۰ " "	بحساب روپیہ	۷۰۵۰۰۰۰ روپیہ "

اس میں شہزادہ ویلز کے ۳ لاکھ اور دیگر شاہزادوں کی رقوم شامل نہیں ہیں ستر لاکھ پچاس ہزار روپیہ صرف بادشاہ کی ذاتِ خاص کے لئے ہے۔

بطور نمونے کے ہم نے سب سے بڑے بادشاہ کی تنخواہ درج کر دی ہے۔ اب ذرا دیکھو کہ اسلام نے مسلمانوں کے بادشاہ کے لئے کیا تنخواہ رکھی ہے۔ اور خود ان کا مطالبہ اپنی تنخواہ کی نسبت کیا تھا؟

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر خود ہی اپنے مصارف بتلا دئیے۔

اخبركم بما يستحل لي منه حلتان	مَیں خود بتاتا ہوں کہ بیت المال سے مجھے
حلة في الشتاء وحلة في القيظ	کتنا لینا جائز ہے۔ دو جوڑے کپڑے ایک
وما احج عليه واعتمر من	جاڑے کے لئے اور ایک گرمی کے لئے
الظهر وقوتي وقوت اهلي كقوت	ایک سواری جس پر حج اور عمرہ ادا کروں اور
رجل من قريش ليس باغناهم	قریش کے ایک متوسط الحال آدمی کے
ولا بافقرهم۔ ثم انا بعد	اخراجاتِ طعام کے برابر اپنے اور اہل و
رجل من المسلمين يصيبني	عیال کے لئے اخراجات طعام۔ اس کے
ما اصابهم	بعد میں ایک ادنیٰ مسلمان ہوں، جو ان کا
(ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۹۸)	حال ہے وہی میرا حال ہے۔

معاذ بن جبل ایک بڑے پایہ کے اصحابی ہیں۔ روم کے دربار میں سفیر بن کر گئے تھے۔ رومی سردار نے قیصر کے جاہ و جلال اور اعزاز و اختیارات سے ان کو مرعوب کرنا چاہا۔ یہاں مسلمانوں پر دوسرا ہی رنگ چھایا ہوا تھا۔ جن کے دلوں میں جلالِ خداوندی کا نشیمن ہو۔ ان کی نظروں میں اس طلسمِ زخارفِ دنیوی کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ حضرت

معاذ نے امیر عرب کے اختیارات کی جن الفاظ میں تصویر کھینچی وہ حسب ذیل ہے۔

وامیرنا رجل منا ان عمل فینا
بکتاب دیننا وسنة نبینا اقررناه
علینا وان اعمل بغیر ذلک عزلناہ
عنا وان ھو سرق قطعنا یدہ،
وان زنا جلدناہ۔ وان شتم
رجلاً منا شتمه بما شتمه وان
جرحه اقادہ من نفسه، ولا
یحتجب منا ولا یتکبر علینا و
لا یستاثر علینا فیئنا الذی
افاءہ الله علینا، وھو کرجل
منا (فتوح الشام ازدی)

"ہمارا خلیفہ ہم میں سے ایک فرد ہے۔ اگر ہمارے مذہب کی کتاب اور ہمارے پیغمبر کے طریقہ کی پیروی کرے تو ہم اس کو اپنا خلیفہ باقی رکھیں ورنہ اس کو معزول کر دیں۔ اگر وہ چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالیں۔ اگر زنا کرے تو اس کو سنگسار کر دیں۔ اگر وہ ہم میں سے کسی کو گالی دے تو وہ بھی برابر کی گالی سُنے اگر وہ کسی کو زخمی کرے تو اس کا بدلہ دینا پڑے وہ ہم سے چھپ کر قصر و ایوان میں نہیں بیٹھتا وہ ہم سے غرور و تکبر نہیں کرتا۔ وہ تقسیم غنیمت میں اپنے کو ہم پر ترجیح نہیں دیتا۔ وہ ہم میں ایک معمولی آدمی کا رتبہ رکھتا ہے اور بس

اِن الفاظ کو غور سے پڑھو۔ کیا اس سے واضح تر، اس سے روشن تر، اس سے صحیح تر، اس سے مؤثر تر الفاظ میں جمہوریت کی حقیقت ظاہر کی جا سکتی ہے۔ کیا حکومت عام کی اس سے بہتر نوعیت ہو سکتی ہے؟ کیا مساواتِ نوعی اور عدم تفوق نوع جمیع افراد کی اس سے بہتر مثال تاریخ عالم پیش کر سکتی ہے۔ اللہ بنی امیہ سے انصاف کرے جنھوں نے اسلام کی اس مقدس تصویر مساوات کو اپنے کثافت اغراض و نفس سے ملوث کر دیا۔ اور اس کی بڑھتی ہوئی قوتیں عین دورِ عروج میں پامالِ مفاسد و استبداد ہو کر رہ گئیں۔

اللہ اللہ! آج دنیا کی ایک وہ قومیں ہیں جن کے پاس کچھ نہ تھا پر انھوں نے

Marfat.com

نے حاصل کیا۔ اور ایک ہم ہیں کہ خزانے کے خزانے لیکر آئے تھے مگر آج سوائے ذکر عیش کے خود عیش کا کہیں وجود نہیں۔

آئندہ و گذشتہ تمنا و حسرت ست

یک کاش کے بود کہ بصد جا نوشتہ ایم

شرک فی الصفات کلمات تعظیم و تبجیل کے عجیب و غریب القاب ہیں، جو لوک و سلاطین عالم کے ناموں کے پہلے نظر آتے ہیں۔ اور جن کے بغیر ذات شاہانہ کی طرف اشارہ کرنا بھی سوء ادب کی اخیر حد ہے۔ مگر مرقع خلافت اسلامیہ میں ان کی مثال ڈھونڈنا بے کار ہوگا۔ ایک ادنیٰ مسلمان آتا ہے اور "یا ابا بکر" اور "یا عمر" کہہ کر پکارتا ہے۔ اور وہ خوشی سے جواب دیتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو الفاظ تعظیمی استعمال ہو سکتے ہیں وہ "خلیفہ رسول اللہ" اور "امیر المومنین" ہیں۔ اور جو مدح نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ امراء و حکام ملک بھی انہیں الفاظ سے خلفا کو خطاب کرتے تھے۔

خود آنحضرت صلعم کی بھی یہی حالت تھی۔ آپ اپنی نسبت لفظ آقا / سید تک سننا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک معمولی بدوی آتا تھا اور "یا محمد" کہہ کر خطاب کرتا تھا۔ ایک بار ایک بدوی حاضر ہوا اور ڈرتا ہوا خدمت نبوی میں آگے بڑھا۔ آپ نے فرمایا "تم مجھ سے ڈرتے ہو؟ میں اُس ماں کا بیٹا ہوں جو قدید (ایک معمولی عربی کھانا) کھاتی تھی" (یعنی ایک معمولی عورت کا بیٹا ہوں) سبحان اللہ!

چہ عظمت دادہ یارب بخلق آں عظیم الشاں

کہ "انی عبدہٗ" گوید بجائے قول "سبحانی"

ایک صحابی نے اپنے بیٹے کو خدمت نبوی میں بھیجنا چاہا۔ اُس نے باپ سے پوچھا کہ اگر حضور اندر تشریف فرما ہوں تو میں کیونکر آواز دوں گا؟ باپ نے کہا "جان پدر محمد کا شانۂ نبوت دربار قیصر و کسریٰ نہیں ہے۔ حضور کی ذات تجبر و تکبر سے بلند ہے۔ آپ

Marfat.com

اپنے جاں نثاروں سے ترفع نہیں کرتے"۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اَفْضَلِ الرُّسُلِ وَاَکْمَلِھِمْ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اَفْضَلِ الْمُسْلِمِیْنَ وَاَکْمَلِھِمْ اٰلِهِ الْاَبْرَارِ وَاَصْحَابِهِ الْاَخْیَارِ۔

ماضی وحال یہ حالت تو تاریخ اسلام کی افضل ترین ہستی سے لیکر اُس کے خلفاو جانشین تک کی تھی۔ لیکن اس کے مقابلے میں آج بادشاہتوں اور ریاستوں کو چھوڑکر صرف اپنی قوم کے ان لوگوں کو دیکھو جن کے پاس جائداد کا کچھ حصہ یا چاندی سونے کے کچھ سکّے جمع ہو گئے ہیں۔ ان میں بہت سے لوگ دولت کو تمام فضیلتوں کا منبع قرار دیتے ہیں۔ اور اس لئے لیڈری اور پیشوائی کے بھی مدعی ہیں۔ ان میں بہت سے فراعنہ اور نماردہ تم کو ایسے ملیں گے جن کا نام اگر خطابوں سے الگ کرکے زبان سے نکالا جائے جو اُن کے شیطانی خبث غرور نے گھڑ لئے ہیں یا حکومت کی خوشامد وغلامی کا اصطباغ لے کر حاصل کئے ہیں تو ان کے چہرے مارے غیظ وغضب کے درندوں کی طرح خونخوار ہو جاتے ہیں اور چارپایوں کی طرح ہیجان غصہ وغلظت کو روک نہیں سکتے۔

رسول خدا اور اُن کے جانشین اپنے تئیں محض ایک متبع کتاب وسنت سمجھتے تھے اور ایک معمولی باشندۂ مدینہ کے برابر قرار دیتے تھے وہ پکار پکار کر کہتے تھے کہ میں اسی وقت تک تمہارا امیر ہوں جب تک حق وشریعت کے مطابق چلوں اور اگر میں کجروی اختیار کروں تو تم مجھ کو سیدھا کردو۔ پھر آج کل کے ان بدترین نسل فراعنہ سے کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کیسا تمرد اور کیا نمرودیت ہے؟ اگر ان کو خود اپنے لئے اسلام عزیز نہیں تو کیا اپنی قوم کے اسلام کو بھی کفر سے بدل دینا چاہتے ہیں؟

کیا وہ بھول گئے کہ ان کے مخاطب وہ لوگ ہیں جنہوں نے خلفائے رسول کو ان کے ناموں سے پکارا، ان کو بات بات پر ٹوکا۔ اُن پر سختی سے سخت اعتراض کئے۔ اُن کو خطبہ دیتے ہوئے روک دیا۔ اور اس رسول کی امت ہیں جس نے ایک موقعہ پر اپنے جاں نثار سو

کو اپنی تعظیم کے لئے بھی کھڑے ہونے سے روک دیا تھا کہ "لا تقوموا کالاعاجم" یعنی عجم کے تاج پرستوں کی طرح میری تعظیم نہ کرو کہ اسلام کی توحید اس سے مبرا ہے پھر کیا ہے جس نے ان کے نفس کو مغرور کر دیا ہے۔ اور وہ کونسا ورثہ عظمت و جلال ہے جو تکبر و غرور کی طرح ان کو اپنے مورث اعلیٰ فرعون و نمرود سے ملا ہے۔ اگر دولت کا گھمنڈ ہے تو مجھے اس میں شک ہے کہ اُن کے پاس جہل کی طرح دولت بھی کثیر ہے۔ اگر اپنے ان پرستاروں اور مصاحبوں کا انہیں غرور ہے جو غلامی اور دولت پرستی کی غلاظت کے کیڑے ہیں تو میں یہ باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں پاتا کہ وہ دنیا کی مغرور و مستبد بادشاہتوں سے بھی بڑھ کر اپنے غلاموں اور پرستاروں کا حلقہ اپنے اردگرد رکھتے ہیں۔ بہرحال خواہ کچھ ہو مگر میری آواز کا ہر سامع آج انہیں ان کی قوت اور ناکامی کا پیام پہنچا دے۔ اب ان کی تباہی و بربادی کا آخری وقت آگیا۔ وہ دنیا جس نے بحر احمر میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق ہوتے دیکھا تھا اور جو اس طرح کے ان گنت تماشے ہزاروں دیکھ چکی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہندوستان کے اندر بحر حریت و صداقت میں جس کی موجیں نہ صرف نام ہی میں بلکہ حقیقت میں احمر ہونگی۔ ان مغرور اور ستمگر لیڈروں کے غرق ہونے کا بھی تماشا دیکھ لے۔

اذا جاء موسیٰ والقی العصا

فقد بطل السحر والساحر

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ	"اور فرعون اور اس کے لشکر نے زمین
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا	پر ظلم و استبداد کے ساتھ بہت گھمنڈ کیا
لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ	اور وہ نادان سمجھے کہ مرنے کے بعد گویا انہیں
فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ	ہماری طرف لوٹنا ہی نہیں ہے۔ پس ہم نے
كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ	فرعون اور اس کے لشکر کو بالآخر اپنے دست
اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ	قدرت سے پکڑ لیا اور سمندر کی موجوں میں

Marfat.com

الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ — پھینک دیا۔ پھر دیکھو کہ حق سے منحرف ہونے
(۲۸ : ۴۲) — والوں کا کیسا بُرا انجام ہوتا ہے۔ ہم نے
فرعونیوں کو انسانوں کی پیشوائی اور لیڈری تو دی تھی مگر وہ ایسے لیڈر تھے جو ہدایت اور رہنمائی کی جگہ قوم کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے۔ قیامت کے دن ان کی پیشوائی کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جب کہ کوئی ان کا مددگار اور حامی نہ ہوگا"۔

(۴)

ہم نے آغازِ تحریر میں اُس سیاسی انقلاب پر ایک اجمالی نظر ڈالی تھی جو ظہورِ اسلام سے عالمِ انسانیت میں طاری ہوا۔ ہم نے اُسر و غلامی اور استبداد و حکمِ ذاتی کی وہ بیڑیاں دیکھی تھیں۔ جن کے ذریعہ انسانیت کے پاؤں جکڑ دیئے گئے تھے۔ پھر چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں ہم نے اس حربۂ حریتِ الٰہیہ کو بلند ہوتے دیکھا جو جبلِ بوقبیس کی غاروں میں ڈھالا گیا تھا۔ مگر اس کی چوٹیوں پر چمکا اور بلند ہوا اور پھر اس زور و قوت سے اُن بیڑیوں پر گرا کہ "الحکم للہ العظیم الکبیر" کے ایک ہی ضربۂ بے امان و آہن پاش میں ان کے تمام آہنیں حلقے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر گئے اور خدا کے بندوں کے پاؤں اس کی طرف دوڑنے کے لئے آزاد ہو گئے:۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ — "اور ظالموں سے مقاتلہ کرو یہاں تک کہ
وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ — اللہ کی سرزمین ظلم و معصیت اور ماسوائے
(۲ : ۱۸۹) — اللہ پرستی کے فتنہ سے پاک ہو جائے اور
شریعت و حکم کا تمام تسلط صرف اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ کیونکہ اس کے سوا دنیا میں حکم و تسلط کسی کو سزاوار نہیں

اس کے بعد ہم نے موجودہ عہدِ جمہوریت و آئین پر ڈالی اور اس کے نظام و اساس کی جستجو و سراغ میں نکلے۔ ہم کو چند اصول بتلائے گئے۔ جن کی تاسیس کا فخر داد عامۂ موجودہ

"عصرِ منور" کا بنیادِ شرف اور اساسِ امتیاز ہے۔ لیکن ہم نے مڑ کر دیکھا تو تیرہ سو برس پیشتر گذرے ہوئے "دورِ ظلمت" میں ایک ہاتھ نظر آیا جو اسی مصباحِ فروزندۂ حریت و جمہوریت کی ضیا و نورانیت سے تمام ظلمت کدۂ عالم کی تاریکی کا تنہا مقابلہ کر رہا تھا۔

بالآخر وہ فتحیاب ہوا۔ ظلمتِ انسانی پر نورِ الٰہی نے نصرت پائی اور وہی آفتابِ ارشاد و ہدایت ہے جس سے کسبِ انوار و تجلیات کر کے آج دنیا کے تمام گوشوں نے اپنے اپنے چراغ روشن کر لئے ہیں ؎

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں
ہر کجا می نگری، انجمنے ساختہ اند

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۙ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ (۳۳ : ۴۶)	اے پیغمبر ہم نے تم کو دنیا کے لئے گواہی دینے والا، سلطنتِ الٰہی کے قیام کا بشارت دہندہ ظلم و عصیان کے نتائج سے ڈرانے والا انسان کی غلامی سے بغاوت اور اللہ کی وفاداری کی

دعوت دینے والا اور مختصر یہ کہ ہر طرح کی تاریکیوں کو مٹانے کے لئے ایک روشن و منور چراغ بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا۔"

وہ چراغ جو انسانی ہاتھوں سے بلند کئے گئے ہیں، بجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ خود انسان کے چراغِ حیات کو قرار نہیں، پر جو "سراجِ منیر" اللہ کے مقتدر و غیر فانی ہاتھوں سے روشن ہوا ہے اس کی نورانیت کے لئے کبھی اطفا و زوال نہیں ہو سکتا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ (۳۵ : ۲۴)	اللہ ہی آسمان و زمین کی روشنی ہے اس کے نور (ہدایت نبوت) کی مثال ایسی سمجھو جیسے ایک

(بلند و رفیع) طاق ہے اور اس پر ایک منور و فروزندہ چراغ روشن ہے۔

Marfat.com

اللھم صل وسلم علیہ وعلی الہ الواصلین الیہ

مشہور انقلاب فرانس کے مصائب وشدائد کے بعد (جو یورپ میں حریت و جمہوریت کے مذبح کی سب سے بڑی اور آخری قربانی تھی) موجودہ جمہوریت کا اصلی دور شروع ہوتا ہے۔ ہم نے تبلایا تھا کہ اس دور کے اساس اولین کی پانچ دفعات ہیں۔ جیسا کہ مشہور فرانسیسی مورخ Ch. Seignodos نے اپنی تاریخ انقلاب تمدن میں تصریح کی ہے

۱۔ استیصالِ حکم مطلق وذاتی۔ یعنی حق حکم وارادہ اشخاص کی جگہ افراد کے ہاتھ میں جائے شخص، ذات اور خاندان کو تسلط وحکم میں کوئی دخل نہ ہو۔ اسی کے ذیل میں پریذیڈنٹ کا انتخاب بھی آگیا۔ جس کو اسلام کی اصطلاح میں خلیفہ کہتے ہیں۔ اس کے انتخاب میں کسی حقِ خاندانی کو دخل نہیں۔ ملک انتخاب کرے اور اسی کو حق عزل و نصب ہو۔

۲۔ مساوات عامہ جس کی بہت سی قسمیں ہیں۔

مساواتِ جنسی، مساواتِ خاندانی، مساواتِ مالی، مساواتِ قانونی، مساوات ملکی وشہری وغیرہ وغیرہ۔ اسی بنا پر پریذیڈنٹ کو بھی عام باشندگانِ ملک پر کوئی تفوق وترجیح نہ ہو۔

۳۔ خزانۂ ملکی (باصطلاحِ اسلام بیت المال) ملک کی ملکیت ہو۔ پریذیڈنٹ کو اس پر کوئی ذاتی حق تصرف نہ ہو۔

۴۔ اصولِ حکومت "مشورہ" ہو۔ اور قوتِ حکم وارادہ افراد کی اکثریت کو ہو۔ نہ کہ ذات وشخص کو۔

۵۔ حریت رائے وخیال اور مطبوعات (پریس) کی آزادی اسی کے تحت میں ہے۔

یہی اصول اساسی ہیں جن کو پروفیسر والٹس رینی نے انگلستان کے نظام حکومت

Marfat.com

کی مشہور کیمبرج تاریخ میں بیان کیا ہے۔ لیکن جمہوری نظام حکومت کے یہ اصلی عناصر نہیں ہیں۔ اگر ان کی تحلیل و تفرید کی جائے تو بہت سے مرکبات الگ ہو جائینگے اور آخر میں صرف ایک ہی عنصر بسیط باقی رہے گا جو (۱) میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی قوت حکم و ارادہ اشخاص و ذات کے ہاتھ میں نہ ہو بلکہ جماعت و افراد کے قبض و تسلط میں"

مختصر لفظوں میں اس کی تعبیر اس ایک جملہ میں ہو سکتی ہے کہ "نفی حکم ذاتی و مطلق"

باقی چار دفعات میں جو امور بیان کئے گئے ہیں وہ سب کے سب اسی کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ مساوات حقوق مالی و قانونی، اساس مشورہ و انتخاب۔ عدم اختیار تصرف خزانہ ملکی حریت آرا و مطبوعات وغیرہ وغیرہ سب "نفی حکم ذاتی و مطلق" ہی کی تفسیر ہیں۔

(۵)

موجودہ جمہوریت و حریت کا پہلا سال سن ۹ ۷ سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ ۱۴ جولائی سے انقلاب فرانس کی تحریک کا آغاز ہوا۔ اور رجال انقلاب نے مشہور قلعہ باسٹیل پر قبضہ کرلیا۔ یہ زمانہ اگرچہ انسانی جذبات کی شورش و طوائف الملوکی کا ایک ہیجانی دور تھا اور ایک عہد کے اختتام کے بعد اور دوسرے کے آغاز سے پہلے ایسا ہونا ضروری ہے۔ تاہم ایک جمعیت وطنیہ موجود تھی جو اس وقت تمام اعمال و امور انقلاب کی حکومت اپنے ہاتھوں میں رکھتی تھی اور یہ برابر قائم رہی تا آنکہ ۱۷۹۱ء میں اس نے فرانس کے پہلے دستور کا اعلان عام کیا۔

یہ جمعیت انقلاب سے پہلے ۱۷ جون ۱۷۸۹ء کو قائم ہوئی تھی اور تمام دور انقلاب اسی کے زیر حکومت رہا۔

واقعہ باسٹیل کے بعد ۴ اگست کی شب کو جمعیت نے اپنا مشہور منشور انقلاب شائع کیا تھا جس نے تاریخ میں اولین "فرمان حریت" کے لقب سے جگہ پائی ہے اس

Marfat.com

یں انقلاب کی تکمیل کا اعلان تھا۔ اور دنیا کو بشارت دی گئی تھی کہ وہ شاہد حریت جو اپنی رونمائی میں انسانی خون اور لاش کی پہلی قربانی قبول کر چکی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ برقعہ الٹ دے اور دنیا کے سامنے اپنا نظارۂ امن عام کر دے۔

اس منشور میں سب سے پہلے نظام حکومت قدیمہ کی بعض خصوصیات تبلائی تھیں پھر مقصدِ انقلاب کی تصریح کی تھی۔ آخر میں اعلان عام تھا کہ پچھلے عہد کے تمام اعمال و آثار آئندہ کے لئے کالعدم قرار دئیے جاتے ہیں۔

اس منشور میں لکھا تھا کہ قدیم نظامِ حکومت کا سب سے بڑا عذاب انسانیت پر یہ تھا کہ پادشاہ کا تسلط جزو کل پر جاری تھا اور اس کو "رئیسِ مطلق" کی حیثیت بغیر کسی مراقبہ و مسئولیت کے حاصل تھی۔

پھر اس کے بعد آئندہ حالت کی الفاظ ذیل میں تصریح کی تھی۔

"جمعیت وطنیہ نے جو کچھ کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نے حکومت مطلقہ سے پادشاہ کو محروم کر دیا وہ ملک و امت کو اس کا مستحق قرار دیتی ہے۔

آج کے دن سے حکومت مطلقہ منہدم ہو گئی اور اہلِ وطن میں باہم امتیاز و فضیلت کا دور ختم ہو گیا۔ اب ملک پادشاہ سے اور وطنیت عدم مساوات سے آزاد ہے۔

جمعیت وطنیہ گذشتہ زمانے کے ان تمام آثار و اعمال کو کالعدم قرار دیتی ہے جن کی وجہ سے حریت و مساوات اور حقوق عامہ کو ایک ادنٰی سے ضرر کا بھی احتمال ہے۔

اب نہ ارباب عزو دولت کے لئے کوئی امتیاز باقی رہا۔ نہ زمینداروں کے لئے حق فضیلت و استیلا۔ وراثت سے کوئی حق پیدا نہیں ہوتا۔ اور نہ طبقات و مدارج کا اختلاف کوئی شئے ہے۔ تمام القاب و خطابات جو کل تک لوگوں کو حاصل تھے آج کے دن سے یقین کر لیا جائے کہ بالکل بیکار و کالعدم ہو گئے ہیں۔

محض وراثت کی بنا پر کسی کو حکومت سے وظیفہ نہیں مل سکتا۔ کسی ... کو

یا کسی فرد واحد کو ایک ادنیٰ سا بھی امتیاز ان قوانین عامہ سے بری ہونے کا نہیں جو ہر فرانسیسی پر نافذ ہونگے"۔

لیکن اب تک نظامِ حکومت کا کوئی قانون مرتب نہیں ہوا تھا۔ ایک مجلس تشریح (وضع قوانین قائم کی گئی تھی تاکہ فرانس کا دستور مرتب کرے۔ اس مجلس نے وضع قوانین سے پہلے بطور مبادی دستور و حریت کے چند دفعات مرتب کیں اور انہی کے تمام نظامات و قوانین کا اساس و اصل الاصول قرار دیا۔

یہ مبادی حریت ایک اعلان کی صورت میں قلمبند کئے گئے تھے اور ۱۷۹۰ء میں چھپ کر جمعیت کی طرف سے شائع ہوئے تھے۔

حقوقِ انسانی کا یورپ میں اعلان | ان مبادیات کا خلاصہ یہ تھا۔

"انسان آزاد پیدا ہوتا ہے اور آزادی ہی کے لئے زندہ رہتا ہے۔ تمام انسان بلحاظِ حقوق مساوی ہیں۔

حقوق طبعی یہ ہیں:- حریت، تملک، امن، مقاومت۔

(حریت) کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو قدرت حاصل ہو کہ ہر اس کام کو کر سکے جسے بغیر کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے وہ کر سکتا ہے۔

(تملک) سے مقصود اپنی ملکیت صحیح و قانونی کے قبض و تصرف کے کامل حق کا ملنا ہے یعنی ہر شخص اپنی املاک کا مالک ہو اور کوئی اس سے چھین نہ سکے۔

(امن) سے مقصود یہ ہے کہ ہر شخص اپنی جگہ پر محفوظ و بے خطر ہو اور صرف قانون کی خلاف ورزی ہی کی ایک صورت ایسی ہو جو اس کے امن میں خلل ڈال سکے۔

(مقاومت) سے مقصود جور و ظلم اور حملہ و اقدامِ مجرمانہ کی مقاومت ہے یعنی ہر شخص اپنی حفاظت کے وسائل اختیار کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ ظلم و جور کے خلاف احتجاج (پروٹسٹ) کر سکے۔

Marfat.com

قانون ادارۂ عامہ کا مظہر ہے۔ پس ہر وطنی کو حق ہو کہ وہ ذاتی طور پر یا بتوسط وکلا مجلس اعلیٰ (سینٹ) میں شرکت کر سکے۔

ہر وطنی بلحاظ وطنی ہونے کے یکساں حکم سے موثر ہو۔ اس بنا پر ہر شخص کے لئے ممکن ہو کہ وہ بڑے بڑے عہدے کو اور اعلیٰ سے اعلیٰ وظیفے کو حسب اقتدار و اہلیت حاصل کر سکے۔

کسی انسان کے لئے کسی حالت میں جائز نہ ہو کہ وہ کسی انسان کو قید کر سکے یا اور کوئی ایسا ہی سلوک کر سکے۔ الّا انہی صورتوں میں جو قانون نے مقرر کر دی ہوں۔ اور اسی طریقہ پر جو اُس نے قرار دے دیا ہو۔ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو اپنی رائے کے اظہار سے روکے۔ اگرچہ وہ دینی ہو اور عام اعتقادات دینیہ کے مخالف۔ البتہ اس صورت میں اس کا اظہار روکا جا سکتا ہے جب کہ وہ قانون کے لحاظ سے امن عامہ کے لئے مضر ہو۔

ہر وطنی کو پورا حق حاصل ہے کہ اپنی رائے و فکر کے مطابق گفتگو کرے یا لکھے پڑھے یا چھاپ کر شائع کرے۔

اسی طرح ہر وطنی کو حق توزیع و اشاعت حاصل ہے۔

"حق تملک" ایک مقدس حق ہے کسی شخص کی طاقت نہیں کہ کسی کی ملکیت اُس سے چھین سکے۔ البتہ مصالح عامہ سب پر مقدم ہیں۔ لیکن اس کے لئے بھی جب تک قانونی ضرورت نہ ہو کوئی شخص اپنی ملکیت سے دست بردار ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

موجودہ تحریک انقلاب کے مبادی مقاصد میں سے ہے کہ حق حکم و تسلط اشخاص کو نہیں بلکہ امت اور ملک کو حاصل ہو۔ جمیع ابناء وطن اپنے تمام حقوق میں مساوی ہو جائیں۔ حریت سے متمتع ہوں اور ہر طرح مامون و مصئون رہیں پس امت فرنساوی کا شعار

وطنی حریت، مساوات اور اخوت قرار پایا ہے۔"

یہ ایک حقیقت ہے کہ یورپ کی موجودہ جمہوریت کا مبدء سعادت مجلس تشریع فرانس کا یہی اعلان تھا۔ تاریخ نے اُسے "اعلان حقوق الانسان" کے لقب محترم سے محفوظ رکھا ہے اور ہمیشہ محفوظ رکھے گی۔

ہم نے اس حصۂ بیان کو اس لئے کسی قدر طول دیا تاکہ انقلاب فرانس کی انتہائی حد حریت و جمہوریت سامنے آجائے۔ نیز اندازہ کیا جاسکے کہ یورپ کی موجودہ جمہوریت کے خلاصۂ امور و مبادی نظام و اساس کیا کیا ہیں۔

یہ انقلاب فرانس کے تلاشِ حریت و مساوات اور جستجوئے حقوق انسانی کی انتہائی سرحد تھی۔ یہی مبادئ حریت ہیں جن کو انسانی آزادی کے سب سے آخری سوال کے جواب میں آج یورپ بتلا سکتا ہے۔

اس اعلان مبادی حریت میں بھی دراصل وہی ایک اصل اصول حریت اس کی ہر دفعہ کے اندر موجود ہے۔ جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ تمام دفعات کا اگر خلاصہ ایک جملہ میں کرنا چاہیں تو صرف یہی ہوگا کہ حق حکم و تسلط صرف امت ہی کے لئے ہے۔

چنانچہ اس کے بعد یہی اصل اصول فرانس کی تمام دستوری اور جمہوری جماعات کے پیش نظر رہا۔ انقلاب سے پہلے فرانس میں پارلیمنٹری حکومت موجود تھی۔ لیکن شاہی حقوق و تسلط اور کلیسا کا عالمگیر استبداد اس درجہ قوی تھا کہ دراصل ایک شخصی تخت شہنشاہی حکومت مقیدہ کے نام سے حکمرانی کر رہا تھا۔

انقلاب کے بعد رجالِ انقلاب میں تفریق ہوگئی۔ ایک گروہ ملوکی مگر دستوری و مفید حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ گروہِ غالب یہی تھا اور اس کے سامنے انگلستان کے دستور کا نمونہ تھا۔ دوسرا گروہ خالص جمہوری حکومت کے نظام بناتا تھا۔ یہ جماعت اگرچہ قلیل تھی مگر عوام اور کاشتکاروں پر اس کا اثر حاوی تھا۔ ۱۰ اگست ۱۷۹۲ء کو اس

Marfat.com

جماعت نے پیرس کے دیہاتیوں سے شورش کرا کے مجلس کو مجبور کیا کہ وہ ایک نئے دستور کا اعلان کردے جو بادشاہ کے وجود سے بالکل مستغنی ہو۔

اس غرض سے ایک نئی مجلس کا انتخاب ہؤا۔ منتخبہ مجلس نے ایک سب کمیٹی قائم کی جس کے اکثر اعضا مشہور انقلابی مصنف "جان روسو[۱]" کے شاگرد تھے انہوں نے اسی اصل اصول کو تمام نظام و قوانین کا محور قرار دیا کہ حکم و تسلط صرف قوم ہی کے لئے ہے۔ اور ایک نیا نظام مرتب کیا جو ملکیت (شاہی شرکت) سے بالکل خالی تھا۔ یہ نظام تاریخ انقلاب میں "دستور ۱۷۹۳ء" کے لقب سے مشہور ہے۔

لیکن دوسرے سال یہ دستور بھی قائم نہ رہا۔ یہ دور انقلاب درحقیقت انسانی جذبات کی شورش، اذہان کی طوائف الملوکی اور طبیعت انسانی کے مطالبات مفرطہ کا ایک ہیجانی دور تھا۔ فرانسیسی قوم جو بات سے معطل تھی سوچ سکتی تھی مگر کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ لوگوں کی مثال (بقول وکٹر ہیوگو) "بالکل ان قیدیوں کی سی ہوگئی تھی جو مدت العمر قید خانے میں رہ کر آزاد ہوئے ہوں اور جیل کے احاطے سے نکل کر جب آسمان کی کھلی فضا کے نیچے پہنچیں تو حیران ہو کر رہ جائیں کہ اب انہیں کیا کرنا چاہئے۔"

یہ حالت قدرتی ہے اور ہمیشہ ایک دور کے اختتام اور دوسرے کے آغاز کا درمیانی حصہ دنیا نے ایسی ہی حالتوں میں کاٹا ہے۔ فرانس بھی اسی میں مبتلا تھا۔ دستور مرتب ہوتے تھے اور پھر نئے دستور کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ حکومتیں تعمیر کی جاتی تھیں اور پھر

---

[۱] جان روسو مشہور فرانسیسی مصنف اور انقلاب فرانس کے محرکین اولین میں سے ہے۔ ۱۷۵۶ء میں اس نے اپنے افکار سیاسیہ ایک کتاب کی صورت میں شائع کئے اس میں ہر طرح کے استبداد دینی و ملوکی کو ظلم و معصیت بتلایا تھا۔ اور جمہوری حکومت کی اہل فرانس کو ترغیب دی تھی۔ جمہوری حکومت کے اس نے متعدد نظام مرتب کئے تھے اور سب کا اولین اصول قوم کے تمام طبقات و جماعات میں مساوات قرار دیا تھا۔ ۱۷۱۲ء میں پیدا ہؤا اور ۱۷۷۸ء میں بعالم دیوانگی وفات پائی۔ تمام بر سیقیہ کو بصورت ارقام و خطوط مدون کرنے کا وہی موجد ہے۔

Marfat.com

ڈھائی جاتی تھیں۔ ۱۷۹۵ء میں نئے دستور کا اعلان ہوا اور ۱۷۹۹ء تک قائم رہا۔ اسی اثنا میں فرانس اور یورپ میں جنگ شروع ہو گئی جس کی بنا محرکہ دراصل فرانس کا انقلاب حکومت ہی تھا۔ اس بیرونی مصروفیت سے اندرونی نزاعات کی قوت گھٹ گئی۔ یہاں تک کہ حالات نے ایک دوسرے انقلاب کا صفحہ الٹا اور ملوکیت جو فرانس سے چلی گئی تھی پھر دوبارہ بلالی گئی۔

اب تک سررشتۂ حکومت ڈائرکٹروں کی ایک جماعت کے ہاتھ میں تھا اور مختلف اواری تشریعی اور نیابی و انتخابی مجالس قائم تھیں۔ اب انہوں نے دیکھا کہ زیادہ عرصے تک حکومت اپنے قبضے میں نہ رکھ سکیں گے۔ وضع ملکی کو کسی نہ کسی طرح جنگی مہمات سے فائدہ اٹھا کر بدل دینا چاہئے۔ اسی سیاست کا نتیجہ وہ انقلاب ثانی تھا جو ۸ نومبر ۱۷۹۹ء کو وقوع میں اور مشہور فاتح یورپ نپولین بوناپارٹ کی اعانت سے پانچ سو نائبین ملک کی مجلس فوجی قوت سے توڑ دی گئی اور اس طرح عہد کرامویل کی تاریخ انگلستان کا پھر اعادہ ہوا جس نے شخصیت کو شکست دے کر پھر خود اپنی شخصیت سے ملک کی جمہوریت کو شکست دی تھی۔

اب ایک نئی مجلس اس غرض سے منتخب کی گئی کہ نئے نظام و دستور کو مرتب کرے چنانچہ آٹھویں سال انقلاب کا دستور شائع کیا گیا۔ یہ دستور فی الحقیقت بوناپارٹ کا گھڑا ہوا ایک کھلونا تھا، جو فرانس کو بہلائے رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ بظاہر ایک جمہوریت قائم کی گئی جس میں دستور جمہوری کے تمام اعضا و جوارح موجود تھے۔ مگر دماغ کی جگہ ایک قنصل کا عہدہ قائم کیا گیا جو بیس برس کے لئے نامزد کیا جاتے گا اور جمہوریت کی طرف سے فرانس پر حکومت کرے گا۔ تمام عمال کا تعین، تمام فوج کی قیادت صلح و جنگ کا اختیار، تمام اداری و تنفیذی قوتوں کا سررشتۂ آخری اس کے سپرد کر دیا گیا اس کی معاونت کے لئے دو نائب بھی رکھے گئے مگر فی الحقیقت وہ اپنے تمام کاموں میں

Marfat.com

ایک خود مختار حکمران و شہنشاہِ مطلق تھا۔

اس جمہوری شہنشاہی کے تخت پر نپولین بونا پارٹ متمکن ہوا۔ یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن انقلاب فرانس اپنا کام پورا کر چکا تھا۔ فرانس پر یہ دَور بھی گذر گیا۔ اس کے بعد ملوکیت و مطلق العنانی کا ایک نیا دَور شروع ہوا۔ تمام یورپ میں نظام مقیدہ[۵] کی حکومت داخل ہوئی۔ فرانس میں بھی انگریزی نظام دستوری قائم کیا گیا۔ بایں ہمہ آخر میں فتح جمہوریت ہی کو ہوئی۔ اور وہی انقلاب فرانس کا قائم کردہ اصل اصول بغیر کسی تغیر کے تمام قوانین کا بنیاد قرار پایا۔ کہ "السلطنة للشعب وحدہ"

یورپ کے دیگر حصص میں اگرچہ اس انقلاب کا اثر ملوکیۂ مقیدہ سے آگے نہ بڑھا مگر فی الحقیقت ہر دستور و نظام حکومت میں بصور مختلفہ یہی اصل الاصول کام کر رہا ہے۔

(۶)

انقلاب فرانس یورپ کی موجودہ جمہوریت و حریت کا سرچشمہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہم نے مختصر طور پر اس کے اعلانات و اساسات کی تشریح کی تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ فرانس کا جو "منشور حریت" نقل کیا گیا ہے اور جس میں مبادئ حریت و مساوات بیان

---

[۵] اس مضمون میں جا بجا حکومت مقیدہ۔ ملوکیہ۔ دستوری وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں "حکومت مقیدہ" سے مقصود وہ نظام حکومت ہے جس میں گو بادشاہ کے حقوق و تسلط حکم کو برقرار رکھا گیا ہو۔ لیکن قانون و آئین کی پابندی کے ساتھ حکومت کی جاتی ہے۔ "ملوکیہ مقیدہ" سے بھی وہی مقصود ہے "دستوری" سے مقصود پارلیمنٹری حکومت ہے جس میں پادشاہ قانون و جماعت کے ماتحت ہو اور یہ نظام "انگریزی" کے لقب سے مشہور ہے۔ صرف "ملکیہ" سے مراد حکم مطلق یا شخصی حکومت ہے۔ "جمہوری" نظام حکومت پادشاہ کے وجود سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ حکومت صرف ملک کی اکثریت کرتی ہے۔ اور نظام اداری کے لئے ایک شخص باسم صدر منتخب کر لیا جاتا ہے۔ یہی طرز حکومت آج کل امریکہ اور بعض چھوٹی چھوٹی جمہوریتوں کا ہے۔ آج کل کی اصطلاح کے مطابق اسلام ملکیت مقیدہ یا نظام دستوری انگلستان کے مطابق حکومت قرار نہیں دیتا۔ جیسا کہ غلطی سے بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کا نظام خالص جمہوری اور شائبۂ تشخص و ملکیہ سے کلیۃً پاک ہے۔

Marfat.com

کئے گئے ہیں۔ اس سے اگر تشریح قوانین و تکرار مقاصد و اعادۂ مطالب کو الگ کر دیا جائے تو اصل اصول نظام جمہوریت کے وہی چند دفعات رہ جاتے ہیں۔ جن کو شروع میں ہم نے بیان کیا تھا۔ اور پھر مکرر دہرا چکے ہیں یعنی بصورت تقسیم مواد منع حکم ذاتی، مساوات عمومی، انتخاب رئیس، اور اصول شوریٰ۔ یعنی چار دفعات اصل اصول قرار دئیے جا سکتے ہیں اگر ان عناصر مرکبہ کی بھی تفرید کی جائے تو پھر ایک ہی اصل الاصول آخر میں باقی رہ جائیگا۔ یعنی "منع حکم ذاتی" یا السلطنة للشعب وحدہ" حق تسلط صرف قوم ہی کو حاصل ہے۔

انہی دفعات اربعۂ نظام جمہوریت کو پیش نظر رکھ کر ہم نے احکام اسلامیہ و اعمال مسلمین اولین کا تفحص کیا تھا اور ایک ایک دفعہ پر ترتیب وار بحث کی تھی۔ گو بحث اجمالی اور نظر سرسری تھی تاہم حسب ذیل نتائج تک پہنچنے میں ضرور رہنما ہوئی ہو گی۔

(۱) اسلام ہر قسم کے ذاتی و شخصی تسلط کی نفی مطلق کرتا ہے۔ اُس نے روز اول ہی سے جو نظام حکومت قائم کیا وہ خالص جمہوری اور شائبۂ شخصیت سے پاک تھا۔ تصریحات کلام اللہ اور سنت مسلمین اولین سے بغیر کسی توجیہ و تاویل کے ثابت ہوتا ہے کہ "حکومت جمہور کی ملک ہے۔ ذات اور خاندان کو اس میں دخل نہیں" یہی اصول خلاصۂ نظام جمہوریت حاضرہ ہے

(۲) نفی حکم ذاتی کا پہلا نتیجہ مساوات عمومی افراد بشر ہے یعنی خاندانی، ملکی، قومی اور مالی امتیازات کوئی شے نہیں۔ اسلام نے پہلے ہی دن اعلان کر دیا۔ "لیس لاحد علی احد فضل الا بالدین و تقویٰ۔ یعنی کسی ایک انسان کو دوسرے انسان پر کوئی فضیلت نہیں ہو سکتی۔ اِلّا اس کی دینی فضیلت اور حسن عمل۔

(۳) نظام جمہوریہ کا تیسرا رکن رئیس جمہوریہ اور اس کا تقرر بذریعۂ انتخاب ہے۔ رئیس جمہوریت کو اسلام خلیفہ کہتا ہے۔ اور "اجماع" سے مقصود قوت اکثریت انتخابیہ ہے۔

(۴) اسی ضمن میں تکمیل جمہوریت صحیحہ کے لئے ضرور تھا کہ خود رئیس جمہور کو عام

Marfat.com

افرادِ ملک کے مقابلے میں کوئی امتیازِ خاص حاصل نہ ہو۔ مساواتِ حقیقی کے یہ معنی ہیں کہ جس شخص کو رئیسِ جمہوریت منتخب کیا گیا ہے وہ اپنے تمام حقوقِ قانون و مال میں بھی مثل ایک عام باشندۂ شہر کے نظر آئے۔ پس اس حیثیت سے بھی تفصیلی نظر ڈالی تو اسلام کا خلیفہ اس شان میں سامنے آیا کہ پھٹی ہوئی چادر اور دو وقت کی غذا کے سوا اس کے پاس اور کچھ نہ تھا۔

ان مباحث کے ضمن میں ہم پر اس سے بھی زیادہ خصائص الہیۂ اسلامیہ کا انکشاف ہوا۔ ہم نے صرف یہی نہیں دیکھا۔ کہ جو کچھ آج جمہوریت و حریت اور مساوات و آئین کے نام سے دکھلایا جا رہا ہے۔ وہ سب کچھ اسلام کے پاس موجود ہے۔ بلکہ یہ بھی نظر آیا کہ موجودہ عصرِ تمدن کے یہ تمام مناظرِ ضخیمہ اب تک اس حقیقتِ عظمیٰ و صداقتِ کبریٰ سے خالی ہیں جن کو تیرہ سو برس پہلے وہ ظاہر کر چکا ہے۔

یورپ کی ناکامیاب جستجوئے مقصد اور انقلابِ فرانس کی ناکامی

حریتِ صحیحہ اور اسلام کے تعلق پر بحث کرتے ہوئے دو پہلو پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک پہلو بحث کا یہ ہے کہ آج یورپ کے بازار حریت میں بہتر سے بہتر جو متاع دکھلائی جا سکتی ہے وہ ہمارے امانت خانوں میں تیرہ سو برس سے موجود ہے۔

دوسرا حصہ وہ ہے جہاں نظر آتا ہے کہ صرف وہ متاع ناقص ہی نہیں بلکہ اس سے بھی اعلیٰ و اشرف اشیا ہمارے پاس موجود ہیں۔

ہم نے اس دوسرے حصۂ بحث پر بھی کہیں کہیں نظر ڈالی ہے اور اس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے۔

(۱) اسلام نے اپنے نظامِ حکومت سے بکلی بادشاہ کے وجود کو خارج کر دیا اور ایک کامل جمہوریت قائم کی جس میں صرف ایک پریذیڈنٹ بہ اسمِ خلیفہ رکھا گیا ہے۔ برخلاف اس کے یورپ میں جمہوریت کی تحریک اب تک پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کا بڑا

Marfat.com

حصہ اب تک تاج و تختِ فرمانروائی کے آگے عاجزی کرنے پر مجبور ہے۔ امریکہ اور فرانس، صرف یہی دو بڑی جمہوریتیں انقلابِ فرانس کا کامیاب نتیجہ ہیں۔ ان کے علاوہ چند چھوٹی چھوٹی جمہوریتیں ہیں مگر ان کا شمار بڑے ملکوں میں نہیں۔

(۲) انقلاب کی اصلی روح مساوات ہے اور صرف شاہی اقتدار و تسلط کے روک دینے ہی سے جمہوریت صحیحہ قائم نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ نوعِ بشر میں مساواتِ حقیقی قائم نہ ہو۔ اس بنا پر گو فرانس کے انقلاب نے شاہی اقتدار کی مطلق العنانی سے دنیا کو نجات دلا دی۔ تاہم وہ مساواتِ حقیقی کے قیام میں کامیاب نہ ہو سکا مختلف درجات و طبقاتِ امت کا اختلاف بدستور باقی ہے۔ دولت کے اقتدار کی لعنت سے اب تک دنیا نے نجات نہیں پائی۔ اور تمیز ادنیٰ و اعلیٰ کے عذاب الیم کی زنجیر اب تک اس کے پاؤں میں پڑی ہے۔

(۳) یہ کیا ہے کہ اب تک پادشاہ ہے جو ملکی خزانوں سے کروڑوں روپیہ لیتا اور باوجود ایک عام باشندۂ شہر ہونے کے عام باشندوں سے ارفع و اعلیٰ رہتا ہے۔

اب تک وہ عظمت و جبروت کے اس عرشِ مقدس پر متمکن ہے جہاں تک زمین کے عام باشندوں کی رسائی نہیں۔

شاہِ انگلستان ستر لاکھ پچاس ہزار روپیہ ہر سال تن تنہا اپنے اوپر صرف کرتا ہے پھر کیا با ایں ہمہ یورپ کو مساواتِ انسانی کے ادعا کا حق حاصل ہے؟

اس کی آبادی اب تک اُن امیروں کے ایوانوں سے رکی ہوئی ہے جو چاندی سونے کے گھمنڈ میں اپنے ہم جنسوں کے ساتھ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ پھر وہ مساوات کہاں ہے جس کے فرشتے نے تمام اکنافِ یورپ کو اپنے پروں میں چھپا لیا ہے؟

لیکن اسلام نے روزِ اوّل ہی مساوات کی حقیقی تصویر دنیا کو دکھلا دی۔ اس کا اوّلین قدوس پادشاہ جس طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ تم پڑھ چکے ہو اس کے خلفائے صا

Marfat.com

کہہ دیا کہ "حلتان وقوتی وقوت اھلی" یعنی مجھ کو صرف دو جوڑے کپڑے کے اور اپنی اور اپنے اہل وعیال کی غذا چاہئے اور بس۔

حضرت ختم المرسلین نے قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت کی نسبت رؤسأ قریش سے، حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کی اولین مجلس میں، حضرت معاذؓ نے سردار رومی کے آگے، مغیرہ بن شعبہ نے ایرانی سپہ سالار کے سامنے اور واقعۂ اجنادین میں رومی سپہ سالار کے آگے اُس کے مخبر نے جو تقریریں کی تھیں ان کو دوبارہ پڑھو اور پھر مساوات یورپ کا مساواتِ اسلامی سے مقابلہ کرو۔

لیکن مساوات کے بھی مختلف درجے اور اس کی مختلف قسمیں ہیں۔ یہ سچ ہے کہ انقلابِ فرانس نے اپنے اعلانِ حریت میں تمام ابناء وطن کو مساوی قرار دیا لیکن کیا تمام ابناء آدم کو بھی درجہ وحقوق میں مساوی قرار دے سکا؟ وہ عدم مساوات جو ایک محدود رقبۂ زمین میں ہو۔ زیادہ مستحق نفرین ہے یا وہ، جو تمام دنیا اور دنیا کی تمام قوموں میں پھیلا ہوا ہو۔ دنیا اس مساوات کے لئے تشنہ ہے جو ابنائے وطن کی طرح مختلف وطنوں اور قوموں کا امتیاز بھی مٹا دے۔ اور اسود وابیض، مغرب ومشرق، متمدن وغیر متمدن غرضکہ خدا کے تمام بندوں کو ایک درجے میں لاکر کھڑا کر دے۔ تم ابھی ابھی انقلاب فرانس کی سرگذشت سے فارغ ہوئے ہو۔ تم نے وہ اعلانِ حریت پڑھا ہے جس کو تاریخ عظمت کے ساتھ اپنے سینے سے لگائے رکھتی ہے۔ لیکن کیا اس میں اول سے لیکر آخر تک کسی جگہ بھی اس مساوات کا ذکر ہے جو کسی خاص سرزمین کو نہیں بلکہ تمام عالم کو اپنا پیغامِ نجات سناتا ہو؟ اس کی ہر دفعہ کو مکرر پڑھو تو تم ہر جگہ وطن ہی کا نام پاؤ گے اور انقلاب فرانس کا بلند سے بلند مساوات کا تخیل اس سے زیادہ نہ ہوگا کہ فرانس کا ہر باشندہ ایک دوسرے کے برابر ہو جائے۔

لیکن خدا کی زمین جو صرف فرانس اور یورپ کی اقوام سے آباد نہیں ہے اپنے اس غم

Marfat.com

کے لئے کہاں مرہم ڈھونڈھے جس نے ایک قوم اور وطن کو دوسری قوم اور وطن پر فضیلت دے دی ہے؟

یورپ سے اس کو تسکین نہیں مل سکتی لیکن اسلام کا ہاتھ اس کو مرہم بخش سکتا ہے۔ اُس نے صرف اپنے وطن اور سرزمین ہی کو مساواتِ باہمی کا حقدار نہیں سمجھا۔ بلکہ اس کا اعلان ایک عالمگیر مساوات کا فرمان تھا، جب کہ اُس نے کہا کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (۴۹ : ۱۳)

"اے لوگو ہم نے تم کو مرد و عورت کے اتحاد سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قوموں اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا۔ لیکن اس اختلافِ قوم و نسل سے کوئی امتیاز و شرف حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ تم باہم ایک دوسرے سے شناخت کئے جاؤ۔ ورنہ تم میں سب سے زیادہ اللہ کے آگے افضل وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور نیک اعمال ہے۔"

تو اس کا اعلانِ مساوات صرف مکہ اور حجاز ہی کے لئے نہ تھا۔ بلکہ تمام عالم کے لئے تھا۔

اسلام صرف وطن ہی کی محبت لے کر نہیں آیا۔ اُس کے پاس تمام عالم کے عشق کا پیغام ہے۔ اُس نے جو کچھ کیا تمام عالم کے لئے کیا اور صرف وہی تھا جو یہ کر سکا وما ارسلناك إلا كافة للناس بشيرًا ونذيرًا دنیا کی خدا "رب العالمین" تھا جس کی ربوبیت عامہ میں کوئی خصوصیاتِ وطن و مقام نہیں۔ اس کا پیغام امن و نجات بھی رحمۃ للعالمین ہو کر آیا۔ کہ

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

Marfat.com

ذخیرۂ پروفیسر محمد اقبال مجددی
جو 2014ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو
ہدیہ کیا گیا۔

مقالاتِ آزاد

ذخیرۂ محمد اقبال مجددی

مرتبہ

عبداللہ بٹ

ناشر

قومی کتب خانہ، لاہور

Marfat.com